سررشتہ تعلیم پنجاب و صوبجات متحدہ کی طرف سے منظور شدہ ٹیکسٹ بک

LIBRARY

سلسلۂ آدبیہ

اُردُو کورس

آٹھویں جماعت کے لئے

مؤلفہ

ڈاکٹر سر محمد اقبال ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ بیرسٹر ایٹ لا

و

حکیم احمد شجاع بی۔ اے (علیگ)
سکرٹری پنجاب لیجسلیٹو کونسل

سنہ ۱۹۴۰ء

گلاب چند کپور اینڈ سنز بک سیلرز پبلشرز انار کلی لاہور
نے
اپنے مطبع پنجاب آرٹ پریس لاہور میں باہتمام لالہ گلاب چند کپور
چھپوا کر شائع کیا

قیمت

فہرستِ تصاویر

نمبر	تصاویر	صفحہ
(۱)	سرسید احمد خاں صاحب	۳۰
(۲)	مسٹر دادا بھائی نوروجی	۴۴
(۳)	جوگی اور پہاڑ	۵۵
(۴)	ریچھ اور قلندر	۶۸
(۵)	چاند اور ستارے	۱۳۱
(۶)	کبوتر اور فوٹو کا کیمرا	۲۵۲
(۷)	خدائی فوجدار	۲۷۸

۱۹۲۸ء کا نسخہ صفحات ۳۳۲ (غالباً)

19

رفیع الدین صدیقی
۲۵/اکتوبر ۱۹۸۶ء

IQBAL ACADEMY PAKISTAN LIBRARY, Acc. No. 15748 LAHORE.

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون		صاحبِ مضمون	صفحہ
(۱)	معرفتِ الٰہی	نظم	جناب جوش ملیح آبادی	۹
(۲)	دنیا کی دلچسپیاں	نثر	جناب شیخ سر عبد القادر بی اے بیرسٹر ایٹ لا	۱۲
(۳)	حُبِّ وطن	نظم	مولانا محمد حسین آزاد مرحوم	۲۷
(۴)	قلعۂ شاہ جہاں	نثر	جناب ڈاکٹر سر سید احمد خاں مرحوم	۳۰
(۵)	رام چندر جی کا بن باس	نظم	جناب پنڈت برج نرائن چکبست	۳۷
(۶)	مسٹر دادا بھائی نوروجی	نثر	جناب پنڈت تلوکی ناتھ کول	۴۴
(۷)	جوگی	نظم	جناب چودھری خوشی محمد صاحب ناظر۔ گورنر کشمیر	۵۵
(۸)	زبان کی تمیز اور اُس کا فرق	نثر	جناب سید احمد دہلوی مرحوم	۵۹
(۹)	ریچھ کا بچہ	نظم	حضرت نظیر اکبر آبادی مرحوم	۶۸
(۱۰)	دیا سلائی	نثر	. . . .	۷۱
(۱۱)	ستارہ	نظم	ڈاکٹر سر محمد اقبال ایم اے بیرسٹر ایٹ لا	۸۶
(۱۲)	ایمان کا فیصلہ	نثر	جناب منشی پریم چند	۸۷

نمبر شمار	مضمون		صاحبِ مضمون	صفحہ
۱۳	سرورِ قناعت	نظم	جناب منشی نائک پرشاد طالب	۱۲۵
۱۴	چاند اور ستارے	نثر	.. ..	۱۳۱
۱۵	گنگا	نظم	جناب مولانا سہا (علیگ)	۱۴۱
۱۶	ہوشیار سراغرساں	نثر	جناب حکیم احمد شجاع بی اے (علیگ)	۱۴۲
۱۷	کسان	نظم	جناب سید محمد فاروق	۱۵۶
۱۸	گھر سے نکل کے دیکھو	نثر	جناب شیخ عبدالقادر بی اے بیرسٹر ایٹ لا	۱۵۹
۱۹	موسم گرما	نظم	جناب پیارے لال شاکر	۱۷۳
۲۰	مجھے میرے دوستوں سے بچاؤ ..	نثر	جناب سید سجاد حیدر بی اے (علیگ)	۱۷۶
۲۱	مناظرہ ہمت و تدبیر	نظم	جناب سید علمدار حسین	۱۹۸
۲۲	موعظۂ حسنہ	نثر	جناب ڈاکٹر حافظ نذیر احمد خاں مرحوم	۲۰۳
۲۳	حضرت قاسم کی جنگ	نظم	حضرت میر انیس	۲۱۱
۲۴	پیسہ کا سفر نامہ	نثر	حضرت خواجہ حسن نظامی مدظلہ	۲۱۹
۲۵	اندھی پھول والی کا گیت	نظم	جناب مہدی حسن احسن	۲۲۸
۲۶	اخلاقی جرأت	نثر	جناب ڈپٹی لال نگم	۲۳۰
۲۷	لڑکیوں کی تعلیم	نظم	حضرت اکبر الہ آبادی مرحوم	۲۴۲
۲۸	سائنس کے حیرت انگیز کرشمے	نثر	جناب پروفیسر فیروزالدین مراد ایم ایس سی	۲۴۶
۲۹	کنار راوی "	نظم	ڈاکٹر سر محمد اقبال ایم اے بیرسٹر ایٹ لا	۲۷۴
۳۰	خدائی فوجدار "	نثر	جناب پنڈت رتن ناتھ سرشار مرحوم	۲۷۶
۳۱	زمین کی فرسودگی یعنی "ڈھا"	نثر	.. ..	۳۰۵
۳۲	برسات کی بہاریں	نظم	حضرت نظیر اکبر آبادی مرحوم	۳۱۹

۱۱۳۹ 4/1

دِیباچہ

اُردو کی مروجہ درسی کتابوں میں یہ کمی عام طور پر محسوس کی جاتی ہے کہ وہ نفسِ مضمون اندازِ تحریر اور طریقۂ انتخاب کے اعتبار سے زمانۂ حال کے مطالبات کو پُورا نہیں کرتیں۔ یہ کتابیں ایک ایسے زمانے میں مرتب ہوئیں۔ جب انتخاب کے مواقع کم تھے۔ اور زبان اُردو نے وہ رنگ اختیار نہ کیا تھا جو مغربی ادب کے تاثر کا لازمی نتیجہ ہے۔ اِن کتابوں کے نقائص بیان کرنے کی بجائے یہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ اس سِلسلہ کی امتیازی خصوصیات ہی بیان کر دی جائیں۔

سِلسلہ ادبیہ کی ترتیب میں اِس امر کا خاص طور پر لحاظ رکھا گیا ہے کہ پُرانے اساتذۂ فن کے نتائجِ فکر کے ساتھ ساتھ زمانۂ حال کے اُن انشا پردازوں اور شاعروں کے مضامین نظم و نثر بھی طالب علم کی نظر سے گذریں۔ جنھوں نے اُردو کو ایک ایسی

زبان بنانے کی ان تھک اور کامیاب کوششیں کی ہیں۔ جو موجودہ ضروریات کے مطابق اور ادائے مطلب پر قادر ہو۔ مضامین کے انتخاب کے تنوّع کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اِس امر کی کوشش کی گئی ہے کہ ہر مضمون ادبی خوبیاں رکھنے کے ساتھ نئی معلومات کا حامل ہو۔

درسی کتابوں پر بالعموم متانت کا رنگ اس قدر غالب ہوتا ہے۔ کہ طالب علم ان میں زیادہ دلچسپی نہیں لے سکتے۔ اِس نقص کو دُور کرنے کے لئے اس سلسلہ میں ظریفانہ مضامین نظم و نثر کی چاشنی بھی شامل کر دی گئی ہے کیونکہ نو عمر بچّوں کے دل و دماغ تک دلچسپ پیرایۂ اظہار کی وساطت ہی سے رسائی ممکن ہے۔ مضامین زیادہ تر ایسے ہی منتخب کئے گئے ہیں۔ جن میں زندگی کا روشن پہلو جھلکتا ہو تاکہ طالب علم اِس کے مطالعہ کے بعد کشاکش حیات میں زیادہ استقلال۔ زیادہ خودداری اور زیادہ اعتماد سے حصّہ لے سکیں۔ حقیقت میں ادبیات کی تعلیم کا یہی مقصد ہونا چاہئے۔ کہ ادبی ذوق کی تربیت کے ساتھ ساتھ طلبا کی وسیع النّظری اور اُن کے دل و دماغ کی جامعیت بھی نشو و نما پائے ہمیں اُمّید ہے۔ کہ اُس سلسلے کی کتابوں کے مطالعہ سے طلباء

زبان اُردو کے ادبی محاسن سے بھی واقف ہو جائیں گے۔ اور اُن کو اس زبان کی روز افزوں ترقی وُسعت اور قدرتِ اظہار کا علم بھی ہو جائیگا۔ اس مجموعہ میں ایسے مضامین بھی ہیں۔ جن میں مناظرِ فطرت۔ ذہنی کیفیّات اور طبعی جذبات کی تصویریں الفاظ میں کھینچی گئی ہیں۔ اور ایسے بھی ہیں۔ جن میں علم طبیعات کے انکشافات صنعت و حرفت کی اختراعات اور عام علمی تحقیقات کو زبان اُردو میں بیان کیا گیا ہے۔ اخلاقی مضامین کے انتخاب میں اِس امر کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ کہ اُن کا اسلوبِ بیان ایسا ہو۔ جو طالب علم کو کمزور اور بُزدل بنانے کی بجائے نیک اور بہادر بنائے۔ اور اس امر کا لحاظ تو بالخصوص رکھا گیا ہے کہ منتخبہ نظم و نثر پر وطنیّت کا رنگ غالب ہو۔ تاکہ طلبا کے دلوں میں اخلاقِ حسنہ اور عِلم ادب کی تحصیل کے ساتھ ساتھ اپنے وطن کی محبّت کا پاک جذبہ موجزن ہو۔ اور وہ ہندوستان کو جس کی عظمت کے نشان اس مجموعہ میں جگہ جگہ پر موجود ہیں۔ زیادہ پُر عظمت بنانے میں حِصّہ لیں ؛

سلسلہ ادبیہ کو زبان اُردو کے طلبا کی ادبی رہنمائی کے لئے ہر طرح مکمّل بنانے کی کوشش کی

گئی ہے۔ خدا کرے کہ یہ طلبا کے مذاقِ ادب کو لطیف اور معیارِ لیاقتِ تحریر کو بلند کرنے میں کامیاب ثابت ہو۔ اس ضمن میں شیخ عبدالحمید صاحب ایم اے۔ آئی۔ ای۔ ایس پروفیسرؑ طریقۂ تعلیم ٹریننگ کالج لاہور کی عنایت خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ جنہوں نے اس سلسلے کی موجودہ تین کتابوں کے مسودات کو بغور ملاحظہ کیا۔ اور جن کے قیمتی مشورے اس سلسلے کی ترتیب و تدوین میں بہت مفید ثابت ہوئے۔

مؤلفین

طبع [سوم] میں حاشیہ پر ... موجود نہیں ہے

حال انسپکٹر آف سکولز ملتان ڈویژن

طبع ۱۹۳۰ء

ع حال انسپکٹر آف ٹریننگ انسٹی ٹیوشنز پنجاب

اُردو کورس

(آٹھویں جماعت کے لئے)

۱۔ معرفت اِلٰہی

صبح کے پرتو میں ہے جلوہ ترا
رات کو تاروں میں ہے تیری ضیا
پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

قابلِ عبرت ہے دُنیا کا نظام
تخت گر ہے آج تو کل بوریا
پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

دیدنی ہے مقبروں کی خوابگاہ
ایک ہی بستر پہ ہیں شاہ و گدا
پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

غنچۂ شاداب صحنِ باغ میں
مُسکراتے ہی پریشاں ہو گیا

پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا
بیٹھتے دیکھے حباب آسا جہاز
ڈوبتے دیکھے سفینے بارہا
پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا
زندگی نے سینکڑوں ساماں کئے
موت نے آ کر پریشاں کر دیا
پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا
ذرّہ ذرّہ سے عیاں ہے اِنقلاب
لمحہ لمحہ پر بدلتی ہے ہوا
پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا
دب گئے کیا کیا خزانے خاک میں
چل بسے کیا کیا عزیز و آشنا
پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا
اُٹھ گئے ایک ایک کرکے دہر سے
کیسے کیسے دوستانِ با صفا
پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا
چاند کے ٹکڑے جنہیں کہتے تھے لوگ
خاک کے پیوند ہیں وہ مہ لقا
پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا
اُن کو رکھا ہے اندھیری قبر میں
جِن سے وابستہ تھا جینے کا مزا

پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

صبح کو تھا نغمۂ و ساز و سرود
شام کو ہے گریہ و آہ و بکا
پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

خود بخود اُٹھتی ہے دل میں ہوک سی
صبح کو چلتی ہے جب ٹھنڈی ہوا
پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

اس طلسمِ حیرت و نیرنگ کی
جانتا ہوں ابتدا و انتہا
پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

مٹتے دیکھیں آرزوئیں بے شمار
ٹوٹتے دیکھے ارادے بارہا
پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

اب بھی چونکا ہے جوشؔ گہری نیند سے
شب کے سنّاٹے میں آتی ہے صدا
پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

جناب جوشؔ ملیح آبادی

سوالات

۱۔ ان الفاظ کو مناسب موقع اور محل پر استعمال کرو:۔
عبرت۔ دیکھنی۔ طلسمِ حیرت۔ نیرنگ۔ مہ لقا۔

ہ یعنی دُنیا

۲- اس نظم میں شاعر نے کن کن مناظر کا ذکر کیا ہے اور کیوں؟

۳- ترکیب نحوی کرو:- ع قابلِ عبرت ہے دنیا کا مقام

۴- دیدنی اور زندگی کی نیٔ کیسی ہے؟

۵- شاہ و گدا کونسا مرکب ہے؟ کم از کم اس کی پانچ مثالیں دو۔

۲- دُنیا کی دلچسپیاں

دُنیا بھی اک بہشت ہے اللہ رے کرم! کن نعمتوں کو حکم دیا ہے جواز کا

آدمی بسا اوقات تکالیف کے صدموں سے گھبرا کر یا محنت کی سختیوں سے اُکتا کر کہہ اُٹھتا ہے "دُنیا میں کیا آئے - ایک آفت میں پھنس گئے" یا "دُنیا ہے کہ ایک سِلسلۂ مصیبت" کوئی اسے دوزخ سے تشبیہ دیتا ہے- کوئی دارالمحن کے نام سے یاد کرتا ہے۔ گو عملاً سب اِس کی محبّت میں مبتلا ہیں- اور سوائے چند خدا رسیدوں کے یہاں سے کوچ کرنے کو کوئی بھی پسند نہیں کرتا- تاہم ایک زمانہ ہے کہ اُسے بُرا کہنے پر تُلا ہُوا ہے- ایسی حالت میں اُس حق پسند کی نظرِ غائر کی داد دینی پڑتی ہے- جس نے دُنیا کی اُلجھنوں سے قطع نظر کر کے اُس کی بیشمار دلچسپیوں

کا دھیان کیا ہے۔ اور شکر گزاری کا ثبوت دیا ہے۔ اور غفلت کیش انسان کو یاد دلایا ہے کہ اُسے خالق نے کیسی کیسی نعمتیں بخشی ہیں۔ جن سے وہ ہر دم ہر لحظہ فائدہ اُٹھاتا ہے۔ اور اُس پر احسانمندی کا یہ حال ہے کہ ذرا سی تکلیف پہنچے۔ اُسے دنوں۔ مہینوں بلکہ برسوں یاد رکھے اور ہر ایک سے اُس کی شکایت کرتا پھرے۔ اور جو لطف ہر گھڑی نصیب ہوا ہے۔ اُسے بھول جائے۔ اور اُس کا شکر زبان پر لانا تو در کنار۔ دل میں بھی کم آنے دے۔ جو قیود مذاہب نے بعض چیزوں کے متعلق لگا دی ہیں۔ اُن سے گھبرائے۔ لیکن اُن کے مقابل جو جو چیزیں جائز کر دی ہیں۔ اور جن کی اجازت ہے۔ کہ کھُلے بندوں اور دل کھول کر اُن سے حظ اُٹھاؤ۔ اُن کا ذکر نہ کرے "بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ" کا مفہوم اگر ذہن میں رہے تو ایسی غفلت ممکن نہیں۔ مگر نسیان تو اس کی گھٹی میں پڑا ہے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو احساناتِ الٰہی کو نہیں بھولتے۔ اور اُن کے سامنے دنیا کی معمولی کلفتوں اور رنج کی کچھ حقیقت نہیں سمجھتے۔

ذرا آنکھ کھول کر دیکھو۔ کیا بہار ہے! نسیم کے ہلکے جھونکے۔ بادِ صبا کی اٹکھیلیاں۔ چلتے ہوئے پانی۔ بہتی

لہ قرآن مجید میں ہے: "اپنے رب کی نعمتوں کا ذکر کر۔"

ہوئی ندیاں۔ شفّاف جھیلیں۔ زخّار سمندر۔ آسمان سے باتیں کرتے ہوئے پہاڑ۔ اور اُن کی برف سے ڈھنپی ہوئی چوٹیاں۔ پھولوں کے تختے اور پھلوں سے لدی ہوئی ڈالیاں۔ درخت اور اُن کے ہرے ہرے پتّے سبزہ اور اُس کا فرشِ زمرّدیں۔ پکتے ہوئے کھیت اور اُن میں قوّتِ زندگی سے بھرے ہوئے سُنہری خوشے۔ نگاہ کے لئے جنّت نہیں تو کیا ہے؟ بُلبل اور اُس کی خوش نوائی۔ فاختہ اور اُس کی کُوکُو۔ کوئل اور اُس کی کوک۔ پپیہا" اور اُس کی "پی" یہ نغمہ نہیں تو کیا ہے؟ اِسی کو تو فردوسِ گوش کہتے ہیں۔ قدرت کا یہ ساز ہر وقت تمہارے خوش کرنے کو تیار ہے۔ اِس کا سازندہ نہ کبھی تھکتا ہے نہ اُس کی آواز میں ضُعف آتا ہے۔ یہ وہ ساز ہے۔ جس کے لئے بگڑنا نہیں بنا۔ اور قدرت کا حُسن کچھ مناظرِ کوہ و دشت اور باغ و راغ ہی پر ختم نہیں ہو گیا۔ نہ اُس کی آواز پرندوں کی خوش الحانی تک محدود ہے۔ آنکھ بینا ہو۔ تو ہر جگہ حُسن کا جلوہ ہے۔ غزال کی آنکھ اور مور کے پر اور شیر کی کھال تو خوبصورتنا مشہور ہی ہیں۔ مگر جن جانوروں کو حُسن سے بظاہر کچھ خاص مناسبت نہیں۔ اُن کو اگر باریک بین نگاہوں سے دیکھو۔ تو ایک ایک جامع اوصاف ہے۔ شکل پر کیا موقوف

ہے۔ جوہر اچھے ہوں تو کیا دِل نہیں لے لیتے؟ شتر سوار سے پُوچھو۔ جس کی سانڈنی لق و دق اور بے آب و گیاہ میدان کے کالے کوسوں کی منزل طے کر کے آئی ہے۔ کہ اُترتے ہی اُس کے گلے سے لپٹا جاتا ہے۔ اپنی آسائش کی فکر پیچھے کریگا۔ پہلے اپنی وفادار سواری کے آب و دانے کا بندوبست کر لے۔ تیز گام تازی اپنے یکہ تاز سے وہ پیار لیتا ہے۔ کہ کسی معشوق کو کم نصیب ہو۔ جس حرماں نصیب بُڑھیا کے لڑکے لڑکیاں اُسے چھوڑ کر چل دِئے ہوں اور جسے تنہائی کی مونس ایک بلی نصیب ہوئی ہو۔ اُس سے اُس بلی کے حُسنِ دلفریب کی تعریف سُنو۔ اور جن مُلکوں میں کُتوں کو پالنے کی رسم عام ہے۔ اور مذہباً کوئی نفرت اُن سے موجود نہیں۔ وہاں ذرا کُتوں کی قدردانی ملاحظہ کرو۔ اچھی اچھی حُسن کی پُتلیاں اُن پر قربان ہوئی جاتی ہیں۔ اور کہتی ہیں "او حُسن کی کان!" "او ملاحت کی جان!" اُس بُڑھیا کے کان بلی کی "میاؤں" ہی میں موسیقی کے سارے سُرتال موجود ہیں۔ اور کُتے کی وفا کی فدائی جوان عورت کے نزدیک اُس کی آواز چنگ و دف کی صدا ہے اور دُنیا بھر کی مختلف اصوات کے ملنے سے جو آواز پیدا ہوتی ہے۔ درد آشنا اہلِ دِل اسے مختلف سُروں کا ارگن سمجھتے ہیں۔ اُن کے خیال میں کوئی سُر غلط

نہیں۔ اور کوئی صورت قبیح نہیں ۔

گرمی کے دن اور اُن میں ٹھنڈا پانی سردی کے دن اور اُن میں سُورج اور دُھوپ۔برسات کا موسم اور اُس میں ابر اور گھٹائیں۔ بہار کی فصل اور اُس کا جوبن سب نعمتیں ہیں۔ جن میں انسان کا حصہ ہے قدرت نے اُس کی حفاظت کا ہر موسم اور ہر آب وہوا کے مطابق کچھ نہ کچھ بندوبست کیا ہے۔اور اُس پر قادر مطلق کا اِحسان مزید ہے۔کہ اس کو ایک چیز ایسی دے دی ہے۔جس کے زور پر یہ نہ صرف اپنی حفاظت کا بلکہ اپنے آرام اور آرائش کا پُورا پُورا سامان کرسکتا ہے وہ چیز عقل ہے۔ عقلِ انسانی نے صفحۂ قدرت کے متن پر خوب حاشئے چڑھائے ہیں۔ اور اُن میں عجب عجب گلکاریاں کی ہیں۔ خسخانہ و برفاب راحتِ گرما ہیں تو قہوہ خانہ و گرمابہ فرحتِ سرما۔ باریک ریشمی ململ اور جالیاں گرمی کے لئے اور سمور اور پشمینہ سردی کے لئے پہننے کا سامان ہیں۔ جاڑوں کی راتوں کے لئے لحاف اور گرمیوں کی تپش کے لئے پنکھے۔ یہ سب دولتمندوں کے لئے ہے۔ مگر غریب بھی خدا کے فضل سے محروم نہیں۔ لاکھ دولتوں کی ایک دولت قناعت ہے جس کو نصیب ہو اور غریبوں میں امیروں کی نسبت زیادہ ثابت ہے۔ امیروں کو جُوں جُوں آرام کے اسباب ملتے

جاتے ہیں۔ کہے جاتے ہیں“۔ اور ” غریب کو جو مل گیا۔ اُسی کو صبر شکر سے لے کر بال بچّوں میں خوش ہو بیٹھتا ہے۔ گرمی میں دوپہر کے وقت درختوں کا سایہ اُسے خسخانے سے بہتر ہے۔ اور سردی میں سُورج اُس کے کمرے کی انگیٹھی ہے۔ رات کو اگر مکلّف لحاف میسّر نہیں تو کیا ہُوا۔ گُدڑی یا کمبلی میں لپٹا ہُوا ہے۔ یا چند سُوکھی لکڑیوں کا ایک ڈھیر جمع کر لیتا ہے۔ اور اُن کو جلا کر اُن کے قریب رات کاٹ دیتا ہے۔ گھر ہو اور اُس میں اتّفاق تو ایسی غریبی بھی کٹ جاتی ہے۔ اور پھر دولت تو ڈھلتی ہوئی چھاؤں ہے۔ کیا جو غریب ہیں۔ وہ ہمیشہ غریب ہی رہینگے۔ کیا اُن کی یا اُن کی اولاد کی کبھی نہیں سُنی جائیگی ؎

انسان نہ دیکھے تو اور بات ہے۔ ورنہ خود اُس سے کئی درجہ افضل چیزیں حکمتِ ایزدی سے اُس کی خدمت میں مصروف ہیں۔ آفتاب اُس کے لئے سمندروں کے پانی کو اُبالتا ہے۔ اُن کے بخارات کو اُڑا کر بادل بناتا ہے۔ بادل برستے ہیں۔ تو زمین سرسبز ہوتی ہے۔ پھر آفتاب چمکتا ہے۔ تو کھیت پکتے ہیں۔ اور میوے کھانے کے لائق بنتے ہیں۔ ہوا جو انسان کی زندگی کا سہارا اور بہت سی چیزوں کی ہستی کا راز ہے۔ انسان کے لئے چکّی تک پیستی ہے۔ پانی چلتا چلتا اِنسان

کے سو کام کر جاتا ہے۔ کھیتوں میں سے ہو نکلا۔ تو وہ ہرے ہو گئے۔ باغ میں جا پہنچا۔ تو اُس میں پھل پھول آ گئے۔ کشتی کو اِس کی چھاتی پر رکھ کر کہہ دو کہ بھئی ذرا اِسے بھی ساتھ لئے جانا۔ تو اسے عذر نہیں۔ اُس میں دس بیس سو پچاس یا زیادہ آدمی چڑھ بیٹھیں تو اُسے کچھ پروا نہیں۔ اور تو اور بوجھ تو جتنا اور جس قسم کا چاہو۔ لا دو۔ انکار نہیں۔ بہائے لئے جاتا ہے۔ آگ آدمی کے لئے کھانا پکاتی ہے۔ روشنی مہیّا کرتی ہے۔ اور اس کے سوا کسی اور کام میں جوت دو۔ تو اپنی قوّت خدمت کے لئے حاضر کر دیتی ہے۔ ریلوے کے انجن۔ دُخانی جہاز اور کارخانوں کی کلیں آگ ہی کے زور سے چل رہی ہیں۔ ان قوتوں سے بالاتر ایک قوّت ہے۔ جسے برق کہتے ہیں۔ یہ پہلے صرف چمک کر ایک آنِ واحد میں غائب ہو جاتی تھی۔ اور انسان کی شائق نظر کو ایک جھلک دکھا کر اُس سے اپنا چہرہ چھُپا لیتی تھی۔ اسے دیکھ کر انسان پہلے دہل جاتا تھا۔ یا غش کھا کر گر پڑتا تھا۔ اب یہ بھی عقل انسانی کی ترقی کے آگے سرِ تسلیم خم کئے ہوئے ہے۔ انسان کبھی اُسے پیام بری کی خدمت سپرد کرتا ہے اور کبھی اُسے گھوڑے کی جگہ گاڑی میں جوتتا ہے اور اس پر غضب ہے۔ کہ جس نے یہ عظمت اور عزت دی۔ اُس کا شکر ادا نہیں کرتا۔

تمتع کے موقعے اِس کثرت سے ہیں۔ کہ اُن کی کثرت طبیعت کو غافل کر دیتی ہے۔ کھانے ہی کی چیزوں کو دیکھو۔ سرد ملکوں کے خوش ذائقہ انگور اور سیب اَور گرم ملکوں کے مرغوب میوے آم اور خربزے قوّتِ ذائقہ کے لئے۔ اس سے بڑھ کر لذّت کیا چاہتے ہو لوگ اُنہیں بہشتی میوے کہتے ہیں۔ اور مراد یہ لیتے ہیں۔ کہ یہ بہشت سے آئے ہیں۔ کتنا بھونڈا تخیّل ہے۔ یہی کیوں نہیں کہتے کہ یہ بہشت ہے۔ جس میں ایسے ایسے میوے میسّر ہیں۔ اور اُنہیں پر کیا منحصر ہے۔ اپنی اپنی جگہ ایک سے ایک بڑھ کر ہے۔ رنگترہ اور نارنگی کھاؤ۔ تو قلب کی تفریح ہو۔ اِس سے بڑھ کر اُن کی خوبی کیا ہوگی۔ کہ مادی چیزوں ہیں۔ مگر تفریح قلب کا مادہ ان میں موجود ہے۔ آلوچہ اور خوبانی کا قدرت نے اپنے ہاتھ سے جوڑ ملایا ہے۔ ہرے بادام اور سبز پستے ان سب کو روز چکھتے ہو اور پھر کہتے ہوئے ہم پر من و سلوٰے نہیں اُترا" اِس سے بڑا خوانِ کرم کون بچھا سکتا ہے۔ اور کس نے کبھی بچھایا۔ لہ مَآئِدَۃٌ مِنَ السَّمَاءِ" کی یہی تفسیر ہے کوئی اپنا پکایا ہوا ایک کھانا تو اِن بہشتی کھانوں کے

لہ آسمان سے اُترا ہوا دستر خوان ؎

مقابلے میں پیش کرو۔ اور تمہارے پکائے ہوئے
کھانے بھی انہیں کھانوں کی نامکمل نقل ہے حلوائے
بادام بناتے ہو۔ کہ بادام کے ذائقے سے کسی قدر
مشابہ ہو۔ اگر یہ قدرت کے عطا کئے مصالح نہ ہوں۔
تو تمہارا کوئی کھانا مکمل اور مزے دار نہ ہو۔ طرح
طرح کی رُقعہ دوزی کرکے اُسے اُن چیزوں سے
سجا لیتے ہو۔ تو تمہارا دسترخوان پُر رونق ہو جاتا ہے
اور یہ مَنّ و سلوٰے بغیر اقرارِ احسان کے کھاتے
کھاتے جب تھک جاتے ہو۔ تو ۵ے "بَقْلِهَا وَقِثَّائِهَا" پکارنے
لگتے ہو۔ اُس وقت گاجر۔ مُولی۔ لہسن۔ پیاز۔ ماش اور
مسور کی دال۔ کھیرا اور ککڑی وہ مزہ دیتے ہیں۔ کہ
سیب و انگور اور سردے اور آم کو بُھلا دیں۔ سمجھتے
کتابِ مُقدّس میں پُرانوں کی کہانی بیان ہوئی ہے
یہ معلوم نہیں۔ کہ تمہارے دلوں کا بنانے والا اور
جاننے والا اِس کہانی کے بیان میں فطرتِ انسانی
کا راز بتا رہا ہے۔ تاریخ روز اپنے آپ کو دُہرا رہی
ہے اور تمہیں خبر نہیں ہے ۔

۵ے قرآن مجید کی آیت کا اشارہ حضرت موسیٰ کی قوم کی طرف ہے۔ جن پر منّ و سلوٰے اُترا۔ لیکن جب کھاتے کھاتے تھک گئے۔ تو سبزی ککڑی۔ چنے اور مسور کی دال مانگنے لگے ۔

ذائقے سے کہیں نفیس وہ حِس ہے۔ جسے شامّہ کہتے ہیں۔ اِس میں نہ کچھ کھانا ہے۔ نہ پینا۔ نہ چھونے کی ضرورت ہے۔ صرف کسی خوشبو کے قریب آنے کی دیر ہوتی ہے۔ کہ مشامِ جان تازہ ہو جاتا ہے۔ دِل میں مسرت محسوس ہوتی ہے۔ اور باچھیں کِھل جاتی ہیں۔ خدا جانے اس میں کیا تاثیر ہے۔ اور اُس نے یہ اُڑ کر پہنچنے کی طاقت کہاں سے پائی ہے کہ آنکھ کو کوئی سبب نظر نہیں آتا۔ اور طبیعت ہے کہ خوش ہوئی جاتی ہے۔ آدمی ایک ٹھنڈا سانس کھینچتا ہے کہ شاید سانس سے شامل ہو کر یہ نعمت اندر چلی جائے اور اپنی ہو رہے۔ مگر نہیں وہ ایک گذران لُطف ہوتا ہے جو پل بھر میں چل دیتا ہے اور وہی سانس جو اندر سے واپس آتا ہے۔ تو گرم اور افسردہ ہوتا اور اُس میں خوشبو کا کوئی پتہ نہیں ہوتا۔ کبھی جنگل میں گذر ہو۔ جہاں گلاب کا تختہ کِھلا ہُوا ہو یا جہاں اور پہاڑی پھولوں کی مہک دُور سے آ رہی ہو۔ اور تمہیں اپنی طرف بُلا رہی ہو۔ تو ضرور جی چاہیگا کہ وہیں جھونپڑا بنا لو۔ اور بیٹھ رہو۔ اگر یہ نہیں نصیب ہُوا۔ تو فصلِ گُل میں کسی باغ میں جا نکلو۔ خوشبوئیں تو اچھّی اچھّی ہیں۔ مگر موتیا کِھلی ہو۔ تو معلوم ہو۔ کہ تیزی کے ساتھ مستی کِس حکمت سے ملائی گئی ہے ۔

اور پھر کیوڑے کی جنون انگیز خوشبو۔ کرنے کی جان فزا مہک اور بید مشک کی سوکھی لکڑی میں دھانی رنگ کے پھول اور اُن کی بھینی بھینی بُو۔ کوئی کِس کِس حُسن پر جان دے؟

اُستادِ قدرت کی اُستادی قابل دید ہے۔ ذہنِ انسان کی ترقی کے لئے کیسا زینہ بنایا ہے۔ مادّی اشیا سے اس مکتب میں ابجد شروع ہوتی ہے۔ اُن کا ذائقہ حُسن کو گرویدہ کرتا ہے۔ اس کے بعد درجۂ دوم کی مادّی اشیاء آتی ہیں۔ مثلاً سردی۔ گرمی۔ جن کے متعلق کھانا استعارے کے طور پر بولتے ہیں۔ لیکن جو فی الحقیقت کھانے اور چکھنے میں نہیں آتیں۔ دھوپ نظر بھی آتی ہے محسوس بھی ہوتی ہے۔ بدن پر اثر بھی چھوڑتی ہے۔ مگر پھر بھی ایسی چیز نہیں۔ جیسے لونگ اور دارچینی کہ کھانے سے بدن میں حرارت معلوم ہو۔ اسی طرح سردی بدن کو لگتی ہے۔ دماغ پر اثر ڈالتی ہے۔ کبھی کبھی دِل تک بھی پہنچتی ہے۔ برف و باراں کی وجہ سے ہو۔ تو ایک حد تک نظر بھی آتی ہے۔ پر اس قسم کی نہیں۔ جیسے طباشیر اور سردِ چینی۔ کہ کھائیں اور زبان سے لے کر دل تک ٹھنڈک پہنچ جائے۔ دوم درجے کی مادّی اشیا کے بعد خوشبو سبق دینے آتی ہے۔ کہ اِس کا سبب تو نظر کے سامنے ہے۔ مگر وہ خود

نظر نہیں آتی۔ ہاں اُس کا اثر موجود ہے۔اُس کے بعد ایک چیز آتی ہے۔ جو خوشبو سے بھی بدرجہا زیادہ لطیف ہے۔ اور وہ "حُسن" ہے۔ دیکھتے ہی دِل قابو سے نکلا جاتا ہے۔اس میں ایک بیقراری اور تڑپ محسوس ہوتی ہے ایک قسم کی لذّت اس نظارے میں شامل ہے۔ جو اپنے ساتھ درد کی کیفیت بھی رکھتی ہے۔اِس پر اتنی مرغوب ہے کہ کوئی اس درد سے خالی نہیں رہنا چاہتا۔یہ لذّت اور سب لذّتوں سے نرالی ہے۔نہ اس کو کسی لذّت سے تشبیہ دے سکتے ہیں۔ نہ اس کو کسی طرح بیان کر سکتے ہیں۔بس اِس کے آگے "حُسنِ مطلق" کی شناخت تک ایک ہی زینہ رہ جاتا ہے۔مگر انسانی بصیرت کی معمولی حد یہیں تک ہے۔یہاں پہنچ کر بہت سی آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں۔ اور آخری زینے پر نظر ڈالنے کی تاب نہیں لا سکتیں۔ کم لوگ ہیں۔جو آخری زینے پر کھڑے ہو کر موجوداتِ عالم پر نظر ڈالتے ہیں یا ان سے پرے تک دیکھتے ہیں۔لیکن اگر آدمی غور کرے۔ تو قدرت نے سبق پڑھانے میں اور سبقوں کی ترتیب مکمل اور آسان کر دینے میں کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھا۔اُس بینائی پر حیف ہے۔جو اتنی قریب مثال کے ہوتے یہ کہے۔کہ "مجھے نظر نہیں آتا۔ تو میں کیونکر مانوں۔میں دیکھ نہیں سکتا۔ تو میں کیونکر متاثر ہوں میں دُور ہوں"؎

لیکن ہم تو دُنیا سے آگے نکل چلے۔ ابھی تو اِس کی دلچسپیاں ختم نہیں ہوئیں۔ خیر اُن کا ختم ہونا تو مشکل ہے۔ مقصد صرف یہ ہے۔ کہ اُن میں سے جس ایک سلسلے کا بیان ہم نے شروع کیا تھا۔ اس زنجیر کے ایک دو حلقے ابھی باقی ہیں۔ ہم نے "حُسن" کا نام لیا تھا۔ اُن چند لوگوں کو چھوڑ کر جو "حُسن" کی جھلک کوہ و دریا اور دیگر مناظر قدرت میں دیکھتے ہیں۔ اور اِس سے پھاند کر منزل کو جا لیتے ہیں۔ "حُسنِ انسانی" دیکھ کر دُور ہی سے تڑپتے ہیں اور تڑپتے تڑپتے منزل پر جا رہے ہیں اُن بے شمار مثالوں کی طرف آؤ۔ جو حُسن کو دیکھ کر اُس کو اپنا بنانے کی آرزو کرتے ہیں۔ اور آسانی کے لئے اِس صیغے میں حُسنِ انسانی کے فدائیوں کو دیکھو اُن میں کئی ایسے خوش قسمت ہیں۔ جو اس آرزو میں کامیاب ہوتے ہیں۔ جس حسین پر آغازِ عشق میں اُن کی نظر پڑتی ہے۔ آخر اُس سے مِلنا ہو جاتا ہے۔ دنیاوی رُسوم اور مذہبی قوانین دونو اس ایجاد کو تسلیم کرکے اپنی منظوری کا سہرا طالب و مطلوب کو پہناتے ہیں۔ اور دُعا دے کر رخصت کرتے ہیں۔ کہ جاؤ خوش رہو۔ پھلو پھولو۔ آگے چل کر درختِ اُمید ثمر لاتا ہے۔ حُسن پھر نئی کونپلیں نکالتا ہے۔ ماں باپ لڑکے لڑکی کی پیشانی میں پھر اُسی نُور کی جھلک دیکھتے ہیں۔ جس نے اُنھیں جوانی

ہیں ایک دُوسرے کا والہ و شیدا کیا تھا۔ اور دیکھ دیکھ
کر خوش ہوتے ہیں۔ اس کی ہر ایک بات میں اپنی
کسی عادت۔ کسی خصلت کسی کمال ظاہری یا باطنی کا نقش
دیکھتے ہیں۔ اور باغ باغ ہوتے ہیں۔ یہ وہ خوشی ہے
جس کے ساتھ کی دُنیا میں کوئی اور مسرّت نہیں ہو سکتی
پس پُوچھو کہ آیا جو نعمتیں جائز کی گئی ہیں۔ اُن کا پلڑا
ممنوعات اور مکروہاتِ دُنیا سے بھاری ہے یا نہیں۔ یہ
خوش قسمت جوڑا تو جو جواب اس سوال کا دیگا۔ وہ تو
ہم سمجھ ہی سکتے ہیں۔ لیکن ممکن ہے۔ کہ کوئی اور یاس
اور حرمان کا ستایا ہوُا دِل پُکار اُٹھے۔ دُنیا کی خوبیاں تو
گِن ڈالیں۔ مگر تصویر کے دوسرے رُخ کو بھی دیکھو۔ غور
کرو۔ دُنیا میں کتنی مُصیبت ہے۔ کتنی بیماریاں ہیں۔ کتنا
اِفلاس ہے۔ کتنی لڑائیاں۔ کیسی خونریزیاں ہیں۔ بجلی کتنے
خِرمن جلاتی ہے۔ آگ کتنے گھر پُھونکتی ہے۔ موت کیسے
کیسے گھر تباہ کرتی ہے۔ غرض ہزار آفتیں ہیں اور
ایک انسان کی جان ، یہ بیچارہ سب ستم سہے جاتا
ہے اور اُف نہیں کرتا ہے۔ مگر یہ شکایت کرنے والے
خواہ کتنے ہی حق بجانب ہوں۔ انہیں یاد رکھنا چاہیئے
کہ دُنیا اِضداد سے پیدا کی گئی ہے۔ ہر ایک چیز کا
وجود اُس کی ضد کے وجود کا متقاضی ہے۔ دُھوپ
کے ساتھ سایہ لگا ہوُا ہے۔ اور دھوپ کا اِحساس

ناممکن ہوتا۔ اگر ساتھ سایہ نہ ہوتا۔ ایک مثبت ہے دُوسرا منفی۔ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ حکمتِ بالغہ کا مقصدِ اصلی کیا ہے اور اس میں انسان کا کیا حصّہ ہے۔ نگاہ میں وُسعت اور عمق پیدا ہو جائے۔ تو تمام تکالیف خیرِ محض دکھائی دیں۔ اور ہر منفی کی تہ میں کچھ مثبت پنہاں نظر آنے لگے۔ یہی وہ سُرمہ ہے۔ جس کے لگاتے ہی آنکھ گرد و پیش جنّت ہی جنّت دیکھتی ہے۔ اور دل مرحُوم داغ شیریں بیان کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر گاتا ہے۔ کہ دُنیا بھی اِک بہشت ہے ؛

سوالات

۱۔ ان الفاظ کے معانی کی تشریح کرو:۔

زمرّدیں۔ گرمابہ۔ حکمتِ ایزدی۔ شامّہ۔ جنوں انگیز۔ حکمتِ بالغہ ؛

۲۔ اِس دُنیا ہی کو بہشت سمجھنے کے لئے مضمون نگار نے کن دلائل سے کام لیا ہے ؟

۳۔ کیا جو لوگ دُنیا کو دارالمحن تصوّر کرتے ہیں۔ راستی پر ہیں؛ اور اگر نہیں تو کیوں ؟ اس مضمون پر ایک مختصر جواب مضمون لکھو۔ اور اس میں وہی خیالات ظاہر کرو۔ جو مضمون نگار نے اس مضمون میں ظاہر کئے ہیں ؛

۴۔ مندرجۂ ذیل الفاظ میں سے جو واحد ہیں۔ اُن کی جمع اور جو جمع ہیں۔ اُن کے واحد بتاؤ ؛

اوقات۔ آفت۔ قیود۔ محن۔ مناظر۔ اصوات۔ لطف +

۵۔ اِس سبق میں اسمائے صوت کون کون سے ہیں؟

۶۔ ان محاورات کو فقروں میں استعمال کرو:۔

جوت دینا۔ سرِ تسلیم خم کرنا +

۳۔ حُبِّ وطن

۱ فرخ[1] سیر تھا ہند میں فرمانروائے مُلک
اور غیرتِ نسیم و صبا تھی ہوائے مُلک

۲ پر ہند پر تھا حادثۂ غم عجب پڑا
یعنی کہ بادشاہ تھا خود جاں بلب پڑا

۳ اِس طرح کا فتور پڑا تھا مزاج میں
تھا مبتلا وہ اِک مرضِ لا علاج میں

۴ سب اہلِ عقل ہوش و حواس اپنے کھو چکے
سارے طبیب ہاتھ علاجوں سے دھو چکے

۵ پر اِک[2] مسیح دم نے جو آ کر کیا علاج
ایسا بحسب طبع موافق پڑا علاج

[1] آخری شاہانِ مغلیہ میں سے ایک تاجدار کا نام ہے +

[2] ایک انگریز ڈاکٹر جو ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے فرخ سیر بادشاہ دہلی کے علاج کے لئے دہلی آیا تھا +

۶ گویا دوا بکارِ دُعا ہو گئی اُسے
اور تین چار دِن میں شِفا ہو گئی اُسے
۷ نوبت خوشی کی بج گئی سارے جہان میں
اور جان تازہ آ گئی اِک اِک کی جان میں
۸ فرّخ سیر کہ شاہِ سخاوت مآب تھا
بحرِ کرم کا جس کے جھکولا سحاب تھا
۹ اِک جشنِ عام اُس نے کیا دُھوم دھام سے
اور شور تہنیت کا اُٹھا خاص و عام سے
۱۰ حاضِر ہوئے امیر و وزیر آ کے سامنے
اور اُس طبیب کو کہا بُلوا کے سامنے
۱۱ لا دامنِ اُمید کہ بھر دیں ابھی اُسے
تا عمر بھر نہ پائے تو خالی کبھی اُسے
۱۲ دریا دِلی طبیب کی دیکھو مگر ذرا
ڈالی نہ اُس نے لعل و گہر پر نظر ذرا
۱۳ حُبِّ وطن کے جوش سے بیتاب ہو گیا
دِل آب ہو کے سینہ میں سیماب ہو گیا
۱۴ کی عرض ہاتھ جوڑ کے خدمت میں شاہ کی
بندے کو آرزو نہیں کچھ عِزّ و جاہ کی
۱۵ زر کی ہوس نہ مال کی ہے جستجو مجھے
پر آرزو جو ہے تو یہی آرزو مجھے
۱۶ کچھ ایسا میرے واسطے انعام عام ہو

جس سے مرا تمام وطن شاد کام ہو

۱۷ بولا یہ شاہ اِس کا بھی تجھ پر مدار ہے
جو مانگنا ہے مانگ تجھے اختیار ہے

۱۸ تب عرض کی طبیب نے یوں بادشاہ سے
روشن جلالِ شاہ ہو خورشید و ماہ سے

۱۹ تھوڑی زمیں نواحئ دریا کنار میں
مجھ کو عطا ہو مملکتِ شہر یار میں

۲۰ تا اُس طرف جو میرے وطن کے جہاز آئیں
اور اُن میں تاجرانِ ذوی الامتیاز آئیں

۲۱ کچھ اُن پہ ہووے راہ نہ بیم و زوال کو
آرام سے اُتاریں یہاں اپنے مال کو

۲۲ اور جنس جو کہ لائیں وہ نزدیک و دُور سے
محصول سب مُعاف ہو اُس کا حضُور سے

---

۲۳ پہلا علاج گرچہ بہت کارگر پڑا
یہ نسخہ لیکن اُس سے سوا پُر اثر پڑا

۲۴ اُس کی بھی یعنی کلفتِ غم دور ہو گئی
اور تھی جو کچھ کہ بات وہ منظور ہو گئی

۲۵ ہرچند اُسے نہ فائدۂ سیم و زر ہوا
پر نفع بہر اہل وطن کس قدر ہوا

۲۶ دامن میں اِک عطائے خداداد پڑ گئی
اور سلطنت کی ہند میں بُنیاد پڑ گئی

۲۷ نوبت بجا کریگی سدا صبح و شام کی
آواز دینگے طبل مگر اُس کے نام کی

سوالات

۱- ان الفاظ کے ہم معنی الفاظ بتاؤ:-
مسیح دم- بحسبِ طبع- سخاوت مآب- سیماب۔
۲- فرخ سیر کی بیماری اور انگریزی طبیب کی حب الوطنی کا واقعہ اپنے الفاظ میں لکھو۔
۳- شاعر نے اس واقعہ کو نظم کرکے کیا کیا نتائج اخذ کئے ہیں؟
۴- ترکیب نحوی کہو (ع) سب اہلِ عقل ہوش و حواس اپنے کھو چکے

۵- اُوپر کے شعر میں تاکید ہوکد کی کون کون سی مثال ہے۔ نیز بتاؤ کہ اُردو میں تاکید کے کلمات کون کون سے ہیں؟

۴- قلعۂ شاہجہان

شہاب الدین محمد شاہجہان بادشاہ نے ایک مُدّت تک اکبر آباد کو دارالخلافت رکھا۔ سنہ ۱۲ جلوسی مطابق سنہ ۱۰۴۸ہ موافق سنہ ۵۶۱ ملک شاہی اور سنہ ۱۶۳۸ عیسوی کے دِلّی میں قلعہ بننے کا حکم دیا۔ اور اسی سال بارھویں ذی الحجہ کو دریا کے کنارے سلیم گڑھ کے پاس قلعہ بننا شروع ہوُا اُستاد حامد اور اُستاد احمدؔ معمار جو اپنے فن میں یکتا تھے اس قلعہ کو بنواتے تھے۔ مگر اس کا ٹل دیل سے

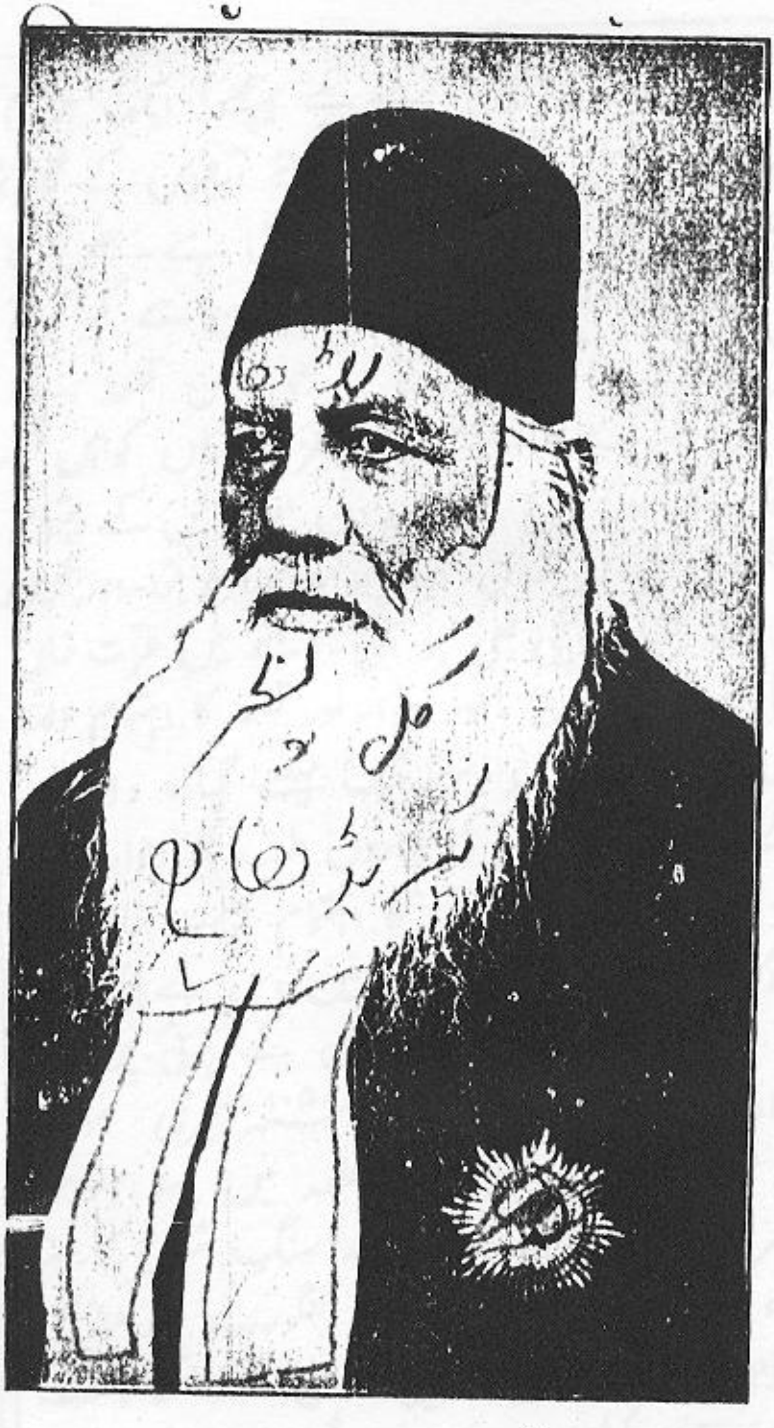

کہ دیوانِ عام میں سنگین تخت کے پیچھے ایک مرقع تصاویر کا جو ریفیل اٹلی کے مصوّر نے آرفیوس کے گانے کا کھینچا تھا۔ پتھر کی پچیکاری کا بنا ہوُا ہے۔ جس کا حال اُس کے مقام پر بیان ہوگا۔ یقین ہے کہ کوئی نہ کوئی یوروپین اٹلی کے مُلک کا بھی اس قلعہ کے بنانے میں شریک تھا۔ پہلے پہل عزّت خاں کو اس قلعہ کا اہتمام ملا۔ اور پانچ مہینے دو دن میں اس کے اہتمام سے قلعہ کی بُنیادیں کھُدیں۔ اور کچھ مصالحہ جمع ہوُا۔ اور کہیں کہیں سے بُنیاد اُونچی بھی ہو آئی۔ اتنے میں عزّت خاں ٹھٹھہ کی صُوبہ داری پر مامور ہوُا۔ اور قلعہ کا اہتمام اللہ وردی خاں کو سپرد ہوُا۔ دو برس ایک مہینے گیارہ دن میں اس کے اہتمام سے قلعہ کی چاروں طرف کی دیوار بارہ بارہ گز اُونچی ہو گئی۔ پھر اس کا اہتمام مکرمت خاں کے سپرد ہوُا۔ اور بیسویں سالِ جلوس میں اُس کے اہتمام سے بن چکا۔ کُل مُدّتِ تعمیر قریب نو برس کے ہوئی۔ چوبیسویں ربیع الاوّل ۲۱؁ جلوسی مطابق ۱۰۵۸؁ ہجری موافق ۱۶۴۸؁ عیسوی بادشاہ نے اِس قلعہ میں پہلا جلوس کیا۔ سر سے پاؤں تک یہ قلعہ سنگِ سُرخ کا بنا ہوُا ہے اور ہر ایک مقام پر کنگورے اور مرغولیں بہت خوبصُورتی سے بنائے ہیں۔ اس قلعہ کو ہشت پہل بنایا ہے۔ طُول اس کا ہزار گز۔ اور عرض چھ سو

گز کا ہے۔ جس کی کُل زمین چھ لاکھ گز ہوئی۔ اِس حساب سے یہ قلعہ اکبر آباد کے قلعہ سے دو گُنا ہے فصیل اس قلعہ کی پچیس گز اُونچی ہے۔ اور گیارہ گز گہری بنیاد ہے۔ دیوار کا آثار بنیاد سے پندرہ گز اور اُوپر سے دس گز کا ہے۔ اس قلعہ کی جانب شرق جمنا بہتی ہے۔ باقی تینوں طرف خندق جس کا محیط تین ہزار چھ سو گز کا ہے۔ پچیس گز چوڑی اور دس گز گہری کھود کر پختہ بنا دی ہے۔ کہ نہر کے پانی سے دن رات لبریز بھری رہتی تھی۔ اس قلعہ کے بننے میں پچاس لاکھ روپے خرچ ہوئے۔ اور بعضی کتابوں میں لکھا ہے کہ سو لاکھ روپے خرچ ہوئے ہیں۔ پچاس لاکھ قلعہ کے بننے میں اور پچاس لاکھ قلعہ کے اندر کے مکانوں میں ؛

دیوانِ عام

یہ مکان بہت نامی ہے۔ اور بہت خوشنما بنا ہوا ہے جب کبھی دربار عام ہوتا تھا۔ تو اُس میں بادشاہ جلوس کرتے تھے۔ اُس میں تین درجے کے مکان ہیں کہ اُن کی تفصیل ہم بیان کرتے ہیں ؛

15768

نشیمنِ ظلّ الٰہی یا سنگین تخت

اِس مکان کے بیچوں بیچ میں شرقی دیوار سے مِلا ہُوا سنگِ مرمر کا تخت ہے۔ چار گز کا مربّع اور اِس پر چار ستون لگا کر بنگلے کے طور پر اُس کی چھت بنائی ہے اور آدمی کے قد سے زاید کُرسی دی ہے۔ اُس کے پیچھے ایک طاق ہے۔ سنگِ مرمر کا بنا ہوا سات گز لمبا اور ڈھائی گز کا چوڑا۔ اُس پر ہر ہر قسم کے چرند و پرند کی تصویریں عجب عجب رنگین پتھروں کی بنی ہوئی ہیں۔ اور اُس میں ایک آدمی کی تصویر ہے۔ جو دو تارہ بجا کر گا رہا ہے۔ مُلک اٹلی میں جو فرنگستان میں واقع ہے۔ آرفیوس کلاونت کی کہانی یوں مشہور ہے۔ کہ وہ علم موسیقی میں اپنا نظیر نہیں رکھتا تھا۔ اور ایسا خوش آواز تھا۔ کہ جب گانے بیٹھتا تو چرند اور پرند اُس کی آواز سُن کر مست ہو جاتے تھے اور اُس کے گرد آ بیٹھتے تھے۔ اُسی مُلک میں رفیل ایک مصوّر تھا۔ کہ تصویر کھینچنے میں اپنا مثل نہیں رکھتا تھا۔ اُس مصوّر نے آرفیوس کے گانے کی جو کہانی مشہور تھی۔ اُس کے مطابق اپنے خیال سے ایک مرقع کھینچا تھا۔ اور چرند اور پرند اُس کے گرد گانا سُننے کو بیٹھے ہوئے بنائے تھے۔ یہ مصوّر

۱۵۲۰ء میں مرا۔ مگر یہ مرقّع اُس کا بنایا ہوا مُلک اِٹلی اور ولایت فرنگستان میں بہت مروّج اور نہایت مشہور ہے۔ اور اب تک اُس کی نقلیں موجود ہیں۔ وہی مرقع اس طاق میں پتھر کی پچیکاری میں کھودا ہے۔ پس یہ تصویر اُسی آرفیوس کی ہے۔ اور چونکہ اِس مرقع کا سوائے فرنگستان کے اور کہیں رواج نہیں تھا۔ اس سبب سے یقین پڑتا ہے۔ کہ اس قلعہ کے بنانے میں کوئی نہ کوئی فرنگی اٹلی کے مُلک کا شریک تھا۔ اس محراب کی بغل میں دروازہ ہے۔ اور اندر سے بھی آنے کا رستہ ہے۔ بادشاہ اِس تخت پر دربارِ عام کے دن اجلاس کرتے تھے۔ اس تخت کے آگے ایک تخت سنگ مرمر کا بچھا ہوا ہے۔ امرا میں سے جس کسی کو کچھ عرض کرنا ہوتا تھا۔ اُس تخت پر چڑھ کر بادشاہ سے عرض کرتا تھا۔ یہ تخت اتنا اُونچا ہے۔ کہ اس تخت پر چڑھنے پر بھی آدمی کا گلا تخت تک پہنچتا ہے *

حمّام

یہ حمام بے مثل و بے عدیل ہے۔ یقین ہے کہ ملکوں مُلکوں میں ایسا حمام نہ ہو۔ پہلا درجہ اس حمام کا کمرہ نُما بنایا ہے۔ اجارہ تک سنگ مرمر کا اور

اس پر منبت کاری کی ہے۔ اور شرق کی طرف
جالیاں لگا کر آئینہ بندی کی ہے۔ کہ اس میں سے
دریا اور جنگل اور سبزہ بہت کیفیت سے دکھائی دیتا
ہے۔ دُوسرے درجے میں جانبِ شمال ایک شہ نشین
ہے۔ سر سے پاؤں تک سنگ مرمر کی اور اُس پر
بہت تحفہ منبت کاری اور پچّی کاری کی ہے۔ اُس
کے آگے ایک درجہ ہے مربّع نرا سنگ مرمر کا۔
اُس کے فرش سے لے چھت تک عجیب عجیب رنگ
کے پتھروں سے پچّیکاری کی ہے۔ اور طرح بطرح کے
بیل بُوٹے۔ پھُول پتّی بنائی ہیں۔ یہ پچّی کاری ایسی
خوش قطع ہے۔ کہ بے تامّل ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ
بہت تحفہ ایرانی قالین بچھا ہؤا ہے۔ اس طرح کی
پچّی کاری ہونے سے بھی یقین ہوتا تھا۔ کہ اس قلعہ
کی تعمیر میں کوئی نہ کوئی اُستاد اٹالین شریک تھا۔ کیونکہ
پچّی کاری کا ایجاد اُسی ملک سے ہے۔ اُس درجے کے
بیچوں بیچ میں ایک حوض ہے۔ مربّع پرچین کار۔ اُس
کے چاروں کونوں پر چار فوّارے لگے ہوئے تھے۔ اُس
کے گرد ایک نہر ہے۔ گز بھر کے عرض کی۔ اور بہت
کم گہری نہایت نفیس۔ مشہور ہے کہ جب چاہتے تھے
اس نہر اور حوض میں گرم پانی ہوتا تھا۔ اور جب
چاہتے ٹھنڈا۔ تیسرا درجہ اس حمّام کا اجارہ تک نرا

سنگ مرمر کا ہے۔ جانب غرب حوض گرم پانی کے بنے ہوئے ہیں۔ اُس کے بیچوں بیچ میں سنگ مرمر کا چبوترہ ہے۔ کہ اس پر بیٹھ کر نہاتے تھے۔ جانبِ شمال ایک شہ نشین بنی ہوئی ہے۔ اور اُس میں مستطیل حوض ہے۔ جب چاہیں۔ اُس میں گرم پانی بھریں۔ اور جب چاہیں سرد پانی بھریں۔ اِس درجے میں بہت تحفہ پچی کاری اور منبت کاری کی ہوئی ہے۔ شاید کہ یہ حمام شاہجہاں اور عالمگیر کے بعد پھر گرم نہ ہوا ہو۔ مشہور ہے کہ سوا سو من لکڑی سے گرم ہوتا ہے۔

سوالات

۱۔ نشیمنِ ظلِّ الٰہی اور شاہی حمام کا خاکہ اپنے الفاظ میں کھینچو۔

۲۔ آرفیوس کے متعلق تم نے اِس مضمون میں کیا کچھ پڑھا ہے بتاؤ کہ قلعۂ شاہجہان میں اس تصویر کی موجودگی کے کیا اسباب ہو سکتے ہیں؟

۳۔ ان اصطلاحات کے معانی کی توضیح کرو:۔
پچی کاری۔ مرغولیں۔ منبت کاری۔ کنگورہ۔

۴۔ کالی ڈیل۔ اکبر آباد۔ بارہ گز اونچی۔ کون کون سے مرکبات ہیں۔ اِسی قسم کی کم از کم دو دو مثالیں اپنی طرف سے دو۔

۵۔ نہیں لکھتا تھا۔ بنا دی ہے۔ بیٹھتا ہے۔ کون کون سے فعل ہیں؟ ان میں سے ہر ایک کا صیغہ واحد متکلم مجہول مؤنث بناؤ۔

۵- رام چندر جی کا بن باس

رخصت ہوا وہ[1] باپ سے لے کر خدا کا نام
راہِ وفا کی منزلِ اوّل ہوئی تمام
منظور تھا جو ماں کی زیارت کا انتظام
دامن سے اشک پونچھ کے دل سے کیا کلام

آخر ہے کچھ حدِ ستم و ظلم و جور بھی
ہم کو اُداس دیکھ کے غم ہوگا اور بھی

دل کو سنبھالتا ہوا آخر وہ خوش خصال
خاموش ماں کے پاس گیا صورتِ خیال[2]
دیکھا تو ایک در میں ہے بیٹھی وہ خستہ حال
سکتہ سا ہو گیا ہے یہ ہے شدّتِ ملال

تن میں لہو کا نام نہیں زرد رنگ ہے
گویا بشر نہیں کوئی تصویرِ سنگ ہے

کیا جانئے کس خیال میں گم تھی وہ بے گناہ
نورِ نظر پہ دیدۂ حسرت سے کی نگاہ

[1] رام چندر جی ۔
[2] یعنی خیال کی طرح خاموش ۔

جُنبش ہوئی بھوؤں کو بھری ایک سرد آہ
لی گوشہ ہائے چشم سے اشکوں نے رُخ کی راہ

چہرہ کا رنگ حالتِ دِل کھونے لگا
ہر موئے تن زباں کی طرح بولنے لگا

آخر اسیرِ یاس کا قفلِ دہن کھُلا
افسانۂ شد آمدِ رنج و محن کھُلا
اِک دفترِ مظالمِ چرخِ کہن کھُلا
وا تھا دہانِ زخم کہ بابِ سُخن کھُلا

دردِ دِل غریب جو صرفِ بیاں ہوُا
خونِ جگر کا رنگ سُخن سے عیاں ہوُا

رو کر کہا خموش کھڑے کیوں ہو میری جاں
میں جانتی ہوں جس لئے آئے ہو تم یہاں
سب کی خوشی یہی ہے تو صحرا کو ہو رواں
لیکن میں اپنے مُنہ سے نہ ہرگز کہوں گی ہاں

کِس طرح بن میں آنکھوں کے تارے کو بھیج دُوں
جوگی بنا کے راج دُلارے کو بھیج دُوں

دُنیا کا ہو گیا ہے یہ کیسا لہُو سفید
اندھا کئے ہوئے ہے زر و مال کی اُمید
انجام کیا ہو کوئی نہیں جانتا یہ بھید
سوچے بشر تو جسم ہو لرزاں مثالِ بید

لکھی ہے کیا حیاتِ ابد ان کے واسطے

پھیلا رہے ہیں جال یہ کس دن کے واسطے

لیتی کسی فقیر کے گھر میں اگر جنم
ہوتے نہ میری جان کو سامان یہ بہم
ڈستا نہ سانپ بن کے مجھے شوکت و حشم
تم میرے لال تھے مجھے کس سلطنت سے کم

میں خوش ہوں پھونک دے کوئی اِس تخت و تاج کو
تم ہی نہیں تو آگ لگاؤں گی راج کو

کِن کِن ریاضتوں میں گذارے ہیں ماہ و سال
دیکھی تمہاری شکل جب اے میرے نونہال
لائے دُلہن جو بیاہ کے شادی ہوئی کمال
آفت یہ آئی مجھ پہ ہوئے جب سفید بال

چھٹتی ہوں اُن سے جوگ لیا جن کے واسطے
کیا سب کیا تھا میں نے اسی دن کے واسطے

ایسے بھی نامراد بہت آئیں گے نظر
گھر جن کے بے چراغ رہے آہ عمر بھر
رہتا مرا بھی نخلِ تمنا جو بے ثمر
یہ جائے صبر تھی کہ دُعا میں نہیں اثر

لیکن یہاں تو بن کے مقدر بگڑ گیا
پھل پھول لا کے باغِ تمنا اُجڑ گیا

سرزد ہوئے تھے مجھ سے خدا جانے کیا گناہ
منجدھار میں جو یوں مری کشتی ہوئی تباہ

آتی نظر نہیں کوئی امن و اماں کی راہ
اب یاں سے کوچ ہو تو عدم میں ملے پناہ

تقصیر میری خالقِ عالم بحل کرے
آسان مجھ غریب کی مشکل اجل کرے

سُن کر زباں سے ماں کی یہ فریادِ درد خیز
اُس خستہ جاں کے دل پہ چلی غم کی تیغِ تیز
عالم یہ تھا قریب کہ آنکھیں ہوں اشک ریز
لیکن ہزار ضبط سے رونے سے کی گریز

سوچا یہی کہ جان سے بیکس گزر نہ جائے
ناشاد ہم کو دیکھ کے ماں اور مر نہ جائے

پھر عرض کی یہ مادرِ ناشاد کے حضور
مایوس کیوں ہیں آپ الم کا ہے کیوں وفور
صدمہ یہ شاق عالمِ پیری میں ہے ضرور
لیکن نہ دل سے چاہیئے صبر و قرار دور

شاید خزاں سے شکل عیاں ہو بہار کی
کچھ مصلحت اسی میں ہو پروردگار کی

یہ جعل یہ فریب یہ سازش یہ شور و شر
ہونا جو ہے سب اُس کے بہانے ہیں سربسر
اسباب ظاہری ہیں نہ اُن پر کرو نظر
کیا جانے کیا ہے پردۂ قدرت میں جلوہ گر

خاص اُس کی مصلحت کوئی پہچانتا نہیں

منظور کیا اُسے ہے کوئی جانتا نہیں

راحت ہو یا کہ رنج خوشی ہو کہ انتشار
واجب ہر ایک رنگ میں ہے شکرِ کردگار
تم ہی نہیں ہو کشتۂ نیرنگِ روزگار
ماتم کدہ میں دہر کے لاکھوں ہیں سوگوار
سختی سہی نہیں کہ اٹھائی کڑی نہیں
دُنیا میں کیا کسی پہ مصیبت پڑی نہیں

دیکھے ہیں اس سے بڑھ کے زمانے نے انقلاب
جن سے کہ بیگناہوں کی عمریں ہوئیں خراب
سوزِ دروں سے قلب و جگر ہو گئے کباب
پیری مٹی کسی کی کسی کا مٹا شباب
کچھ بن نہیں پڑا جو نصیبے بگڑ گئے
وہ بجلیاں گریں کہ بھرے گھر اُجڑ گئے

ماں باپ منہ ہی دیکھتے تھے جن کا ہر گھڑی
قائم تھیں جن کے دم سے اُمیدیں بڑی بڑی
دامن پہ جن کے گرد بھی اُڑ کر نہیں پڑی
ماری نہ جن کو خواب میں بھی پھول کی چھڑی
محروم جب وہ گل ہوئے رنگِ حیات سے
اُن کو جلا کے خاک کیا اپنے ہات سے

کہتے تھے لوگ دیکھ کے ماں باپ کا ملال
ان بیکسوں کی جان کا بچنا ہے اب محال

ہے کبریا کی شان ! گزرتے ہی ماہ و سال
خود دِل سے دردِ ہجر کا مٹتا گیا خیال

ہاں کچھ دنوں تو نوحہ و ماتم ہوا کیا
آخر کو رو کے بیٹھ رہے اور کیا کیا

پڑتا ہے جس غریب پہ رنج و محن کا بار
کرتا ہے اُس کو صبر عطا آپ کردگار
مایوس ہو کے ہوتے ہیں انساں گناہگار
یہ جانتے نہیں وہ ہے دانائے روزگار

انسان اُس کی راہ میں ثابت قدم رہے
گردن وہی ہے امرِ رضا میں جو خم رہے

اور آپ کو تو کچھ بھی نہیں رنج کا مقام
بعدِ سفر وطن میں ہم آئیں گے شاد کام
ہوتے ہیں بات کرنے میں چودہ برس تمام
قائم اُمید ہی سے ہے دُنیا ہے جس کا نام

اور یوں کہیں بھی رنج و بلا سے مفر نہیں
کیا ہوگا دو گھڑی میں کسی کو خبر نہیں

اکثر ریاض کرتے ہیں پھولوں پہ باغباں
ہے دن کی دھوپ رات کی شبنم انہیں گراں
لیکن جو رنگِ باغ بدلتا ہے ناگہاں
وہ گل ہزار پردوں میں جاتے ہیں رائگاں

رکھتے ہیں جو عزیز انہیں اپنی جاں کی طرح

ملتے ہیں دستِ یاس وہ برگِ خزاں کی طرح

لیکن جو پھول کھلتے ہیں صحرا میں بے شمار
موقوف کچھ ریاض پہ اُن کی نہیں بہار
دیکھو یہ قدرتِ چمن آرائے روزگار
وہ ابر و برف و باد میں رہتے ہیں برقرار

ہوتا ہے ان پہ فضل جو ربِّ کریم کا
موجِ سموم بنتی ہے جھونکا نسیم کا

اپنی نگاہ ہے کرمِ کارساز پر
صحرا چمن بنے گا۔ وہ ہے مہرباں اگر
جنگل ہو یا پہاڑ سفر ہو کہ ہو حضر
رہتا نہیں وہ حال سے بندے کے بے خبر

اس کا کرم شریک اگر ہے تو غم نہیں
دامانِ دشت دامنِ مادر سے کم نہیں

جناب برج نرائن چکبست دہلوی

سوالات

۱۔ ان مرکب الفاظ کی تشریح کرو۔ اور بتاؤ ان سے کیا مراد ہے؟
صورتِ خیال۔ تصویرِ سنگ۔ اسیرِ یاس۔ درد خیز۔

۲۔ رام چندر جی نے اپنی ماتا کو تسلی دینے کے لئے جن خیالات کو ظاہر کیا ہے۔ ان کو سلیس اردو میں لکھو۔

۳۔ اس بند کے مطالب کی تشریح کرو:۔
لیکن جو پھول کھلتے ہیں صحرا میں بے شمار

موقوف کچھ ریاض پہ اُن کی نہیں بہار
دیکھو یہ قدرتِ چمن آرائے روزگار
وہ ابر و برف و باد میں رہتے ہیں برقرار
ہوتا ہے اُن پہ فضل جو ربِّ کریم کا
موجِ سموم بنتی ہے جھونکا نسیم کا

۴۔ جُنبش۔ ماتم کدہ۔ خالق۔ گنہگار۔ کارساز۔ قواعد کی رُو سے کیا کیا ہیں؟

۵۔ ترکیب نحوی کرو ع
لائے دُلہن جو بیاہ کے شادی ہوئی کمال

۶۔ مسٹر دادا بھائی نوروجی

دادا بھائی نوروجی ۱۸۲۵ء میں شہر بمبئی میں پیدا ہوئے۔ زہے نصیب اُس سرزمین کے جہاں ایسے فرشتہ صفت عالی دماغ اور بلند خیال لوگ پیدا ہوں۔ آپ کے بزرگ چھ صدی سے پروہت کا پیشہ اختیار کئے ہوئے تھے۔ آپ نے اپنے آبائی پیشے کو خیرباد کہہ کر نئی روش اختیار کی۔ یوں تو اِس عالی خیال کے ناخنِ فکر نے بہت سی سوشل اور مذہبی گتھیاں بھی سلجھائیں۔ لیکن پولیٹیکل معاملات اور مُلک کی ترقی کا خیال زیادہ دامنگیر رہا۔ اور اُسی کی طرف آپ نے

زیادہ تر توجہ مبذول فرمائی۔ چار ہی برس کی عمر میں باپ کا سایۂ عاطفت سر سے اُٹھ گیا۔ بیچاری بیوہ والدہ کے ذمے کل تعلیم و تربیت کے فرائض آ پڑے ہندوستان کی خوش قسمتی سے آپ کی والدہ خاص لیاقت کی خاتون تھیں۔ اور اُنھوں نے آپ کو اعلےٰ سے اعلےٰ تعلیم ایلفنسٹن انسٹیٹیوٹ میں دلائی۔

اوائل عمر ہی سے آپ کی جفا کشی مشقت اور عالمانہ لیاقت کا شُہرہ زبان زدِ خاص و عام ہونے لگا آپ کی طبع نورانی کے جوہر اور استعدادِ علمی کے چرچے جا بجا ہونے لگے۔ اور مغربی ہندوستان کے محققین آپ کو قدر دانی کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔ تھوڑے ہی عرصے میں آپ اپنے کالج کے مایۂ ناز ہو گئے۔ ایک مرتبہ ایک یوروپین لیڈی صاحبہ کالج کے دیکھنے کو تشریف لائیں۔ طلبا سے جن میں آپ بھی شامل تھے مختلف مضامین پر سوالات کئے۔ وہ آپ کی جودت۔ زود فہمی ذکاوت اور حاضر جوابی سے ایسی متاثر ہوئیں۔ کہ اُنھوں نے اپنی کتاب "ویسٹرن انڈیا" (مغربی ہندوستان) میں آپ کی ذہانت اور لیاقت کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ وہ آپ کی نسبت یہ پیشین گوئی کر گئی تھیں۔ کہ یہ لڑکا لاکھوں میں ایک ہوگا۔ اور واقعی ان کا کہنا حرف بحرف صحیح ثابت ہوا۔ بیس ہی برس

کی عمر میں آپ تحصیلِ علم سے بخوبی فارغ ہو گئے۔ اور آپ کی علمیّت۔ ہمہ دانی اور مستقل مزاجی کا اِس قدر شُہرہ ہُوا۔ کہ سر ایر سکاٹن پیری صاحب بہادر نے جو اِس وقت میں عہدۂ چیف جسٹس پر مامور تھے۔ اپنی جیبِ خاص سے آپ کے ولایت میں بیرسٹری کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے نصف صرفہ برداشت کرنے کا وعدہ کیا۔ باقی نِصف خرچ بمبئی کے معزز اور مالدار رؤسا برداشت کرنے پر مستعد ہو گئے۔ لیکن سر جمشید جی۔ جی۔ جی بھائیُ نے جن کا اس چندے میں سب سے زیادہ حصّہ تھا۔ یہ افسوسناک رائے قائم کی۔ کہ دادا بھائیُ نوروجی کا ولایت بھیجا جانا مناسب نہیں۔ مبادا وہاں کی بُود و باش اُن کو قدیمی دین و مذہب سے برگشتہ کر دے۔ سفر ولایت کے اس طرح التوا پر تمام صریحی اُمیدوں اور آرزوں کا خون ہو گیا۔ اور اب دادا بھائیُ کو بوجہ زیادہ خوشحالی نہ ہونے کے تلاشِ معاش کی فکر ہوئی۔ چند ماہ کے بعد آپ اُسی اسکول میں جس میں کہ آپ نے ابتدائیُ تعلیم پائیُ تھی۔ ہیڈ اسسٹنٹ مقرر ہو گئے۔ اس زمانے میں آپ کو علمِ ریاضی کا شوق عشق کے درجہ تک برپا ہُوا تھا۔ اور یہاں تک کمال حاصل ہو چکا تھا۔ کہ ایک عام جلسے میں پرنسپل صاحب بہادر نے آپ کی طبّاعی پر آفرین کی۔ اور

اعلیٰ قابلیت کے صلے میں ایک طلائی تمغہ عنایت فرمایا۔
سنہ ۱۸۵۴ء میں آپ کی اور بھی منزلت افزائی ہوئی۔ اور
آپ کالج کے فزکس اور میتھمیٹکس (عِلم طبعی اور ریاضی)
کی پروفیسری پر ممتاز ہوئے۔ یہ رُتبہ اب تک کسی
ہندوستانی کو نہ نصیب ہوا تھا۔ اِس عہدۂ جلیلہ کے
فرائض کو بھی آپ نے نہایت خوش اسلوبی سے انجام
دیا۔ آپ کے فیضانِ صحبت و تعلیم سے ہزارہا طلباء
تہذیب و علم مغربی کی دولت سے مالا مال ہو گئے۔
اس دس برس کے عرصے میں جب کہ آپ حالتِ
ملازمت میں رہے۔ آپ کا وقتِ عزیز صرف مدرسے
میں طلبا کی تعلیم ہی میں نہیں صرف ہوتا تھا۔ اِسی
عرصے میں آپ کی کوشش سے بمبئی میں باوجود سخت
مخالفت کے لڑکیوں کی تعلیم کے لئے اسکول جاری کیا
گیا۔ اس زمانے کی بہت سی سوشل۔ تعلیمی۔ لٹریری۔ اور
مذہبی کارروائیوں کے بانی مبانی اور تحریک دلانے والے
آپ ہی تھے۔ یہاں تک کہ بمبئی کی لٹریری۔ اور
سائنٹفک سوسائٹی بمبئی ایسوسی ایشن۔ فرامجی کاؤس جی
انسٹیٹیوٹ۔ ایرانی فنڈ۔ پارسی جمنزیم۔ وکٹوریا اینڈ البرٹ
عجائب خانہ قائم کرنے کا افتخار آپ ہی کو حاصل
ہے۔ غرضیکہ شہر میں کوئی ایسی علمی سوسائٹی یا
پولیٹکل جماعت نہ تھی۔ جس کو کہ آپ سے فیض نہ

پہنچا ہو۔ ۱۸۵۱ء میں آپ نے زبانِ گجراتی میں ایک ہفتہ وار اخبار "راست گفتار" سوشل۔ مذہبی اور تعلیمی اصلاح کی تلقین کی غرض سے نکالا۔ دو برس تک آپ نے نہایت جفاکشی اور مستعدی سے اُس کی ایڈیٹری کی۔ اور اپنے زورِ قلم کا سکہ جما دیا۔ اخبار کی عمدہ ترتیب اور چھپائی اور عالمانہ ایڈیٹوریل مضامین کی وجہ سے پرچے کی مالی حالت کو بھی بہت ترقی ہوئی۔ حقیقت تو یہ ہے۔ کہ اِس وقت جو بمبئی کے ورنیکلر پریس (دیسی اخبار) کو آپ سب سے بہتر حالت میں دیکھتے ہیں۔ بمبئی کی عورتیں کلکتہ اور مدراس وغیرہ سے جو زیادہ تعلیم یافتہ ہیں۔ اور سوشل اصلاح کا نیک اثر بمبئی پر دیگر مقامات سے جو زیادہ پایا جاتا ہے۔ یہ سب آپ ہی کی جانفشانی۔ مشقت اور کوششوں کے طفیل سے ہے ؎

۱۸۵۵ء میں آپ میسرز کاما اینڈ کمپنی کے ایجنٹ ہو کر انگلستان تشریف لے گئے۔ باوجود اِس امر کے کہ ہنوز آپ کو تجارتی معاملات میں ذاتی اور عملی تجربہ مطلق نہ تھا۔ لیکن آپ کی ہمہ دانی اور دیانت داری کا اعتقاد اس درجہ بڑھا ہُوا تھا۔ کہ سوداگران مذکور نے آپ کو اپنا شریکِ کار بھی کر لیا۔ وہاں بھی آپ ملک کی خدمت سے غافل نہ رہے۔ اور آپ نے

لنڈن انڈین ایسوسی ایشن قائم کی۔ اِس زمانے میں جو
جو رسالے اور مضامین کہ آپ نے تحریر فرمائے۔ اور
جس قدر لیکچر کہ آپ نے جا بجا دئے۔ اُن سب کے
تذکرے کی اس موقعہ پر گنجائش نہیں۔ آپ کی محنت
کا اندازہ ان واقعات سے ہو سکتا ہے۔ کہ آپ صبح
۹ بجے مکان سے نکل جایا کرتے تھے۔ اور تمام دن
ہندوستانی مسائل پر گفتگو اور تقریر کا سلسلہ جاری رکھ
کر دس بجے رات کو گھر تشریف لاتے تھے۔ ۱۸۶۷ء میں
اِس سوسائٹی کے مقاصد کو اور زیادہ وُسعت دی گئی
اور ایک ایسٹ انڈیا ایسوسی ایشن قائم کی گئی۔ جس میں
کہ ہندوستان کے پنشن خوار انگریز بھی شریک کئے گئے
جو فوائد کہ مُلک کو اِن پولیٹکل جماعتوں سے حاصل ہوئے
وہ سب پر عیاں ہیں۔ اس کارخانے کی جس کی طرف
سے آپ ولایت بھیجے گئے تھے۔ تمام تجارتی پیچیدگیوں کو
حل کرنے اور ان دونوں سوسائٹیوں کے کاروبار
کے انجام دینے ہی پر آپ کی مشکل پسند طبیعت
نے اکتفا نہ کیا۔ یونیورسٹی کالج میں زبان گجراتی کی
پروفیسری۔ سینٹ کی ممبری۔ انشورنس کمپنی کی ڈائرکٹری
سکرٹری آف سٹیٹ سے ہندوستانی پیچیدہ پولیٹکل مسائل
کے متعلق متواتر خط و کتابت۔ اہل برطانیہ کی ہندوستانی
معاملوں پر غلط فہمیوں کو رفع کرنے کی کوششیں اور

ہندوستان کے مصائب کو اہل لندن پر ظاہر کرنے کے لئے عام تقریریں آپ کے مزید مشاغل میں سے تھے۔ بارہ برس کے عرصے کے قیام میں آپ کی دیانتداری خوش معاملگی اور راست بازی کا یہاں بھی سِکّہ جم گیا بدقسمتی سے انہیں ایّام میں اتفاقاً آپ کو تین لاکھ روپے کا خسارہ ہؤا۔ تجّار کی حیثیت سے بھی آپ کا وقار بہت بڑھا ہؤا تھا۔ اور کچھ رفیقوں کی قرضے کی صورت میں مالی امداد اور کچھ اپنی ذاتی محنت و مشقّت سے بہت ہی قلیل عرصے میں اِس نقصانِ عظیم کی جُوں تُوں کرکے تلافی ہو گئی +

۱۸۶۹ء میں آپ وطن واپس آئے۔ ملک اور قوم کی نگاہ میں آپ کا جو وقار تھا۔ وہ محتاجِ بیان نہیں۔ یہاں اُن کی آمد پر بڑی تعظیم و تکریم اور تواضع مدارات کی گئی۔ عام جلسے قرار دئے گئے۔ جن میں ہر قوم و مِلّت کے ہزارہا لوگ شریک ہوئے۔ اس موقع پر آپ کے ہموطنوں نے علٰے قدرِ حیثیت مالی امداد بھی کی۔ لیکن آپ کی غیرت اور عالی ہمتّی نے یہ گوارا نہ کیا۔ کہ آپ اس کا ایک حبّہ بھی اپنے ذاتی تصرّف میں لاتے۔ کل روپیہ رفاہِ عام میں خرچ کر دیا۔ ۱۸۷۳ء میں آپ دوبارہ ولایت تشریف لے گئے سال ہی بھر بعد آپ کو ۱۸۷۴ء میں مہاراجہ صاحب

بڑودہ نے اپنا مدارالمہام مقرر کرنے کے لئے منتخب کیا اس تجویز کو لارڈ نارتھ بروک صاحب بہادر نے بھی پسند فرمایا۔ آپ کے مقرر ہوتے ہی کُل خود غرض امرا و رؤسا آپ کے درپے آزار ہو گئے۔ اِدھر اُدھر شکایتیں درخواستیں اور عرضیاں دوڑائی گئیں۔ لیکن آپ حسبِ عادت نیک نیتی اور جفا کشی سے اپنے فرائضِ منصبی کو ادا کرتے رہے۔ اور نتیجہ یہ ہوا۔ کہ تمام بد اعمال حاسدوں کو اپنے کئے کا ثمرہ مل گیا۔ اور سب نکال باہر کئے گئے۔ رفتہ رفتہ آپ کا اِس قدر وقار بڑھا کہ لارڈ نارتھ بروک صاحب بہادر نے آپ کی موجودگی میں ریذیڈنٹ کی بھی وہاں ضرورت نہ سمجھی۔ کُل سیاہ اور سفید کا اختیار آپ کو مل گیا۔ لیکن کچھ عرصہ بعد بحکمِ ضرورت آپ کو اس عہدے سے بھی علیحدہ ہونا پڑا۔

بڑودہ سے واپس آ کر آپ دو برس تک بمبئی کارپوریشن کے ممبر رہے۔ اور اُس کے کاروبار کو انجام دیتے رہے۔ یہاں بھی آپ نے اپنی معاملہ فہمی کا سب کو قائل بنا دیا۔ آپ نے اسی زمانے میں کارپوریشن کے حساب و کتاب میں ایک ایسی غلطی پکڑی جس سے کارپوریشن کا چھ لاکھ پونڈ کا نقصان ہوتا تھا۔ اِعزاز پر اِعزاز نصیب ہوتا گیا۔ اگست ۱۸۸۵ء میں لارڈ رے صاحب بہادر نے آپ کو اپنی کونسل کا

ایڈیشنل ممبر مقرر کیا۔ اس موقعہ پر کُل ہندوستان نے یک زبان ہو کر خوشیاں منائیں۔ یہ سال کانگریس کی پیدائش کا سال تھا۔ اس کی کارروائیوں میں آپ نے بہت بڑا حصّہ لیا۔ اور آپ اِس کے پریذیڈنٹ قرار دئے گئے۔ آغاز ۱۸۸۶ء میں آپ پھر انگلینڈ کو بغرض ممبری پارلیمنٹ روانہ ہوئے۔ گو کہ بوجوہ آپ کو اِس مرتبہ کامیابی نہ ہوئی۔ لیکن انہیں سو پچاس ووٹ کا مِل جانا اِس بات پر دلالت کرتا ہے۔ کہ باوجود اختلاف سخت کے آزاد رائے اور راستی پسند لوگوں کو آپ کے ساتھ کس قدر ہمدردی پیدا ہو گئی تھی ؛

دسمبر ۱۸۸۶ء میں آپ ہندوستان واپس آئے اور کلکتہ کانگریس کے دُوسرے اجلاس کے پریذیڈنٹ مقرر ہوئے۔ آغاز ۱۸۸۷ء میں بمبئی سروس کمیشن میں آپ اپنی رائے پیش کرکے ولایت دوبارہ پارلیمنٹ کی ممبری کی خواہش سے گئے۔ اگلی ناکامیابی سے ہمت نہ ہار کر اس مرتبہ آپ نے دو چند کوشش کی۔ اور ہاؤس آف کامنز کے باقاعدہ ممبر ہو گئے۔ جو گرمجوشیاں کہ آپ نے اپنی ممبری کے زمانے میں ہندوستانی مسئلوں کی گُتھیاں سُلجھانے میں دکھلائیں۔ ان کے احسانات سے ہندوستان مُدّتا تک سبکدوش نہیں ہو سکتا۔ تین ہی برس کے عرصے میں آپ نے حتّی الوسع کوئی دقیقہ

نہ اُٹھا رکھا۔ امتحان سول سروس کے پھر دوسرے سال ہندوستان میں ہونے کی تجویز پیش کرائی۔ انڈین پارلیمنٹری کمیٹی بہ امداد سر ولیم ویڈر برن صاحب اور مسٹر ڈبلیو سی کین صاحب قائم کی۔ یہ آپ ہی کی بارہا تاکید اور ترغیب کا نتیجہ تھا۔ کہ ہندوستان کے مُلکی اخراجات کی جانچ کے لئے رائل کمیشن[۵۱] ۱۸۹۵ء میں مقرر ہوُا۔ اور آپ اوّل ہندوستانی تھے۔ جن کو کہ رائل کمیشن کی ممبری پر ممتاز ہونے کا افتخار حاصل ہوُا۔ اس کمیشن میں جو بیانات کہ آپ کے تھے۔ اُن کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہندوستان کے تمدّنی مسائل پر آپ کو کِس قدر عبُور ہے۔ آپ کو اپنے مطالب غیر زبان میں ادا کرنے میں کتنا ملکہ اور آپ کے دِل میں حُبِّ قومی کس قدر موجزن ہے؛

دسمبر ۱۸۹۴ء میں آپ لاہور کی نویں کانگریس میں پریذیڈنٹ مقرر کئے جانے کے لئے مدعو کئے گئے اثنائے راہ میں جہاں کہیں کہ آپ قیام پذیر ہوئے آپ کا استقبال اور دعوت شاہانہ اعزاز سے ہوئی۔ لاہور میں تو اس قدر دِلی جوش تھا۔ کہ لوگ آپ کی گاڑی کو خود ہاتھوں سے کھینچ کر آپ کو خیمے تک

[۵۱] حکومت انگلستان کی طرف سے ہندوستان کی حکومت کے انتظام کی تحقیقات کے لئے ایک سرکاری وفد آیا تھا۔

لے گئے۔ اِس موقعہ پر سرولیم ہنٹر صاحب نے اخبار ٹائمس میں آپ کے خصائل ستودہ اور اعلیٰ قابلیّت کی بہت تعریف کی۔ افسوس کہ عین خوشی کے زمانے میں آپ کے اکلوتے لڑکے نے داغِ مفارقت دیا یہ لڑکا بھی ہونہار تھا۔ اور ڈاکٹری کے فن میں بہت نام پیدا کر چلا تھا۔ نوجوان ہونہار لڑکے کی وفات کا قلق کچھ ایسا ویسا نہیں ہوتا۔ لیکن آفرین ہے آپ کے تحمل اور ہمّت کو کہ باوجود سخت ملال اور اندوہ کے آپ مُلک کی خدمت گزاری اُسی مستعدی سے کرتے رہے ۔

۱۸۹۵ء میں آپ پارلیمنٹ کی ممبری سے علیحدہ ہوئے۔ لیکن اپنے مُلک کی بہبودی کے لئے مرتے دم تک بدل و جان ساعی رہے ۔

سوالات

۱۔ بحالت طالب علمی مسٹر دادا بھائی نوروجی کے ولایت جانے میں کیا رکاوٹ حائل ہوئی؟

۲۔ ولایت میں رہ کر جو خدمات مسٹر دادا بھائی نوروجی نے انجام دیں۔ ان کو مختصر طور پر بیان کرو ۔

۳۔ ان کے زندگی کے حالات پڑھ کر تم کیا سبق سیکھ سکتے ہو؟

۴۔ (ا) مندرجۂ ذیل کلمات گریمر کی رُو سے کیا کیا ہیں؟

زہے۔ مبتدل۔ قائل۔ فرشتہ۔ صفت۔ تعلیم یافتہ۔ روش۔ بود و باش

(ب) والدہ اور ستودہ میں ہ کیسی ہے؟

۷- جوگی

کل صُبح کے مطلعِ تاباں سے جب عالم بُقعۂ نور ہُوا
سب چاند ستارے ماند ہوئے خورشید کا نُور ظہور ہُوا
مستانہ ہوائے گلشن تھی جانانہ ادائے گلبُن تھی
ہر وادی وادیٔ ایمن[1] تھی ہر کوہ پہ جلوۂ طور ہُوا
جب بادِ صبا مِضراب بنی ہر شاخ مثالِ رباب بنی
شمشاد و چنار ستار بنے ہر سرو و سمن طنبور ہُوا
سب طائر مِل کر گانے لگے عِرفان کی تانیں اُڑانے لگے
اشجار بھی وجد میں آنے لگے دلکش وہ سماعِ طیور ہُوا
سبزے نے بساط بچھائی تھی اور بزمِ سرور سجائی تھی
بن میں گلشن میں آنگن میں فرشِ سنجاب و سمور ہُوا
تھا دِلکش منظرِ دشت و جبل اور چال صبا کی مستانہ
اس حال میں ایک پہاڑی پر جا نکلا ناظر دیوانہ
چیلوں نے جھنڈے گاڑے تھے پربت پر چھاؤنی چھائی تھی
تھے خیمے ڈیرے بادل کے کوہر نے قنات لگائی تھی
یہاں برف کے تودے گلتے تھے چاندی کے فوارے چلتے تھے
چشمے سیماب اُگلتے تھے نالوں نے دھوم مچائی تھی

[1] کوہِ طور کی وادی کو وادیٔ ایمن کہتے ہیں۔

یہاں قُلّۂ کوہ پہ رہتا تھا اک مست قلندر بیراگی
تھی راکھ جٹوں میں جوگی کی اور انگ بھبُوت رمائی تھی
تھا راکھ کا جوگی کا بستر اور راکھ کا پیراہن تن پر
تھی ایک لنگوٹی زیبِ کمر جو گھٹنوں تک لٹکائی تھی
سب خلقِ خدا سے بیگانہ وہ مست قلندر دیوانہ
بیٹھا تھا جوگی مستانہ آنکھوں میں مستی چھائی تھی
جوگی سے آنکھیں چار ہوئیں اور جُھک کر ہَم نے سلام کیا
تب آنکھ اُٹھا کر ناظرؔ سے یوں بن باسی نے کلام کیا
کیوں بابا! ناحق جوگی کو تم کس لئے آ کے ستاتے ہو
ہم پنکھ پنکھیرو بن باسی تم جال میں آن پھنساتے ہو
کوئی جھگڑا دال چپاتی کا کوئی دعوٰے گھوڑے ہاتھی کا
کوئی شِکوہ سنگی ساتھی کا تم ہم کو سُنانے آتے ہو
ہم حرص و ہوا کو چھوڑ چکے اس نگری سے مُنّہ موڑ چکے
ہم جو زنجیریں توڑ چکے تم لا کے وہی پہناتے ہو
تم پُوجا کرتے ہو دھن کی ہم سیوا کرتے ہیں ساجن کی
ہم جوت جگاتے ہیں من کی تم اُس کو آ کے بجھاتے ہو
سنسار سے یاں مکھ پھیرا ہے من میں ساجن کا ڈیرا ہے
یاں آنکھ لڑی ہے پیتم سے تم کس سے آنکھ ملاتے ہو"
اُس مست قلندر جوگی نے جب ناظرؔ کو یہ عتاب کیا
کچھ دیر تو ہم خاموش رہے پھر جوگی سے یہ خطاب کیا
"ہیں ہم پردیسی سیلانی مت ناحق طیش میں آ جوگی!

ہم آئے تھے تیرے درشن کو چتون پر میل نہ لا جوگی
آبادی سے منہ پھیرا کیوں پربت میں کیا ہے ڈیرا کیوں
ہر محفل میں ہر منزل میں ہر دل میں ہے نورِ خدا جوگی
کیا مسجد میں کیا مندر میں سب جلوہ ہے وجہُ اللہ کا
پربت میں نگر میں ساگر میں ہر اُترا ہے ہر جا جوگی
جی شہر میں خوب بہلتا ہے واں حُسن پہ عشق مچلتا ہے
واں پریم کا ساگر چلتا ہے چل دِل کی پیاس بجھا جوگی
واں دِل کا غنچہ کھِلتا ہے ہر رنگ میں موہن ملتا ہے
چل شہر میں سنکھ بجا جوگی بازار میں دھونی رما جوگی"
"ان چکنی چپڑی باتوں سے مت جوگی کو پھسلا بابا۔
جو آگ بجھائی جتنوں سے پھر اُس پہ نہ تیل گرا بابا
ہے شہروں میں غُل شور بہت اور حرص و ہوا کا زور بہت
بستے ہیں نگر میں چور بہت سادھو کی ہے بن میں جا بابا
ہے شہر میں شورشِ نفسانی جنگل میں ہے جلوۂ رُوحانی
ہے نگری ڈگری کثرت کی بن وحدت کا دریا بابا
ہم جنگل کے پھل کھاتے ہیں چشموں سے پیاس بجھاتے ہیں
راجا کے نہ دوارے جاتے ہیں پرجا کی نہیں پروا بابا
سر پر آکاش کا منڈل ہے دھرتی پہ سہانی مخمل ہے
دن کو سُورج کی محفل ہے شب کو تاروں کی سبھا بابا
جب جُھوم کے یہاں گھن آتے ہیں مستی کا رنگ جماتے ہیں
چشمے طنبور بجاتے ہیں گاتی ہے ملار ہوا بابا

یاں پنچھی بل کر گاتے ہیں پیتم کے سندیس سُناتے ہیں۔
یاں رُوپ اُنوپ دکھاتے ہیں پھل پھول اور برگ گیا بابا
ہے پیٹ کا ہر دم دھیان تمہیں اور یاد نہیں بھگوان تمہیں
سِل پتھر اینٹ مکان تمہیں دیتے ہیں سکھی سے چھڑا بابا
تن من کو دھن میں لگاتے ہو پیتم کو دل سے بھلاتے ہو
ماٹی میں لال گنواتے ہو۔ تم بندۂ حرص و ہوا بابا
دھن دولت آنی جانی ہے یہ دُنیا رام کہانی ہے
یہ عالم عالمِ فانی ہے باقی ہے ذاتِ خدا بابا
جناب چودھری خوشی محمد صاحب ناظر

سوالات

۱۔ ان الفاظ کے معانی بتاؤ:۔
مطلِع تاباں۔ بُقعۂ نور۔ وادیٔ ایمن۔ جلوۂ طور۔ سماعِ طیور +

۲۔ جوگی کے بن باس اختیار کرنے کی جو وجوہات بیان کی ہیں۔ اُن کا خلاصۂ مطلب بیان کرو +

۳۔ ترکیب نحوی کرو:۔
تم پُوجا کرتے ہو دھن کی ہم سیوا کرتے ہیں ساجن کی

۴۔ اِس نظم میں سے اسم ظرفِ مکان اور زمان کی مثالیں الگ الگ بتاؤ۔ نیز بتاؤ ظرفِ زمان غیر محدود کی کون کون سی مثالیں ہیں؟

۸۔ زبان کی تمیز اور اُس کا فرق

زبان تو وہی ایک گوشت کی بوٹی ہے۔ جو دانتوں کی چار دیواری میں تالو کی چھت کے نیچے بل مارتی پھرتی ہے۔ کبھی تو ہونٹوں کے پھاٹک میں درّانہ آ کھڑی ہوتی ہے۔ کبھی گردن نکال کر اِدھر اُدھر بِھڑ کی طرح جھانکنے لگتی ہے۔ کبھی میٹھی چیز کا مزا لیتی ہے کبھی کھٹّے اور کڑوے سے مُنہ بناتی ہے۔ کوئی اُسے لِسان کہتا ہے۔ کوئی جِیب۔ کوئی تیل کہتا ہے۔ کوئی ٹنگ۔ کسی نے للّو کہہ لیا۔ کسی نے رسنا۔ مگر ہماری مُراد اِس جگہ روزمرّہ کی بول چال یا ہر مُلک کی بھاکا سے ہے۔ اس میں خواہ عورتوں کی بولی ہو۔ خواہ مردوں کی۔ گنواروں کی گفتگو ہو یا شہر والوں کی۔ لکھنؤ کی لُغت تراشی اور متانت ہو۔ یا دہلی کی سادگی اور سلاست۔ قلعۂ معلّےٰ کی معاملہ بندی ہو۔ یا ثقات کی لطیفہ گوئی۔ شہدوں کا پھکڑ ہو یا آزادوں کی بد لگامی پیشہ وروں کی اصطلاحیں ہوں۔ یا دلّالوں کی رمزیں۔ بچّوں کا اُوں اُوں اور مم مم کرنا یا بیگموں کا نِت نِت اور جم جم کہنا۔ یہ ساری باتیں ہماری اُس زبان میں داخل ہیں۔ جس کا ہمیں بیان کرنا منظور ہے۔

عام زبان کسی خاص قوم یا خاص شہر سے مخصوص نہیں ہے۔ یہی زبان ہے کہ جانوروں کے مُنہ میں ہے اور یہی زبان ہے۔ کہ آدمیوں کے دہن میں۔ اگر بُلبل اپنے چہکنے سے خوش ہے۔ تو کوّا بھی کائیں کائیں میں مگن ہے۔ کوئل کُوک کو اچھا جانتی ہے۔ تو مور جھنکارنے کو عمدہ سمجھتا ہے۔ مینڈک ٹرّانے میں مست ہے۔ تو جھینگر جھیں جھیں میں۔ پپیہا پی پی سے دل بہلاتا ہے تو فاختہ کُوکُو سے جی خوش کرتی ہے۔ کُتّا بھونکنے کو بھلا سمجھتا ہے۔ تو شیر دھاڑنے کو پسند کرتا ہے۔ اونٹ کو برّانا بھاتا ہے۔ تو بجار کو ڈکرانا پسند ہے غرض ایک دُوسرے کی زبان اور لہجہ کو بحیثیتِ مجموعی ہم بُرا نہیں کہہ سکتے۔ کس لئے کہ ہر ایک کی زبان بجائے خود عمدہ اور بہتر ہے۔ جو کام فصیح آدمی اپنی زبان سے لیتے ہیں۔ وُہی غیر فصیح اور جانور بھی اپنی زبان سے نکال لیتے ہیں +

زبان کیا ہے منشائے دلی کے اظہار کرنے کا آلہ ہے۔ ایک زمانہ ہوگا۔ کہ ہم لوگ آنکھوں یا ہاتھوں کے اشارے سے کام لیتے ہونگے۔ پھر ایک زمانہ وہ ہوگا۔ کہ ہم نے صرف اسموں سے کام نکالا ہوگا۔ اب ایک زمانہ یہ ہے کہ ہم نے اسماء افعال روابط وغیرہ کو ملا جُلا کر ایک عمدہ تسلسُل پیدا کر لیا۔ اور اپنے

مفہوم کو اِس طرح ادا کرنے لگے۔ کہ سامع کو کسی طرح کی دِقّت نہ رہی +

اب اگر ہم طاقتور۔ شہ زور اور کسی جنگل یا پہاڑ کے محنت کش باشندے ہونگے۔ تو ہمارا ایک ایک لفظ اور ایک ایک کلمہ جرأت۔ طاقت۔ سختی۔ اکھڑپن۔ غضب وخشونت کا جامہ پہنے ہوئے ہوگا۔ حاکم سے بھی بولیں گے تو اکڑ کر ہی بولیں گے۔ اخلاص کی بات بھی کرینگے۔ تو ایسی جیسے پتّھر کھینچ مارا۔ اس میں بھی اگر بانگر میں ہماری بود و باش ہوگی۔ تو ہم سب سے زیادہ کرخت لفظ زبان سے نکالیں گے۔ اور جو کھادر میں تو اس سے دُوسرے درجہ پر ہمارے الفاظ ہونگے۔ اور جو ہم دال چپاتی کے کھانے والے ناز پروردہ عیش منانے والے ہونگے۔ اور کبھی ریاضت کے پاس نہ پھٹکے ہونگے۔ تو ہماری بات بات سے مسکینی۔ غُربت۔ عاجزی۔ سُستی اور کاہلی ٹپکے گی +

اُوپر کی بحث سے ثابت ہوُا۔ کہ کوئی ولایت کیوں نہ ہو۔ اس میں دو طرح کی زبان اور دو طرح کے الفاظ ہونگے۔ بعض الفاظ میں صرف لہجہ کا فرق ہوگا بعض میں اصلیت کا۔ اس میں سے ایک زبان اکھڑ اور سخت کے نام سے جسے گنواری یا جفا کش لوگوں کی بولی کہہ سکتے ہیں مشہور ہوگی۔ دوُسری

ملائم اور نرم جیسے شہری زبان کے نام سے موسوم کرنا بیجا نہ ہوگا تعبیر کی جائیگی ۔

تجربہ سے ثابت ہؤا ہے۔ کہ بارہ بارہ کوس فاصلے پر زبان بدل جاتی ہے۔ مگر خاص شہر میں بھی دو طرح کی زبان ہوتی ہے۔ ایک عام لوگوں کی جسے متعصب لوگ زبانِ جُہلا یا ادنےٰ آدمیوں کی بولی کہتے ہیں۔ دُوسری خاص لوگوں کی جسے زبانِ شعراء یا فصحا کہتے ہیں۔ شعراء کی زبان میں بھی اختلاف ہے۔ کوئی عام محاورے پسند کرتا ہے۔ کوئی خاص۔ جیسے اُستاد **ذوق** اور حضرتِ **غالب**۔ اب ان شہروں میں بھی فرق ہے۔ جو شہر کسی بادشاہ کا مُدّت تک دارالخلافہ رہا ہوگا۔ اس کی زبان اور شہروں کی نسبت عُمدہ۔ اور زیادہ شائستہ خیال کی جائیگی ۔

باعتبار زبان تو ہر ایک زبان کا مرتبہ ایک ہی ہے مگر اس لحاظ سے کہ دارالسلطنت میں آ کر ہر ایک لفظ سانچے میں ڈھلتا اور خرادٓ[۵۱] چڑھتا ہے۔ اُسے سب پر ترجیح دے سکتے ہیں اس بات کے ثبوت میں ہزاروں دلیلیں موجود ہیں۔ اگر کوئی کشمیرزا ہندوستان کی زبان کو بُرا بتائے یا کوئی ہندی نژاد اصفہان کی

---

۵۱ اصل خرّاد زبان فارسی۔ خرّاط بزبان عربی۔ مگر روزمرہ بول چال میں خراد آتا ہے ۔

زبان کو ٹکسال باہر ٹھیرائے۔ تو کوئی عقلمند تسلیم کریگا؟

اب رہی یہ بات کہ زبان کی عمدگی کن باتوں پر منحصر ہے۔ سو یہ ہم کیا تمام عالم کھُلے خزانے کہہ رہا ہے۔ کہ زبان کی خوبی اُس کی سلاست۔ عام فہمی۔ نرمی۔ موزونی چھوٹے چھوٹے الفاظ بڑے بڑے معنی پر موقوف ہے۔ جو لفظ جہاں چسپاں ہو۔ وہیں نگینہ کی طرح جڑا ہو۔ بچّوں سے لے کر بوڑھوں تک کی سمجھ میں آ جائے۔ سو یہ بات زیادہ تر عورتوں کی زبان میں پائی جاتی ہے۔ یا ان لوگوں کی بول چال میں جنہوں نے اپنے ماں باپ کی روز مرہ کو معیوب نہ سمجھ کر اُس کے چھوڑ دینے پر کمر نہ باندھی ہو۔ اپنی اصل پر خود بھی قائم رہے ہوں۔ اور زبان کو بھی جوں کا توں بنا رکھا ہو۔ اگرچہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جو لوگ اوروں کی زبان کی حرف گیری کرتے ہیں۔ وہ بھی گھر میں جا کر اپنے بال بچّوں کے ساتھ وہ گفتگو نہیں کرتے جو باہر لوگوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ اُن کی تحریر میں بھی وہ لفاظی۔ سجع بندی۔ قافیہ پیمائی۔ خود رائی پائی جاتی ہے۔ جسے سُن کر خواہ مخواہ آدمی کی طبیعت اُلجھے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ان کی کوئی بات بناوٹ اور آورد سے خالی نہیں ہوتی۔ اور اُن کا کلام محض بے لُطف اور بے اثر ہوتا ہے۔ خواہ مخواہ عربی کے غیر مستعمل

ٹھونس ٹھونس کر بھر دیتے ہیں۔ اگر کوئی عبارت لکھنے بیٹھے۔ تو دس بیس لغت کی کتابیں آگے رکھ لیں اور اپنی بے معنی علمیّت جتانے کو بڑے بڑے لفظ چن کر اس عبارت میں داخل کرتے چلے گئے۔ اور اُس کا نام زبان علمی رکھ لیا۔ عربی لفظوں کو اِس طرح بھرا۔ کہ ایک ایک بات کے چار چار مترادف ٹھیرا کر لکھ دیئے۔ اُن کی بلا سے کوئی اس سے فائدہ اُٹھائے یا نہ اُٹھائے۔ کسی نے اِس عبارت کو مجذوب کی بڑ جانا۔ اور کسی نے بلائے جان سمجھا اگر وہ اخبار ہے۔ تو پُڑیاں بندھیں۔ اور اگر کتاب ہے۔ تو لڑکوں نے پٹاخے بنا لئے ۔

جس طرح زبان کی خوبی سلاست پر موقوف ہے۔ اُسی طرح اُس کی تکمیل ہر قسم کے الفاظ کی دستیابی اور کسی طرح کی روک نہ ہونے پر منحصر ہے۔ اگر ہم اپنے مُلک کے سخت الفاظ سے پرہیز کریں۔ اور اُن کو اپنی زبان پر نہ آنے دیں۔ تو سخت کاموں کے واسطے کہاں سے لفظ لائیں گے۔ اور سخت آلات کا نام کن کن لفظوں سے دھریں گے۔ ایسے لفظوں سے پرہیز کرنا زبان کو آئندہ ترقی سے باز رکھنا ہے۔ ہاں غیر زبان کے اُن لفظوں کا استعمال کرنا جو بالکل ہمارے کانوں سے جُدا زبان سے ناآشنا ہوں۔ کسی طرح

کار آمد نہ ہوگا۔ بلکہ اگر وہ لفظ ہمارے قواعد اور لہجہ کے موافق ڈھالیں جائینگے۔ تو بھی پُورا پورا مطلب نکالنے پر قادر نہ ہونگے۔ مگر پچھلی صُورت جب تک اپنی زبان سے کوئی لفظ بنایا جائے۔ اور اُس کی کامل ترقی ہو کام نکالنے کے لئے اچھی ہے۔ پہلی صُورت کے مِصداق ہمارے ہندوستان میں اُس شہر کے لوگ ہیں۔ جہاں کے نوکر چاکر تک جن کو آٹھ پہر اُن لوگوں سے کام پڑتا ہے۔ اپنے آقا کی بولی نہیں سمجھ سکتے۔ اُن کی زبان پر عربی فارسی کے وہ لفظ چڑھے ہوئے ہیں۔ جو شاید امیروں کے سوا اور لوگ لکھنے میں بھی مستعمل نہ کرتے ہونگے۔ اور وہ بھی لکھتے ہونگے تو لُغت سامنے رکھ کر۔

پُرانی زبان کو جو تنزُّل ہوُا ہے۔ اُس کا بڑا سبب یہی ہے۔ کہ غیر مانوس الفاظ کا رواج پانا۔ دُوسرے مُلک کے ایسے لفظوں کو جن کا ثانی اپنے مُلک میں موجود ہو داخِل زبان کرنا۔ سخت سخت مخارج کے لفظوں کو فخریۃً اپنی زبان پر چڑھانا۔ عام لوگوں کی زبان کو پایۂ اِعتبار سے گرانا۔ سہل الخروج لفظوں کو خیال میں نہ لانا۔ علیٰ ہٰذا القیاس اور بھی ایسے ہی باعث ہُوئے ہیں۔ کہ جہاں کوئی کرخت اور سخت لفظ لوگوں کی زبان سے نہ نکلا۔ یا تو اُس کو بالکل ترک کر دیا۔ یا کچھ سے

پکھ کر لیا۔ اور زبان کے آسان لفظ دیکھ کر اپنی زبان میں ملا لئے۔ سخت زبان صرف کتاب ہی میں دھری رہ گئی ؛

ایک زمانہ تھا۔ کہ تمام ہندوستان میں سنسکرت پھیلی ہوئی تھی۔ کچھ عرصہ بعد اُس سے ملتی جلتی ایک اور زبان بولی جانے لگی۔ اُس کے بعد پراکرت کا جھنڈا قائم ہوُا۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ بھاکا اور پھر اُردو زبان کا رواج ہو گیا۔ اور قدیمی زبان ایسی گم ہو گئی جیسے عنقا۔ البتہ سنسکرت کے وہ الفاظ جو ہماری زبان سے آسانی کے ساتھ نکل سکتے تھے۔ آج تک جوں کے توں قائم ہیں۔ اور جو الفاظ اس زمانے میں پنڈتوں کے سوا اور لوگوں کی زبان سے صاف ادا نہیں ہو سکتے تھے۔ یا تو وہ صرف کتابوں میں ہیں۔ یا اُنھوں نے کوئی اور صُورت قبول کر لی۔ یعنی کہیں سے کوئی حرف گرا دیا۔ کہیں کسی حرف کو کسی حرف سے بدل دیا۔ اور اپنا مطلب نکال لیا ؛

ایک ہی ملک میں ایک زبان کے ہوتے جو دُوسری زبان کا رواج ہو جاتا ہے۔ اُس کا سبب بھی یہی ہوتا ہے۔ کہ پہلی زبان اپنی سختی کے باعث ناگوار گزرنے لگتی ہے۔ دیکھو سنسکرت کے زمانے میں **پالی** اور **پراکرت** نے اپنا جھنڈا گاڑ ہی دیا۔ **ژند و پاژند**

کے وقت میں دری کا نقشہ جم ہی گیا۔ عبرانی کے وقت میں عربی نکل ہی آئی۔ اسی طرح ہر ایک زبان میں ہوتا آیا ہے۔ اور اکثر سخت زبانوں کا یہی حال ہوتا ہے۔

جناب سید احمد دہلوی مرحوم

سوالات

۱۔ ان اصطلاحات کی اس طرح تشریح کرو۔ کہ ان کے مطالب کا فرق سمجھ میں آ جائے :۔

لطیفہ گوئی۔ پھکڑ۔ پد نگاہی۔ معاملہ بندی۔ رمز۔

۲۔ سکونت اور ارد گرد کے حالات لوگوں کی زبان اور لب و لہجہ پر کیا اثر ڈالتے ہیں؟ اس کے متعلق جو جو کچھ مصنف نے لکھا ہے۔ اپنے الفاظ میں لکھو۔

۳۔ اس سبق میں سے حاصل مصدر فارسی اور اردو کی جماعت بندی کرو۔

۴۔ مندرجہ ذیل الفاظ کی جمع بتاؤ :۔

ثقہ۔ فصیح۔ ربط۔ سامع۔ حاکم۔ حکم۔ شاعر۔ شعر۔

۹- ریچھ کا بچہ

کل راہ میں جاتے جو ملا ریچھ کا بچہ
لے آئے وہیں ہم بھی اُٹھا ریچھ کا بچہ
سَو نعمتیں کھا کھا کے پلا ریچھ کا بچہ
جس وقت بڑھا ریچھ ہُوا ریچھ کا بچہ
جب ہم بھی چلے ساتھ چلا ریچھ کا بچہ

تھا ہاتھ میں اِک اپنے سوا مَن کا جو سونٹا
لوہے کی کڑی اُس پہ کھڑکتی تھی سراپا
کاندھے پہ چڑھا جھولنا اور ہاتھ میں پیالا
بازار میں لے آئے دکھانے کو تماشا
آگے تو ہم اور پیچھے تھا وہ ریچھ کا بچہ

تھا ریچھ کے بچے پہ وہ گہنا جو سراسر
ہاتھوں میں کڑے سونے کے بجتے تھے جھمک کر
کانوں میں دُر اور گھنگرو پڑے پاؤں کے اندر
وہ ڈور بھی ریشم کی بنائی تھی جو پُر زر
جس ڈور سے یارو تھا بندھا ریچھ کا بچہ

اِک طرف کو تھیں سینکڑوں لڑکوں کی پکاریں
اِک طرف کو تھیں پیرو جوانوں کی قطاریں
کچھ ہاتھیوں کی ریقیں اور اونٹوں کی ڈکاریں

غُل، شور، مزے بھیڑ، ٹھٹھ، انبوہ بہاریں
جب ہم نے کیا لا کے کھڑا ریچھ کا بچّہ

کہتا تھا کوئی ہم سے میاں آؤ قلندر
وہ کیا ہوئے اگلے جو تمہارے تھے وہ بندر
ہم اُن سے یہ کہتے تھے یہ پیشہ ہے پھندر
ہاں چھوڑ دیا، بابا! اُنہیں جنگلے کے اندر
جس دن سے خدا نے یہ دیا ریچھ کا بچّہ

مُدّت میں اب اِس ریچھ کو ہم نے ہے سدھایا
لڑنے کے سوا ناچ بھی ہے اِس کو سِکھایا
یہ کہہ کے جو ڈھپلی کے تئیں گت پہ بجایا
اِس ڈھب سے اُسے چوک کے جمگھٹ میں نچایا
جو سب کی نگاہوں میں کھُبا ریچھ کا بچّہ

پھر ناچ کے وہ راگ بھی گایا تو وہاں واہ
پھر کہروا ناچا تو ہر اِک بولی زباں واہ
ہر چار طرف سُنیئے کہیں پیر و جواں واہ
سب ہنس کے یہ کہتے تھے میاں واہ میاں واہ
کیا تم نے دیا خوب سچّا ریچھ کا بچّہ

اِس ریچھ کے بچّہ میں تھا اس ناچ کا ایجاد
کرتا تھا کوئی قدرتِ خالق کے تئیں یاد
ہر کوئی یہ کہتا تھا خدا تم کو رکھے شاد
اور کوئی یہ کہتا تھا، ارے واہ رے اُستاد

تُو بھی جیتے اور تیرا سدا ریچھ کا بچہ

جب ہم نے اُٹھا ہاتھ کڑوں کو جو ہلایا
خم ٹھونک پہلواں کی طرح سامنے آیا
لپٹا تو یہ کُشتی کا ہُنر آن دکھایا
جو پھوسٹے بڑے جتنے تھے اُن سب کو رجھایا

ہم بھی نہ تھکے، اور نہ تھکا ریچھ کا بچہ

جب کُشتی کی ٹھیری تو وہیں سر کو جو جھاڑا
للکارتے ہی اُس نے ہمیں آن اتاڑا
گہ ہم نے پچھاڑا اُسے گہ اُس نے پچھاڑا
اِک ڈیڑھ پہر ہو گیا کُشتی کا اکھاڑا

گو ہم بھی نہ ہارے نہ ہٹا ریچھ کا بچہ

کہتا تھا کھڑا کوئی جو کر آہ آہا ہا
اس کے تمہیں اُستاد ہو واللہ آہا ہا
یہ سحر کیا تم نے تو ناگاہ آہا ہا
کیا کہئے غرض آخرش اے واہ آہا ہا

ایسا تو نہ دیکھا نہ سُنا ریچھ کا بچہ

حضرت نظیر اکبر آبادی مرحوم

سوالات

۱۔ ریچھ اور قلندر کی لڑائی کا جو نظارہ شاعر نے نظم کیا ہے اُسے سلیس اُردو نثر میں لکھو۔ مگر یہ خیال رہے۔ کہ

تمام تفصیلات بیان ہو جائیں +

۲ - اگر ہو سکے تو بندر کے تماشے کا بیان جس کو تم نے اکثر دیکھا ہو گا۔ اسی طرح نظم کرو۔ ورنہ اس کی کیفیت دلچسپ عبارت میں لکھ دو

۳ - ترکیب نحوی کرو:- ع :- ہر کوئی یہ کہتا تھا خدا تم کو رکھے شاد +

۴ - اِس سبق میں مرکّب اضافی کی کون کون سی مثالیں ہیں ؟

۱۰ - دِیا سلائی

کیا تم نے کبھی اِس امر پر غور کیا ہے۔ کہ آگ ہمارے کتنے اور کیسے بڑے بڑے کاموں میں استعمال ہوتی ہے ؟ ذرا اُس دُنیا کا نقشہ اپنے تصوّر میں باندھ کر دیکھو۔ جس میں آگ کا وجود نہ ہو۔ فرض کرو۔ کہ موسم سرما میں کسی روز جب ہم صبح کو بیدار ہوں۔ اور سردی کا سخت زور ہو۔ اور اس وقت دُنیا میں ہر کہیں آگ بجھی ہوئی ہو۔ یا ہمارے پاس آگ جلانے کا کوئی ذریعہ نہ ہو۔ یا یوں سمجھ لو۔ کہ ہم آگ جلانا ہی بھول گئے ہوں۔ تو اُس وقت ہماری کیا حالت ہوگی؟ ہم سب سردی کے مارے ٹھٹھرنے لگیں گے۔ کیونکہ انگیٹھیوں۔ بھٹیوں۔ اور الاؤں سے ہمیں مطلق حرارت حاصل نہ ہو سکیگی۔ ہمیں بہت جلد

بُھوک محسوس ہونے لگیگی۔ پر ہم کھانا تیار نہ کر سکینگے۔ ہم سب بیکار ہو جائینگے۔ انجن ٹرینوں۔ (ریل گاڑیوں) کو نہ چلا سکینگے۔ پُتلی گھروں کے کام بند ہو جائیں گے۔ بیوپار اور تجارت رُک جائیگی۔ رات کے وقت ہم تاریکی میں راستہ ٹٹولتے پھریں گے۔ کیونکہ آگ کے بغیر نہ تو ہم لیمپ سے کام لے سکینگے۔ اور نہ گیس اور بجلی سے۔ اِس حالت میں یہ معلوم کر لینا کچھ بھی مشکل نہیں ہے کہ آگ کی عدم موجودگی میں روشنی اور حرارت دونو چیزوں کے حاصل نہ ہونے سے انسان کی زندگی سخت افسوسناک اور مصیبت سے بھری ہُوئی ثابت ہونے لگے۔

دُنیا میں کوئی وقت نہیں گزُرا۔ جب کہ آگ موجود نہ رہی ہو۔ ہاں ایک ایسا وقت ضرور گزرا ہے۔ جب کہ انسان آگ جلانے کا طریقہ نہیں جانتا تھا۔ جب اُسے آگ جلانے کا طریقہ معلوم ہو گیا۔ تو مُدّتِ مدید کے بعد وہ اُسے بہت سہل سمجھنے لگا۔ آج کل ہم بِلا دقّت آگ جلا سکتے ہیں۔ کیونکہ ہمیں بآسانی "دیا سلائی" دستیاب ہو سکتی ہے۔ لیکن ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے۔ کہ "دیا سلائی" دُنیا کی سب سے زیادہ عجیب چیزوں میں شمار کی جاتی ہے۔ اور انسان کو اِس کے بنانے کا طریقہ سیکھنے میں ہزارہا

سال گزارنے پڑے ہیں۔ ہر شخص جانتا ہے۔ کہ "دیا سلائی" کیا چیز ہے۔ مگر بہت کم لوگ اس کی تاریخ سے واقف ہوں گے۔ آؤ، ہم اِس کے تاریخی پہلو پر غور کریں۔

سب سے پہلے انسان کو آگ براہِ راست قدرت سے مہیا ہوئی تھی۔ جب کسی پاس کے آتش فشاں پہاڑ سے نکلی ہوئی چنگاریوں کے ذریعہ سے جنگل میں آگ لگ جائے۔ یا بجلی گرنے سے کسی درخت میں سے شعلے نکلنے لگیں۔ تو ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ یہ قدرت کی جلائی ہوئی "دیا سلائی" ہے۔ دُنیا کی ابتدائی تاریخ میں ہر قسم کی آگ قدرت ہی کو جلانی پڑتی تھی۔ کیونکہ انسان اپنی کوشش سے ایک چنگاری بھی پیدا نہیں کر سکتا تھا۔ پس ثابت ہُوا۔ کہ آگ حاصل کرنے کا ابتدائی طریقہ انسان کے لئے یہ تھا۔ کہ وہ کسی شعلے میں جو قدرت نے کسی آتش فشاں پہاڑ یا بجلی کے ذریعے سے جلایا ہو۔ لکڑیاں سُلگا لاتا تھا۔ اس طرح پر سُلگائی ہوئی لکڑیاں گھر لے جا کر اُن کی مدد سے آگ جلائی جاتی تھی۔ اِس طرح پر جو آگ حاصل کی جاتی تھی۔ اُسے بڑی احتیاط سے محفوظ رکھا جاتا تھا۔ اور حتی الامکان کوشش کی جاتی تھی۔ کہ وہ بُجھنے نہ پائے۔ لیکن ظاہر ہے۔ کہ

خواہ آگ کی کتنی ہی حفاظت کی جائے۔ وہ کبھی نہ کبھی ضرور بجھ جاتی ہوگی۔ آندھی چلنے یا پانی برسنے سے اُس کا بجھ جانا بالکل قرینِ قیاس ہے۔ ایسی حالتوں میں دوبارہ لکڑیاں سُلگا کر لانی پڑتی تھیں۔ اور اِس مطلب کے لئے بسا اوقات طویل سفر طے کرنے اور سخت مصائب جھیلنے پڑتے تھے ؛

رفتہ رفتہ دنیا کے کسی حصہ میں کسی شخص کو ایک ایسا طریقہ معلوم ہُوا۔ جس کے ذریعے سے وہ خارجی طور پر آگ حاصل کئے بغیر آگ جلا سکتا تھا۔ اِس کا مطلب صاف الفاظ میں یہ ہو سکتا ہے۔ کہ اُس نے مصنوعی طور پر آگ جلانے کا طریقہ معلوم کر لیا۔ وہ پہلے ہی سے یہ بات جانتا تھا۔ کہ اگر ہاتھوں کو زور زور سے ملا جائے تو وہ گرم ہو جاتے ہیں۔ اِس کے بعد اُس نے تجربہ سے یہ بات معلوم کی۔ کہ اگر خشک لکڑی کے دو ٹکڑوں کو آپس میں رگڑا جائے۔ تو انہیں بھی بہت گرم کیا جا سکتا ہے۔ اس تجربہ سے اُس کے دِل میں یہ سوال پیدا ہوا۔ کہ کیا یہ ممکن ہے۔ کہ اگر لکڑی کے دو ٹکڑوں کو آپس میں زور سے رگڑا جائے۔ تو آگ پیدا ہو جائے؟ پس اُس نے بالکل خشک لکڑی کا ایک ٹکڑا زمین پر رکھ کر اُس کی

سطح کو دُوسری چھڑی کے نوکدار سرے سے یہاں تک رگڑا۔ کہ اُس میں ایک نالی بن گئی۔ رگڑ نے کے عمل کے دوران میں اُس نالی کے اندر ایک قسم کا لکڑی کا بُرادہ جمع ہو گیا۔ اِس پر بھی وہ تیزی اور سختی کے ساتھ لکڑیوں کو رگڑتا گیا۔ حتیٰ کہ وہ بُرادہ جو نالی میں جمع ہو گیا تھا۔ دہکنے لگا۔ اِس دہکتے ہوئے بُرادہ پر اُس نے تھوڑی سی خشک گھاس رکھی۔ اور اس کے بعد یہاں تک پھونکیں مارتا رہا۔ کہ اُس میں شعلہ پیدا ہو گیا[1]۔ یہ پہلا موقعہ تھا۔ کہ انسان نے اپنے لئے خود آگ جلائی ؛

شاید ہم کہہ سکتے کہ یہ "دیا سلائی" کی ابتدا تھی ہاں اُسی "دیا سلائی" کی ابتدا جو تاریخ عالم میں سب سے بہترین ایجاد کہلائے جانے کا مستحق ہے۔ سہولت کی غرض سے آگ جلانے کے اس طریقہ کا نام "ہم چھڑی کے ذریعے سے لکڑی میں نالی تیار کرنا" رکھ لیتے ہیں۔ واقعی یہ طریق آگ کو محفوظ رکھنے اور

---

[1] مسٹر والٹر ہوبھی اس امر کی تصدیق کرتے ہیں۔ کہ محض دو لکڑیوں کو رگڑنے سے آگ پیدا نہیں ہوتی۔ بلکہ اس عمل سے صرف اسی قدر ہو سکتا ہے۔ کہ وہ دہکنے لگیں ؛

اِس کے لئے جا بجا پھرنے کے طریقے سے زیادہ اچھا تھا۔ لیکن اس پر بھی وہ ایک بہت بھدّا اور غیر موزوں طریقہ تھا۔ اس مطلب کے لئے بالکل خشک لکڑی درکار ہوتی تھی۔ اور رگڑنے کا عمل صبر کے ساتھ بہت دیر تک جاری رکھنا پڑتا تھا۔ بعض اوقات ایک چنگاری پیدا کرنے میں کئی گھنٹے صرف ہو جاتے تھے۔ ایک عرصۂ دراز کے بعد کسی شخص نے یہ بات دریافت کی۔ کہ لکڑی کو اُوپر نیچے لے جا کر رگڑنے سے یہ طریقہ بہتر ہے۔ کہ اُسے ایک ہی جگہ رکھ کر گھمایا جائے۔ اِس طرح گھمانے سے نیچے کی لکڑی میں ایک سوراخ پیدا ہو جاتا تھا۔ اور رگڑ کے ذریعہ سے جو حرارت پیدا ہوتی تھی۔ اس سوراخ ہی کے اندر مرکوز رہا کرتی تھی۔ ابتداءً چھڑی کو گھمانے کا عمل ہاتھ کی ہتھیلیوں سے کیا جاتا تھا۔ لیکن اس سے ہاتھوں کو تکلیف محسوس ہوتی تھی۔ جُوں جُوں زمانہ ترقی کرتا گیا۔ آگ جلانے والوں نے ہتھیلیوں کی بجائے چھڑی کو ایک رسی یا تسمہ کے ذریعہ سے گھمانا شروع کیا۔ جس چھڑی سے برمے کا کام لیا جاتا تھا۔ اُس کا بالائی سرا دانتوں میں دبایا جاتا تھا۔ اگر تم اس طرح آگ جلانے کا تجربہ کر کے دیکھو۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ برمے کی حرکت سے جبڑوں کو سخت تکلیف محسوس ہوتی

ہے۔ ان دونوں مذکورہ بالا طریقوں میں آگ رگڑ کے ذریعہ سے پیدا کی جاتی تھی۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ابتدائی زمانہ کے تمام لوگ اسی رگڑ کے طریقہ سے کام لیتے تھے۔ اور اب بھی دُنیا کے مختلف حصّوں میں وحشی قومیں اسی سے کام لیتی ہیں +

آگ جلانے کے سلسلے میں دوسرا قدم اُس وقت اُٹھایا گیا۔ جب یہ بات دریافت ہوئی۔ کہ پتھّر لوہے اور خام دھات کو ایک دُوسرے سے ٹکرانے سے آگ کا شرارہ پیدا ہو سکتا ہے۔ اس کا اصول یہ تھا۔ کہ چقماق (آتشیں پتھّر) کا ایک ٹکڑا خام لوہے کے ایک ٹکڑے سے ٹکرایا جاتا تھا۔ اور اِس عمل سے متعدّد شرارے نکلتے تھے۔ اگر ان شراروں کو خشک کاہی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں یا کوئلہ کے سفوف میں گرنے دیا جائے۔ تو فوراً آگ پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن مخفی نہ رہے۔ کہ اِس طرح پر جو آگ پیدا ہوتی ہے۔ اُس میں سے بھی شعلے نہیں نکلتے بلکہ وہ صرف دہکنے لگتی ہے۔ اب اگر اس دہکتی آگ پر خشک لکڑی رکھ کر پنکھے سے ہوا کریں۔ یا پھونکیں ماریں۔ تو شعلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر لکڑی کے ٹکڑے کو دہکتی آگ میں ڈالنے سے بیشتر گندھک میں ڈبو لیا جائے۔ تو فوراً شعلہ پیدا ہو سکتا

ہے۔ یہ آگ جلانے کا وہ طریقہ تھا۔ جو رگڑ سے آگ پیدا کرنے کے طریقہ کے بعد مروج ہوا۔ اور فی الحقیقت یہ ایک اصلاح یافتہ طریقہ تھا۔ کیونکہ اس میں آگ جلانے کے لئے نہ صرف کم محنت کرنی پڑتی تھی بلکہ وقت بھی بہت کم صرف ہوتا تھا۔ اس طرح پر آگ جلانے کے لئے جو سامان درکار ہوتا تھا۔ اُس کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔ (۱) ایک قسم کی ڈبیا (ٹنڈر بکس) جس میں کاہی کے کٹے ہوئے ٹکڑے۔ اور کوئلہ کا سفوف وغیرہ موجود ہو (۲) ایک ٹکڑا فولاد۔ (۳) ایک ٹکڑا چقماق (۴) گندھک لگی ہوئی رتیلیاں چقماق اور فولاد کو آپس میں ٹکرایا جاتا تھا۔ اور اس طرح جو شرارے پیدا ہوتے تھے۔ وہ اُس ڈبیا میں گرائے جاتے تھے۔ جس میں کاہی کے ٹکڑے۔ اور کوئلہ کا سفوف ہوتا تھا۔ شرارے ڈبیا میں گرتے ہی دہکنے لگتے تھے۔ اُس کے بعد فوراً گندھک لگی ہوئی رتیلی اس دہکتی آگ میں ڈال دی جاتی تھی جو فوراً روشن ہو جاتی تھی۔ اس کے جلتے ہی اِس موم بتی کو جلا لیا جاتا تھا۔ جو ٹنڈر بکس پر لگی رہتی تھی۔ بتی میں آگ لگتے ہی ٹنڈر بکس کو بند کر دیا جاتا تھا۔ تاکہ دہکتا ہوا مصالحہ بجھ جائے۔ اور پھر دوسرے وقت کام میں لایا جا سکے۔ آگ جلانے کا یہ طریقہ

اب سے ہزارہا برس قبل دریافت ہؤا تھا۔ اور دُنیا کی قریب قریب تمام مہذّب اقوام[۱] اسے اپنے اپنے وقت میں استعمال کر چکی ہیں۔ اس طریقہ کو چھوڑے ہوئے بھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔ اب بھی بہت لوگ ایسے ہونگے۔ جنہیں وہ وقت یاد ہوگا۔ جب کہ فولاد۔ چقماق اور ٹنڈر بکس کا استعمال ہر گھر میں ہؤا کرتا تھا؛

اب سے کوئی ۳۰۰ سال قبل آگ جلانے کا ایک اور طریقہ دریافت ہؤا۔ اگر گندھک کے تیزاب کی تھوڑی سی مقدار کلوریٹ آف پوٹاش اور کھانڈ کے مرکّب پر ڈالی جائے۔ تو چمکدار شعلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ آگ جلانے کا ایک نیا طریقہ دریافت کرنے کے لئے یہ ایک اشارہ تھا۔ چنانچہ آخر کار سترھویں صدی میں وانہا کے ایک سمجھدار شخص نے اس سے فائدہ اُٹھایا۔ ٹنڈر بکس کے ہمراہ جو گندھک لگی ہوئی تیلیاں استعمال کی جاتی تھیں اُس نے اُن میں سے ایک تیلی لے کر اُسے

---

[۱] قدیم اہلِ یونان آتشی شیشہ کے ذریعے سے آگ جلایا کرتے تھے آفتاب کی شعاعیں شیشہ کے اندر سے گزر کر کسی چیز پر مرکوز ہوتی تھیں۔ جس میں بآسانی آگ لگ جاتی تھی۔ لیکن آتشی شیشہ کا "دیا سلائی" کے ارتقا سے کسی قسم کا تعلق نہیں ہے؛

گندھک کے تیزاب میں ڈبویا۔ اور اُس کے بعد اُسے
کلوریٹ آف پوٹاش اور کھانڈ کے مرکب میں ڈالا
اِس کے بعد کیا ہُوا؟ تیلی میں فوراً آگ لگ گئی
اور شُعلہ پیدا ہو گیا۔ یہ طریقہ آگ پیدا کرنے کے
پہلے دوتو طریقوں سے مختلف تھا۔ ضرورت صرف اس
بات کی ہوتی تھی۔ کہ چند کیمیائی اجزا کو ایک دوسرے
سے ملا دیا جائے۔ پھر ان میں خُود بخود آگ لگ جاتی
تھی۔ مطلب یہ کہ کیمیائی طریق پر آگ پیدا ہوجاتی تھی
واُثنا کے اِس شخص کی دریافت کی بدولت لوگوں کی
توجہ نئی قسم کی دیا سلائی (یعنی کیمیائی دیا سلائی) کی
طرف رجوع ہوئی۔ اب آگ جلانے کے لئے جن اشیا
کی ضرورت ہوتی تھی۔ وہ حسب ذیل تھیں:۔
ایک بوتل گندھک کے تیزاب کی۔ ایک بنڈل تیلیوں
کا جن کے سروں پر گندھک اور کلوریٹ آف پوٹاش
اور کھانڈ کا مرکب لگا ہُوا ہو۔ اس قسم کی دیا سلائیوں
پر بہت زیادہ لاگت آتی تھی۔ یعنی قریبًا پندرہ روپیہ
میں سَو دیا سلائیاں تیار ہوتی تھیں۔ اِس کے علاوہ
وہ یُوں بھی غیر طمانیت بخش تھیں۔ بسا اوقات جب
تیلی کو تیزاب میں ڈالا جاتا تھا۔ تو اُس میں آگ
نہ لگتی تھی۔ اور وہ دہک کر تیزاب کو اِدھر
اُدھر اُڑانے لگتی تھی۔ اِس سے کپڑے بھی

خراب ہوتے تھے۔ اور تیزاب بھی۔ نتیجہ یہ ہؤا۔ کہ اٹھارہویں صدی میں اس قسم کی دیا سلائیوں کو صرف وُہی لوگ استعمال کیا کرتے تھے۔ جن کو یہ پسند تھیں۔ یا جو انہیں خریدنے کی توفیق رکھتے تھے عام طور پر ٹنڈر بکس کے ذریعہ سے آگ جلانے کا طریقہ رائج رہا۔

آخر کار اُنیسویں صدی یا یوں کہنا چاہیئے۔ کہ اُس صدی میں جس کے اندر بہت سی عجیب و غریب دریافتیں عمل میں آئیں۔ دیا سلائی کے ارتقا میں چوتھا قدم اُٹھایا گیا۔ ۱۸۲۷ء کا ذکر ہے۔ کہ انگلستان کے ایک چھوٹے سے قصبہ میں جان واکر نامی ایک دوا فروش نے تیلیوں کے سِروں پر گندھک۔ کلوریٹ آف پوٹاش اور سلفائیڈ آف انٹی منی کا مرکب لگا کر اُنہیں ریگ مال پر رگڑا۔ تیلیاں فوراً جلنے لگیں۔ یہ رگڑنے والی کیمیائی دیا سلائی وہ تھی۔ جس کا استعمال کم و بیش اصلاح کے ساتھ ہم آج تک کرتے ہیں۔ اسے رگڑنے والی کیمیائی دیا سلائی اِس وجہ سے کہا جاتا ہے۔ کہ اسے چند کیمیائی ادویہ کے ترکیب سے تیار کیا جاتا ہے۔ ہر چند کہ جان واکر کی دیا سلائی کے لئے ایسڈ کی بوتل درکار نہ ہوتی تھی۔ تاہم وہ اچھی قسم کی دیا سلائیاں نہ تھیں۔

اُنہیں صرف اُسی صُورت میں جلایا جا سکتا تھا۔ کہ خُوب زور سے رگڑا جائے۔ اس کا شعلہ پھڑپھڑانے لگتا تھا اور ہر طرف آگ گرتی تھی۔ اس کے چند سال بعد اینٹی منی کی بجائے ریتلیوں پر فاسفورس لگایا جانے لگا۔ اس سے دیا سلائی کی صنعت میں انقلابِ عظیم واقع ہؤا۔ اب دیا سلائی معمولی رگڑ سے روشن کی جا سکتی تھی۔ اب اس میں وہ پھڑپھڑاہٹ بھی باقی نہ رہی تھی۔ یہی وہ فاسفورس کی دیا سلائی تھی۔ جس سے ہم سب اچھی طرح آشنا ہیں۔ جب اس طرح پر آسانی سے جلنے والی فاسفورس کی دیا سلائیاں ایجاد ہو گئیں۔ تو پھر تیزاب میں ریتلی ڈبو کر یا ٹنڈر بکس کے ذریعہ سے آگ جلانے کی ضرورت باقی نہ رہی۔ رفتہ رفتہ آگ جلانے کے پُرانے طریقوں کو لوگ فراموش کرتے گئے۔ اس وقت اس قسم کی دیا سلائیاں بارہ آنے فی پیکٹ کے حساب سے فروخت ہوتی تھیں۔ ایک پیکٹ میں ۱۴۴ دیا سلائیاں ہؤا کرتی تھیں۔ بہت کم لوگ ان کے استعمال کی توفیق رکھتے تھے۔ مگر اب ایک پیسہ میں عُمدہ قسم کی سو دیا سلائیاں خریدی جا سکتی ہیں۔ اب ان کا رواج اس قدر عام ہو گیا ہے۔ کہ صرف صوبجات متحدہ امریکہ میں تخمیناً ۱۵۰۰۰۰۰۰۰۰ دیا سلائیاں ہر سال استعمال ہوتی

ہیں - یعنی فی کس ۵ دیا سلائی روزانہ +

فاسفورس کی دیا سلائی میں ایک نقص ضرور ہے اور وہ یہ کہ اِس میں آگ فوراً لگ جاتی ہے۔ اگر فرش پر کہیں ایک دیا سلائی پڑی رہ جائے۔ تو ممکن ہے۔ کہ اس پر کسی شخص کا قدم پڑھنے یا کوئی چیز گرنے سے اس میں آگ لگ جائے۔ ممکن ہے۔ کہ بینجری میں ہمارا پاؤں فاسفورس کی دیا سلائی پر پڑ جائے۔ اور وہ جلنے لگے۔ اور ہم اُسے جلتا ہوا چھوڑ کر چلے آئیں۔ اور گھر میں آگ لگ جائے۔ بسا اوقات ایسا ہوا ہے۔ کہ چوہوں نے فاسفورس کی دیا سلائی کو کُترا ہے۔ اور وہ جلنے لگیں۔ اور اِس طرح مکان میں آگ لگ گئی۔ ایک شہر کا ذکر کرتے ہیں۔ جس میں تیس تباہی خیز آتشزدگیاں صرف چوہوں کے دیا سلائی کُترنے سے واقع ہوئی تھیں +

ان دیا سلائیوں کے حوادث سے محفوظ رہنے کے لئے کچھ مدت سے "سیفٹی دیا سلائیاں" ایجاد ہوئی ہیں۔ ان دیا سلائیوں میں فاسفورس نہیں ہوتا۔ بلکہ اسے ایک قسم کی باریک ریت میں ملا کر اس ڈبیا کے پہلوؤں پر لگا دیا جاتا ہے۔ جس میں دیا سلائیاں رکھی جاتی ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ جب تک ان دیا سلائیوں کو ان کے خاص بکس پر نہ رگڑا جائے

وہ نہیں جلتیں۔ یہ دیا سلائیاں فاسفورس کی معمولی دیا سلائیوں سے اِس قدر بہتر ہیں۔ کہ دن بدن فاسفورس کی دیا سلائیوں کی مانگ کم ہوتی جا رہی ہے۔ اور بعض ممالک میں اس قسم کے قوانین نافذ ہو چکے ہیں۔ کہ سیفٹی دیا سلائی کے علاوہ کسی اَور قسم کی دیا سلائی فروخت نہ کی جائے +

آگ جلانے کی طویل تاریخ میں سیفٹی دیا سلائی کا ایجاد آخری قدم ہے۔ ابتداءً آگ رگڑ سے پیدا کی جاتی تھی۔ اور اب ہمارے زمانہ میں بھی رگڑ ہی سے پیدا کی جاتی ہے۔ مگر ذرا غور کیجئے۔ کہ دونو طریقوں میں کس قدر فرق ہے۔ برمے کے ذریعے آگ پیدا کرنے یا چھڑی کو لکڑی پر رگڑ کر آگ جلانے کے لئے فرصت اور مہارت درکار ہوتی ہے۔ لیکن سیفٹی دیا سلائی کے ذریعہ سے ایک بچہ بھی ایک لمحہ میں آگ جلا سکتا ہے۔ لیکن ذرا اس بات پر غور کیجئے۔ کہ اِس قسم کی عمدہ دیا سلائی تیار کرنے میں کتنا زمانہ صرف ہوا ہے۔ اس سادہ اور چھوٹی سی سیفٹی دیا سلائی کے ایجاد سے پیشتر دخانی اِنجن۔ تار۔ ٹیلیفون اور برقی روشنی وغیرہ چیزیں مستعمل ہو چکی تھیں +

سوالات

۱۔ الفاظِ ذیل کے معانی بتاؤ:۔
الاؤ۔ مٹی گھروں۔ آتش فشاں پہاڑ۔ چقماق۔

۲۔ چقماق۔ گندھک کی دیا سلائی۔ اور سیفٹی (محفوظ) دیا سلائی میں کیا فرق ہے؟ ان میں ہر ایک کے متعلق وہی معلومات بیان کرو۔ جو ان کے متعلق اس مضمون میں پڑھی ہیں۔

۳۔ پتھر سے چنگاری پیدا کرنے کے زمانے سے موجودہ نازک اور محفوظ دیا سلائی کے زمانے تک انسان نے آگ جلانے کے علم میں جو ترقیاں کیں۔ اُن کو درجہ وار بتاؤ۔

۴۔ استفہام کے اقسام بیان کرو۔ اور بتاؤ۔ اس سبق میں ہر ایک کی کون کون سی مثال ہے؟

۵۔ مندرجہ ذیل میں سے مذکر و مؤنث جدا کرو:۔
حرارت۔ استعمال۔ تجارت۔ تاریخ۔ قیاس۔ سطح۔ ابتدا۔ سفوف فولاد۔

۱۱- ستارہ

قمر کا خوف کہ ہے خطرۂ سحر تجھ کو
مآلِ حُسن کی کیا مل گئی خبر تجھ کو
زمیں سے دُور دیا آسماں نے گھر تجھ کو
مثالِ ماہ اُڑھائی قبائے زر تجھ کو

غضب ہے پھر تری ننھی سی جان ڈرتی ہے
تمام رات تری کانپتے گذرتی ہے

چمکنے والے مسافر! عجب یہ بستی ہے
جو اَوج ایک کا ہے دوسرے کی پستی ہے
اجل[1] ہے لاکھوں ستاروں کی اک ولادتِ مہر
فنا[2] کی نیند مئے زندگی کی مستی ہے

سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں
ثبات ایک تغیّر کو ہے زمانے میں

ڈاکٹر سر محمد اقبال ایم۔اے بیرسٹرایٹ لا

[1] سورج کے نکلتے ہی ستارے نظر سے غائب ہو جاتے ہیں۔ گویا سورج کی پیدائش ستاروں کی موت ہے۔

[2] دن کے بعد رات اور زندگی کے بعد فنا ایک قدرتی ذریعۂ آرام ہے۔

سوالات

۱۔ ستارے کو چاند اور صبح کے طلوع کا خوف کیوں ہے؟

۲۔ اس حقیقت کو جو اس مصرعے میں بیان کی گئی ہے۔ دوسری مثالوں سے واضح کرو:۔

"سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں"

۳۔ اس شعر کا مطلب عام فہم عبارت میں لکھو:۔

اجل ہے لاکھوں ستاروں کی اِک وِلادتِ مہر
فنا کی نیند مئے زندگی کی مستی ہے

۴۔ ترکیب نحوی کرو۔ ع

چمکنے والے مسافر! عجب یہ بستی ہے

۵۔ جملہ ندائیہ کی تعریف کرو۔ اور اُس کے اجزا کے نام بتاؤ۔

۱۲۔ ایمان کا فیصلہ

(۱)

کانپور کے ضلع میں پنڈت بھرگودت مصر ایک بڑے زمیندار تھے۔ منشی ست نرائن لعل اِن کے مختارِ عام تھے۔ ساری ریاست کا سیاہ و سفید ان کے ہاتھ میں تھا۔ بڑے آقا پرست متدیّن آدمی تھے۔ لاکھوں روپیہ کا تحصیل وصول اور ہزاروں من غلّہ کا لین دین انجام

دیتے تھے۔ اور سارا انتظام اِس خوبصورتی سے کرتے کہ ریاست روز بروز بڑھتی جاتی تھی۔ ایسے وفا کیش ملازم کی جتنی عزّت ہونی چاہئیے تھی وہ ہوتی تھی۔ شادی و غم کی ہر ایک تقریب میں پنڈت جی ان کے ساتھ بڑی سیر چشمی سے پیش آتے تھے۔ رفتہ رفتہ اُن پر اتنا اعتبار ہو گیا۔ کہ کاغذات کا سمجھنا بھی ترک کر دیا۔ خانگی مصارف کا حساب تک مُنشی جی کے ذِمّے کر دیا گیا۔ اسی اثنا میں پنڈت جی مرگِ بے ہنگام کے شکار ہوئے۔ گنگا نہانے گئے تھے۔ معلوم نہیں۔ کسی گڑھے میں پھسل پڑے یا کوئی جانور کھینچ لے گیا۔ اُن کا پھر پتہ نہ چلا۔

اب مُنشی ست نرائن لال کے اختیارات اور وسیع ہوئے۔ بجز ایک بیوہ عورت اور دو تین چھوٹے چھوٹے بچّوں کے خاندان میں اور کوئی نہ تھا۔ مراسم وفات سے فُرصت پانے کے بعد ایک روز بدنصیب بھان کنور نے اُنہیں بُلایا۔ اور رو کر بولی۔ لالہ! سوامی جی تو ہمیں منجدھار چھوڑ کر چلے گئے۔ اب ڈونگا تمہیں پار لگاؤ تو لگ سکتا ہے۔ یہ سب کھیتی تمہاری لگائی ہوئی ہے اُسے تمہارے اُوپر چھوڑتی ہوں۔ یہ تمہارے بچّے ہیں۔ اُن کا مُنہ دیکھو۔ جب تک تمہارے مالک جئے۔ تمہیں اپنے بھائی سمجھتے رہے۔ مجھے بشواس ہے۔ کہ تم

اُسی طرح اِس بوجھ کو سنبھالے رہوگے"۔

ست نارائن لال نے روتے ہوئے جواب دیا "بھابھی! بھیا کیا اُٹھ گئے۔ میری تقدیر پھُوٹ گئی۔ نہیں تو مجھے آدمی بنا دیتے۔ میں اُنہیں کا جلایا جیا ہوں۔ اور اُنہیں کی چاکری میں مرونگا۔ آپ اطمینان رکھیں۔ کسی طرح کا اندیشہ نہ کریں۔ میں مرتے دم تک آپ کا حقِ نمک ادا کرونگا۔ آپ صرف اتنا کیجئے گا۔ کہ میں جس کارندہ یا ملازم کی آپ سے شکایت کروں۔ اُس کو تنبیہ ضرور کر دیجیئگا۔ ورنہ یہ لوگ شیر ہو جائیں گے"۔

(۲)

اس حادثہ کے بعد کئی سال تک منشی ست نرائن لال نے اس ریاست کو سنبھالا۔ کبھی کسی معاملہ میں ایک کوڑی کا بل نہیں پڑا۔ سارے ضلع میں انہیں کا رسوخ تھا۔ لوگ پنڈت جی مرحوم کو بھول سے گئے درباروں میں۔ کمیٹیوں میں انہیں کو دعوت ملتی۔ حکامِ ضلع ان سے اس طرح پیش آتے۔ گویا وہ زمیندار ہیں ضلع کے دیگر رؤسا ان کا ادب اور لحاظ کرتے اور روز افزوں وقار اور رُسوم کے ساتھ مصارف بھی بڑھتے جاتے تھے۔ اور بھان کنور دُوسری عورتوں کی طرح جز رس تھی۔ انسانی طبائع کی پیچیدگیوں سے واقف نہ تھی پنڈت جی مرحوم ہمیشہ انہیں انعام و اکرام عطا کرتے

رہتے تھے۔ اور عنایات کا یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا تھا۔ وہ جانتے تھے۔ کہ رُوحانی طاقت کے بعد ایمان کا دوسرا ستون فارغ البالی ہے۔ اِس کے سوا وہ خود کبھی کبھی کاغذات کی جانچ کر لیا کرتے تھے۔ برائے نام ہی سہی۔ مگر اس سے نگرانی کا خوف بنا رہتا تھا۔ کیونکہ طبعی خیانت کے بعد ایمان کا سب سے بڑا دشمن موقع ہے۔ بھان کنور یہ چٹکلے نہ جانتی تھی موقع اور احتیاج جیسے مہلک دشمنوں میں پڑ کر منشی کی دیانت کیونکر جانبر ہو سکتی تھی ؏

کانپور شہر سے متصل ایک بہت آباد اور زرخیز موقع تھا عین گنگا کے کنارے۔ پنڈت جی اِس گاؤں کی حسرت لئے ہوئے دُنیا سے کوچ کر گئے۔ پختہ گھاٹ اور مندر اور باغ اور بنگلہ کی آرزو اُن کے دِل ہی میں رہی۔ اتفاق سے اب یہ موضع بیع ہوا۔ اس کے زمیندار ایک ٹھاکر صاحب تھے۔ کسی فوجداری کے معاملہ میں ماخُوذ ہو گئے تھے۔ مقدمہ کی پیروی کے لئے زرِ نقد کی اشد ضرورت تھی۔ منشی جی اپنے منصبی فرائض کے سلسلہ میں کچہری گئے ہوئے تھے۔ ٹھاکر صاحب نے اِس کا ذکر کیا۔ منشی جی کو مُنہ مانگی مُراد ملی۔ اُسی وقت مول جول ہوا۔ بیعنامہ لکھا گیا۔ رجسٹری ہوئی۔ داخل خارج کی درخواست پیش ہو گئی۔ گو روپے موجود نہ

تھے۔ مگر شہر میں ساکھ تھی۔ ایک مہاجن سے رقعہ لِکھ کر بیس ہزار روپے سکورے۔ اور ٹھاکر صاحب کے نذر کئے۔ ہاں سہولت کے خیال سے یہ سب معاملہ اپنے ہی نام سے طے کیا۔ کیونکہ نابالغوں کے نام سے بیع کرانے میں قانونی پیچیدگیاں پیدا ہوتیں۔ اور تاخیر سے شکار ہاتھ سے نِکل جاتا ؛

منشی جی اُس دن خوش خوش بیعنامہ لئے ہوئے بھان کنور کے پاس آئے۔ پردہ کرایا۔ اور جا کر یہ مژدۂ جانفزا سُنایا۔ بھان کنور نے آنسوؤں سے شکریہ ادا کیا۔ پنڈت جی کے نام پر پختہ گھاٹ۔ مندر اور بنگلہ بنوانے کی یاد تازہ ہو گئی۔ منشی ست نرائن لال دوسرے دن اس موضع میں گئے۔ اسامی حاضر ہوئے۔ نذریں گذاریں۔ ایک پُر تکلّف دعوت دی گئی۔ حکام۔ اَور رؤسائے شہر مدعو ہوئے اور کشتیوں کی خوب سیر رہی ؛

(۳)

حالانکہ اس موضع کو اپنے نام سے خریدتے وقت منشی کے دل میں دغا کا ذرا بھی خیال نہ تھا۔ لیکن دو ہی چار دنوں میں اس کے انکھوے نکل آئے۔ اس موضع کے آمد و خرچ کا حساب وہ علیحدہ لِکھا کرتے اور اُسے اپنی مالکن کو سمجھانے کی مطلق ضرورت نہ سمجھتے۔

بھان کنور یوں بھی اِن معاملات میں زیادہ دخل دینا مصلحت کے خلاف سمجھتی تھی۔ اِس معاملہ میں بالخصوص اُسے منشی جی کے جذبات کا بہت زیادہ لحاظ تھا۔ کہ کہیں اُنہیں یہ اندیشہ نہ ہو۔ کہ میں اُن سے بدگمان ہوں +

اس طرح کئی سال گزر گئے۔ اور اب رفتہ رفتہ دونو فریق کے دِلوں میں چور بیٹھا۔ بھان کنور کو خوف ہُوا۔ کہ کہیں یہ سارے کا سارا موضع ہضم کرنے کی فکر میں تو نہیں ہیں۔ ادھر قانونی طاقت منشی جی کے اخلاقی احساس پر غالب آئی۔ اُنہوں نے اپنے دل میں فیصلہ کیا۔ کہ موضع میرا ہے۔ زیادہ سے زیادہ میں بیس ہزار کا مقروض ہوں۔ کوئی بہت کریگا۔ اپنے روپے لے لیگا۔ اِس کے سوا کوئی کیا کر سکتا ہے۔

اگر یہ آگ اندر ہی اندر سُلگتی رہی۔ منشی جی پیشقدمی کے انتظار میں مسلح بیٹھے تھے۔ اور بھان کنور موقع کی منتظر تھی۔ ہاں تیر و تفنگ سے محترز رہنا چاہتی تھی۔

ایک روز اُس نے منشی جی کو اندر بُلا کر کہا۔ "لالہ جی! برگدا میں مندر کا کام کب سے شروع ہوگا۔ اُسے لئے ہوئے آٹھ سال ہو گئے۔ اب کام لگ جائے۔ تو اچھا ہو۔ زندگی کا کیا اعتبار۔ جو کام کرنا ہے۔ اُسے کر ہی ڈالنا چاہئے +

حملہ کا آغاز نہایت خوش اسلوبی سے ہوا۔ منشی جی بھی دل میں اُس کے قائل ہو گئے۔ ذرا سوچ کر بولے "ارادہ تو میرا کئی بار ہوا۔ مگر موقع کی زمین نہیں ملتی۔ گنگا کے کنارے کی ساری زمین اسامیوں کے جوت میں ہے۔ اور وہ کسی طرح چھوڑنے پر راضی نہیں ہوتے"۔

بھان کنور۔ "یہ بات تو مجھے آج معلوم ہوئی۔ آٹھ سال ہوئے۔ اس گاؤں کا آپ نے کبھی بھولے سے بھی تو ذکر نہیں کیا۔ معلوم نہیں۔ کتنی تحصیل ہے کتنا منافع۔ کیسا گاؤں ہے۔ کچھ سیر ہوتی ہے یا نہیں۔ جو کچھ کرتے ہیں۔ آپ ہی کرتے ہیں۔ اور کرینگے۔ لیکن کچھ مجھے بھی تو معلوم ہونا چاہئے"۔

منشی جی سنبھل بیٹھے۔ مبارزانہ پیشقدمی شروع ہو گئی۔ بولے "آپ کو اِس سے کچھ تعلق نہ تھا۔ اِس لئے میں نے خواہ مخواہ آپ کو دق کرنا مناسب نہ سمجھا"۔

بھان کنور کو سکتہ سا ہو گیا۔ پردہ سے باہر ہو گئی۔ اور منشی جی کی طرف دیکھ کر پوچھا "یہ آپ کیا کہتے ہیں۔ آپ نے گاؤں میرے لئے لیا تھا۔ یا اپنے لئے۔ روپیہ میں نے دیا یا آپ نے۔ اس پر جو کچھ خرچ پڑا۔ وہ میرا یا آپ کا۔ مجھے یقین نہیں آتا۔ کہ آپ اس وقت ہوش میں ہیں"۔

ست نرائن لال نے سُن کر جواب دیا۔ یہ تو آپ جانتی ہی ہیں۔ کہ موضع میرے نام سے بیع ہؤا۔ روپیہ ضرور آپ کا لگا۔ مگر اس کا میں دیندار ہوں۔ رہا تحصیل وصول کا خرچ۔ یہ سب میں نے ہمیشہ اپنے جیب سے کیا ہے۔ اس کا حساب کتاب۔ آمد و خرچ ہمیشہ الگ رکھتا گیا ہوں"

بھان کنور نے غصہ سے بل کھا کر کہا۔ اِس دغا کا پھل آپ کو ضرور ملیگا۔ آپ اِس طرح میرے بچّوں کا گلا نہیں کاٹ سکتے۔ مجھے کیا معلوم تھا۔ کہ آپ نے پیٹ میں یہ چھری چھپا رکھی ہے۔ نہیں تو یہ نوبت ہی کیوں آتی۔ خیر اب سے میرا روکڑ اور کاغذات آپ کچھ نہ چھوئیں۔ میرا جو کچھ ہوگا۔ میں آپ سے لے لونگی" یہ کہہ کر بھان کنور پھر پردہ کی آڑ میں آ بیٹھی۔ لالہ صاحب کو کوئی جواب نہ سُوجھا۔ خفیف ہو کر وہاں سے اُٹھ آئے۔ اور دفتر میں جا کر کچھ کاغذات اُلٹ پُلٹ کرنے لگے۔ مگر بھان کنور اُن کے پیچھے پیچھے مردانے میں چلی آئی۔ اور ڈانٹ کر بولی "میرا کوئی کاغذ مت چھونا۔ ورنہ بُرا ہوگا۔ تم زہر بھرے ہوئے سانپ ہو۔ میں تمہارا مُنہ دیکھنا نہیں چاہتی"

لالہ صاحب کاغذوں میں کچھ ترمیم کرنا چاہتے تھے۔ مگر یہ حسرت دِل ہی دِل میں رہ گئی۔ خزانہ کی کُنجی

نکال کر پھینک دی۔ بھی کھاتے پٹک دیئے۔ کواڑ دھڑاکے کے ساتھ بند کیا۔ اور ہوا کی طرح سن سے باہر نکل گئے +

دُوسرے مختاروں کارندوں نے یہ کیفیت سُنی۔ تو پُھولے نہ سمائے۔ منشی ست نرائن کے سامنے اُن کی دال نہ گلنے پاتی تھی۔ آ کر آگ پر تیل چھڑکنے لگے" نمک عجیب چیز ہے۔ پُھوٹ پُھوٹ کر نکلیگا"+

طرفین سے مقدمہ بازی کی تیّاریاں ہونے لگیں۔ ایک طرف قانون کا قالب تھا۔ دُوسری جانب قانون کی رُوح۔ مادّہ کو رُوح سے بیکار کرنے کا حوصلہ ہُوا تھا+

بھان کنور نے مُنشی چھکن لال سے پوچھا" ہمارا وکیل کون ہے؟

چھکن لال نے اِدھر اُدھر جھانک کر کہا" وکیل تو سیٹھ جی تھے۔ مگر ست نرائن لال نے اُنہیں پہلے ہی گانٹھ رکھا ہے۔ اِس مقدمہ کے لئے بہت ہوشیار آدمی درکار ہے۔ نہرا بابو کی آج کل خوب چل رہی ہے حاکموں کی قلم پکڑ لیتے ہیں۔ بولتے ہیں۔ تو جیسے موٹر کار چھوٹ گیا۔ حضور اور کیا کہوں۔ مجرموں کو پھانسی سے اُتار لیا ہے۔ اُن کے سامنے کوئی وکیل تو زبان کھول ہی نہیں سکتا۔ حضور فرمائیں۔ تو اُنہیں کو کر لیا جائے"+

اِس طولانی تمہید کا اثر کچھ نہ ہؤا۔ بھان کنور نے کہا۔ پہلے سیٹھ جی سے پوچھ لیا جائے۔ اس کے بعد دیکھا جائیگا۔ آپ جایئے۔ اور اُنہیں بُلا لایئے۔ چھکّن لال نے زیادہ حِیل و حُجّت نہیں کی۔ سیٹھ جی کے پاس جا کر پیغام دیا۔ سیٹھ جی پنڈت بھرگو دت کے زمانے سے یہاں کے قانونی مشیر تھے۔ مقدمہ کی کیفیت سُنی۔ تو حیرت میں آ گئے۔ ست نرائن لال کو وہ نیک نیّت آدمی سمجھتے تھے۔ اُسی وقت آئے۔ بھان کنور نے خود اُن سے مقدمہ کی روئداد بیان کی۔ اور اُن پر اپنے بچّوں کے بہت حقوق جتانے کے بعد اس معاملے کو فوراً ہاتھ میں لینے کی استدعا کی۔ سیٹھ جی نے باہمی مصالحت کا ذکر کیا۔ بھان کنور پھر پردہ کے باہر نکل آئی۔ اور بولی۔ نہیں کبھی نہیں۔ میں صلح نہ کرونگی۔ آپ کاغذات دیکھیں۔ میرے بچّوں کی خاطر تکلیف اُٹھائیں۔ ست نرائن کی نیّت پہلے خراب نہ تھی۔ تھوڑے دنوں سے اس کی یہ حالت ہوئی ہے۔ دیکھئے جس تاریخ کو گاؤں بیع ہؤا تھا۔ اِس مِتی میں ۳۲ ہزار کا کیا خرچ دکھایا گیا ہے۔ اگر اُس نے اپنے نام قرض لکھا ہو۔ تو دیکھئے سالانہ سُود ادا ہؤا یا نہیں۔ ایسے دغا باز آدمی سے میں صلح نہ کروں گی"

اِس میں کچھ نکتہ ہو یا نہ ہو۔ مگر جو عورت کبھی اِن معاملات کے قریب نہیں گئی۔ اس کی قانونی گرفت واقعی حیرت انگیز تھی۔ یہ اُس دُھن کی برکت تھی۔ جو اِس وقت بھان کنور کے سر پر سوار تھی۔ خلاصہ یہ کہ کاغذات کی جانچ ہوئی۔ ثبوت بہم کئے گئے۔ اور اِستغاثہ کی تیاریاں مکمل ہو گئیں ؛

(۴)

منشی ست نرائن لال صاحب غصّہ میں بھرے ہوئے مکان پر پہنچے۔ لڑکے نے مٹھائی کے لئے ضد کی۔ اُسے پیٹا۔ بیوی پر اس لئے برس پڑے۔ کہ اُس نے کیوں لڑکے کو رُلایا۔ اپنی بُوڑھی ماں کو ڈانٹا۔ تم سے اِتنا بھی نہیں ہو سکتا۔ کہ ذرا لڑکے کو بہلاؤ۔ اب میں گھر پر آؤں۔ تو بیٹھ کر لڑکے کو کھلاؤں۔ مجھے دُنیا میں نہ اور کوئی کام ہے نہ اور کوئی فکر۔ اس طرح گھر میں ایک طوفان برپا کرکے وہ باہر آئے اور سوچنے لگے۔ مجھ سے بڑی غلطی ہوئی۔ میں بھی کیسا احمق ہوں۔ اتنے دنوں تک سارے کاغذ اپنے ہاتھ میں تھے۔ جو چاہتا کر سکتا تھا۔ مگر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہا۔ آج جب سر پر آ پڑی۔ تو سُوجھی۔ میں چاہتا تو نئے بہی کھاتے بنا سکتا تھا۔ جس میں اس گاؤں کے روپئے کے خرچہ کا ذکر ہی نہ ہوتا۔ افسوس! گھر میں

آئی ہوئی لکشمی میری حماقت اور ناعاقبت اندیشی کی بدولت اُٹھی جاتی ہے۔ مگر بھی مجھے کیا معلوم تھا۔ کہ شیطان کی خالہ اِس طرح مجھ سے پیش آئے گی۔ کہ کاغذات کو ہاتھ تک نہ لگانے دیگی ۔

اِسی اُدھیڑ بُن میں پڑے پڑے یکایک منشی جی اُچھل پڑے ایک ترکیب سُوجھ گئی۔ کیوں نہ کار پردازوں کو ملا لوں۔ وہ سب کے سب میری سخت گیریوں کی بدولت مجھ سے ناراض تھے۔ اِس وقت سیدھے مُنہ بات نہ کریں گے۔ پر اِن میں ایسا تو کوئی نہیں ہے جو زر سے بے نیاز ہو۔ ہاں اس میں صرفِ کثیر کی ضرورت ہوگی۔ مگر اتنا روپیہ آئیگا کہاں سے ؟ کاش! ذرا پہلے چیت گیا ہوتا۔ تو یہ سب دقتیں ایک بھی نہ ہوتیں۔ بس ایک ہی ترکیب ہے۔ کہ کسی طرح وہ کاغذات غائب کر دوں۔ خطرناک معاملہ ہے۔ پر کرنا ہی پڑیگا ۔

نفس کے سامنے ایک بار سر جھکانے کے بعد پھر سنبھلنا مشکل ہوتا ہے۔ گناہ کی اتھاہ ندی میں ایک بار پھسل کر ہم دم بدم پیچھے ہی ہوتے جاتے ہیں۔ منشی ست نرائن لال جیسا نیک آدمی اس وقت اس فکر میں تھا۔ کہ کیونکر سیندھ لگاؤں۔ گناہ کی غذا گناہ ہے۔ منشی جی سنے سوچا۔ کیا سیندھ

لگانا آسان ہے؟ اِس میں کتنی ہمت۔ کتنی ہوشیاری کتنی پھُرتی اور صفائی کی ضرورت ہے! کون کہتا ہے کہ چوری آسان کام ہے۔ اور اگر پکڑا گیا۔ تو پھر بجز ڈوب مرنے کے اور کوئی علاج نہیں! مُنشی جی کو کسی طرح یقین نہیں آتا تھا۔ کہ وہ اِس کام کو انجام دے سکتے ہیں۔ ہاں ایک ترکیب اِس سے آسان نظر آئی۔ کیوں نہ دفتر میں آگ لگا دوں۔ ایک بوتل مٹی کے تیل اور ایک دیا سلائی کی ضرورت ہے۔ کسی بدمعاش کو مِلا لوں۔ اُس کی مدد سے سارا کام ہو سکتا ہے۔ مگر یہ کیا معلوم کہ بہی اس کمرہ میں رکھی ہے یا نہیں۔ اُس چڑیل نے ضرور اُسے اپنے پاس رکھا ہوگا۔

(مُنشی جی اِسی اُدھیڑ بُن میں بہت دیر تک کروٹیں بدلتے رہے۔ نئے نئے منصوبے سوچتے۔ مگر پھر اپنی ہی دلیلوں سے اُنہیں مٹا دیتے۔ جیسے برسات میں آسمان پر بادلوں کی نئی نئی صورتیں بنتی اور پھر ہوا کے زور سے بگڑ جاتی ہیں)

لیکن یہ خیال دِل سے کسی طرح دُور نہ ہوتا تھا۔ کہ ان کاغذات کو اپنے ہاتھ میں لانا چاہئے۔ یہ کام کٹھن ہے مانا۔ پر ہمت نہ تھی۔ تو راڑ کیوں مول لی تھی۔ کیا کسی کی بیس ہزار کی جائداد آسانی سے

ہاتھ آ جائیگی۔ خواہ کسی صُورت سے ہو۔ چور بنے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ آخر جو لوگ یہ کام کرتے ہیں۔ وہ بھی تو آدمی ہی ہوتے ہیں۔ بس ایک چھلانگ کا کام ہے۔ اگر پار ہو گئے۔ تو راج کرینگے۔ اور گر پڑے۔ تو جان سے ہاتھ دھوئیں گے ٭

اسی طرح منشی ست نرائن لال نے اپنا دِل مضبوط کیا ٭

(۵)

رات کے دس بج گئے تھے مُنشی ست نرائن لال کُنجیوں کا ایک گُچھا کمر میں دبائے گھر سے باہر نکلے۔ دروازہ پر تھوڑے سے پیال رکھے ہوئے تھے۔ اُسے دیکھتے ہی وہ چونک پڑے۔ مارے خوف کے کلیجہ دھک دھک کرنے لگا۔ معلوم ہُوا۔ کہ کوئی آدمی چُھپا بیٹھا ہے۔ ان کے قدم رُک گئے۔ پیال کی طرف غور سے دیکھا۔ اُس میں مطلق حرکت نہ ہوئی۔ تب ہمّت بندھ گئی۔ آگے بڑھے اور دِل کو سمجھانے لگے۔ میں کیسا احمق ہوں۔ اپنے دروازہ پر کس کا خوف۔ راستہ ہی میں مجھے کس کا خوف ہے۔ میں اپنی راہ جاتا ہوں۔ کوئی میری طرف ترچھی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتا۔ ہاں جب مجھے کوئی عین موقعہ پر پکڑ لے۔ تو البتہ۔ دفعتہً اُنہوں نے بھان کنور کے ایکا

چپراسی کو آتے ہوئے دیکھا۔ کلیجہ سن سے ہو گیا۔ وہ لپک کر ایک اندھیری گلی میں گھس گئے اور وہاں بڑی دیر تک کھڑے رہے۔ جب وہ سپاہی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ تو پھر سڑک پر آئے۔ یہ سپاہی آج صبح تک اُن کے حکم کا غلام تھا۔ اُسے اُنہوں نے بارہا گالیاں دی تھیں۔ لاتیں بھی ماری تھیں۔ مگر آج اس کی صورت دیکھ کر اُن کی رُوح فنا ہو گئی۔

اُنہوں نے پھر دلیل کی پناہ لی۔ میں جیسے کچھ بھنگ کھا گیا ہوں۔ اس چپراسی سے اتنا ڈرا۔ بالفرض وہ مجھے دیکھ ہی لیتا۔ تو میرا کیا کر سکتا تھا۔ ہزاروں آدمی راستہ چل رہے ہیں۔ اُنہیں میں ایک میں بھی ہوں۔ کیا وہ سب کے دلوں کا حال دیکھنے نکلا ہے۔ غالبًا مجھے دیکھ کر وہ ادب سے سلام کرتا۔ اور کچھ دُور تک میرے ساتھ چلتا۔ عجب نہیں کہ آج وہاں کی داستان بیان کرتا۔ اِس طرح دِل کو مضبوط کرکے وہ پھر آگے بڑھے۔ یہ شاید سچ ہے۔ کہ گناہ کے قابو میں آیا ہوُا دل خزاں کا مارا ہوُا پتّا ہے۔ جو ہوا کے ذرا سے جھونکے میں گر پڑتا ہے۔ بازار میں پہنچے۔ زیادہ تر دُکانیں بند ہو چکی تھیں۔ اِن میں سانڈ اور گائیں بیٹھے ہوئے رمز و کنائے کر رہے تھے۔ صِرف حلوائیوں کی دُکانیں کُھلی تھیں۔ اور کہیں کہیں ایک

آدھ گجرے والے ہار کی ہانک لگاتے پھرتے تھے۔ یہ حلوائی سب منشی جی کو پہچانتے تھے۔ مگر منشی جی نے سر نیچا کر لیا۔ کچھ رفتار تبدیل کی۔ اور لپکتے ہوئے چلے۔ دفعتہً اُنہیں ایک بگھی آتی ہوئی دکھائی دی۔ اُنہوں نے اسے پہچان لیا۔ یہ بلبھ داس سیٹھ وکیل کی بگھی تھی۔ اس میں بیٹھ کر وہ ہزاروں بار سیٹھ جی کے ساتھ کچہری گئے تھے۔ پر آج یہ اُنہیں کالے دیو کی طرح خوفناک معلوم ہوئی۔ اُنہوں نے رُخ پھیر لیا۔ اور بھاگ کر ایک خالی دکان پر چڑھ گئے سانڈ نے سمجھا۔ کوئی نیا رقیب پیدا ہوا ہے۔ سینگیں جُھکائے پھنکارتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا۔ پر اس اثنا میں بگھی نکل گئی اور منشی جی کی جان میں جان آئی اب کے اُنہوں نے دلیلوں سے دِل کو نہ سمجھایا۔ سمجھ گئے کہ اس وقت اس سے کوئی سود نہیں۔ خیریت ہو گئی۔ کہ وکیل نے دیکھا نہیں۔ ورنہ ایک ہی گھاگ ہے۔ میرے بشرے سے تاڑ جاتا۔ ایک فرلانگ چل کر ایک گلی ملی۔ یہی بھان کنور کے مکان کا راستہ تھا۔ ایک دھندلی سی لالٹین روشن تھی۔ جیسا منشی جی نے قیاس کیا تھا۔ پہرہ دار کا پتہ نہ تھا۔ اصطبل میں چماروں کے یہاں ناچ ہو رہا تھا۔ کئی چمارنیں بناؤ سنگار کر کے ناچ رہی تھیں۔ چمار مردنگ بجا بجا کر

گاتے تھے:-

گھر پے نہیں مائیں شیام گھر آئے بدرہ

اور دونو پہرہ دار وہاں تماشا دیکھ رہے تھے۔منشی جی کے کلیجہ میں دھڑکن تھی۔ سر دھم دھم کرتا تھا۔ ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے۔ سانس پھول رہی تھی۔ بدن کا ایک ایک رواں آنکھ اور کان بنا ہوا تھا۔ ان کی ساری طاقت۔ چستی۔ اوسان۔ حواس اور احتیاط اس وقت ارادہ کی مدد پر مستعد تھیں:

منشی جی بلّی کی طرح دبے پاؤں لالٹین کے پاس گئے۔ اور جس طرح وہ چوہے پر جھپٹتی ہے۔ اسی طرح انہوں نے جھپٹ کر اس کا پٹ کھولا۔ اور اسے گُل کر دیا۔ ایک مرحلہ طے ہو گیا۔ مگر جتنا سمجھتے تھے۔ اتنا مشکل نہ تھا۔ دل کچھ مضبوط ہوا۔ دفتر کے برآمدہ میں پہنچے۔ اور ایک لمحہ تک خوب کان لگا کر آہٹ لی۔ چاروں طرف سنّاٹا تھا۔ صرف جھاڑوں کے گانے کی آواز کان میں آتی تھی۔ دروازہ پر وہی پرانا قفل تھا اس کی کنجی آج بہت تلاش کر کے بازار سے خرید لائے تھے۔ قفل کھل گیا۔ کواڑوں نے بہت ہی دبی زبان سے صدائے احتجاج بلند کی۔ منشی جی دفتر میں داخل ہوئے۔ ان کے اعضا میں اس وقت بندر کی سی پھرتی اور چستی تھی اندر چراغ جل رہا تھا۔ منشی

جی کو دیکھ کر اُس نے ایک بار سر ہلایا۔ گویا انہیں اندر آنے کی ممانعت کی۔

منشی جی کے پیر تھر تھر کانپ رہے تھے۔ ایڑیاں زمین سے اچھلی پڑتی تھیں۔ سانس سینہ کو چھوڑ کر نکلنا چاہتا تھا۔ گناہ کا اتنا سنگین بار اُن کی برداشت سے باہر تھا۔

پل بھر میں منشی جی نے بہیوں کو اُلٹا پُلٹا۔ ان کی تحریر آنکھوں میں تیرتی تھی۔ انتخاب کی مہلت نہ تھی۔ اُنہوں نے کاغذات کا ایک پُشتارہ باندھا۔ اور بغل میں دبا کر تیر کی طرح کمرے سے باہر نکل آئے۔ دروازہ کو آہستہ سے بند کیا۔ اور اس پاپ کی گٹھڑی کو لئے ہوئے اندھیری گلی میں غائب ہو گئے۔

(تنگ اندھیری متعفن گلیوں میں وہ برہنہ پا تیزی سے قدم بڑھاتے ہوئے اس طرح خود غرضی بے وفائی اور دغا کا بارِ گراں لئے ہوئے چلے جاتے تھے۔ گویا گناہوں سے لدی ہوئی روح دوزخ کی نالیوں سے بہی جاتی تھی۔)

بہت دیر تک بھٹکنے کے بعد وہ گنگا کے کنارے پہنچے۔ جس طرح تاریک دلوں میں کہیں کہیں ایمان کی دُھندلی روشنی چھپی رہتی ہے۔ اسی

طرح ندی کی سیاہ اور ساکت سطح پر تارے جھلملا رہے تھے۔ کنارے پر چند سادھو دھونی رمائے ہوئے تھے۔ شعلۂ حقیقت دل کے بجائے باہر دہک رہا تھا۔ منشی جی نے اپنا پشتارہ اُتارا۔ اور اپنی چادر میں لپیٹ کر اُسے ندی میں پھینک دیا۔ سوئی ہوئی لہروں میں کچھ ہلچل ہوئی۔ اور پھر سنّاٹا ہو گیا۔

(۶)

منشی ست نرائن لال کے گھر میں ان کی ماں اور بیوی دو عورتیں تھیں۔ تاہم منشی جی کو گنگا میں ڈوب مرنے یا کہیں بھاگ جانے کی ضرورت نہ تھی دونوں عورتیں تعلیم سے بے بہرہ تھیں۔ نہ وہ باڈیس پہنتی تھیں۔ نہ موزے۔ نہ ہار مونیم بجا سکتی تھیں۔ یہاں تک کہ اُنہیں صابن کے استعمال تک کا علم نہ تھا۔ وہ بالوں میں ہیرپن (HAIR PIN) لگانا تک نہ جانتی تھیں۔ بہو میں اپنی عزّت کا ذرا بھی احساس نہ تھا۔ نہ ساس میں خود داری کی اسپرٹ۔ بہو اب تک ساس کی گھڑکیاں بھیگی بلّی کی طرح سہ لیتی تھی۔ ساس کو بچّوں کے نہلانے دھلانے حتّٰی کہ گھر میں جھاڑو دینے تک سے عار نہ تھی۔ بہو عورت کیا مٹی کا لوندا تھی۔ ایک پیسہ کی بھی ضرورت ہو۔ تو ساس سے مانگتی۔ غرض

دونو عورتیں اپنے حقوق سے بیخبر جہالت کی تاریکی میں پڑی ہوئی جانوروں کی طرح زندگی کے دن کاٹتی تھیں۔ ایسی پھوہڑ تھیں۔ کہ دال۔ موٹ۔ سموسے وغیرہ بھی گھر ہی میں بنا لیتی تھیں۔ اپنے ہی ہاتھوں سے کتنی ہی جسمانی شکایتوں کا علاج بھی کر لیتی تھیں۔ بیٹھی گھاس پات کوٹا کرتی تھیں۔ منشی جی نے ماں کے پاس جا کر کہا۔ "اماں! کچھ روپیہ نکالو۔ مجھ سے بھاوج سے ان بن ہو گئی۔ کل انہوں نے مجھے بے قصور الگ کر دیا۔" ماں نے چونک کر پوچھا۔ "الگ کر دیا! کیا بات ہوئی۔ بھاوج کنور کا مزاج تو ایسا نہ تھا۔"

منشی۔ "بات کچھ نہیں تھی۔ میں نے اپنے نام سے موضع لیا تھا۔ اُسے میں نے اپنے قبضہ میں کر لیا۔ کل مجھ سے اُن سے صاف صاف باتیں ہوئیں۔ میں نے کہہ دیا۔ کہ گاؤں میرا ہے۔ میں نے اپنے نام سے لیا ہے۔ اُس سے تمہارا کوئی واسطہ نہیں۔ بس جامہ سے باہر ہو گئیں۔ جو جی میں آیا۔ بکتی رہیں۔ اُسی وقت مجھے نکال دیا۔ اور کہا۔ میں تم سے لڑ کر اپنا گاؤں لے لونگی۔ اب آج اُن کی طرف سے میرے اوپر مقدمہ دائر ہوگا۔ مگر اِس سے کیا ہوتا ہے۔ میرا اِس

پر قبضہ ہے۔ ایک نہیں ہزار مقدمے چلائیں۔ ڈگری میری ہوگی۔"

ماں نے بہو کی طرف دیکھا۔ بہو نے ماں کی طرف تاکا۔ ماں بولیں "کیوں بھیا! وہ گاؤں تو تم نے اُنہیں کے روپے سے اور اُنہیں کے لئے لیا تھا؟"

منشی۔ لیا تھا تب لیا تھا اب مجھ سے ایسا آباد زرخیز گاؤں نہیں چھوڑا جاتا۔ وہ میرا کچھ نہیں کر سکتیں۔ اپنے روپے کی وصول یابی کا بھی دعوےٰ نہیں کر سکتیں۔ ڈیڑھ سو گاؤں تو ہیں۔ تب بھی ہوس نہیں مانتی۔

ماں۔ بیٹا کسی کے دھن ہوتا ہے۔ تو وہ اُسے پھینک تھوڑا ہی دیتا ہے تم نے اپنی نیّت خام کی۔ یہ اچھا نہیں کیا۔ دُنیا تم سے کیا کہیگی۔ اور دُنیا چاہے۔ کچھ کہے یا نہ کہے۔ بھلا تم کو ایسا چاہئے۔ کہ جس کی گود میں اتنے دن پلے۔ جس کا اتنے دنوں تک نمک کھایا۔ اب اُسی سے دغا کرو۔ نارائن نے تمہیں کیا نہیں دیا ہے۔ مزے سے کھاتے ہو۔ پہنتے ہو۔ گھر میں نارائن کے دئے چار پیسے ہیں۔ بال بچے ہیں۔ اور کسی کو کیا چاہئے۔ میرا کہا مانو۔ یہ کلنک کا ٹیکہ اپنے ماتھے نہ لگاؤ

یہ اجس مت لو۔ برکت اپنے ہی پسینہ کی کمائی
میں ہوتی ہے۔ حرام کی کوڑی کبھی نہیں پھلتی ٭
منشی۔ یہ سب باتیں پوتھی کے بینگن ہیں۔ دنیا ان
پر چلنے لگے۔ تو سارا نقشہ بگڑ جائے۔ میں نے
اتنے دنوں ان کی خدمت کی۔ ایسے ایسے چار
پانچ گاؤں میری ہی بدولت بڑھ گئے۔ جب
تک پنڈت جی زندہ تھے۔ میری نیت کی قدر تھی۔
آنکھ میں دھول ڈالنے کی ضرورت نہ تھی۔ وہ خود
ہی میری خاطر کر دیا کرتے تھے۔ انہیں مرے
ہوئے آٹھ سال ہو گئے۔ مگر مسماۃ کے ایک
بیڑے پان کی بھی قسم کھاتا ہوں۔ میری ذات
سے اُن کی ہزاروں روپیہ ماہوار کی بچت ہوتی
تھی۔ کیا ان کو اتنی سمجھ نہیں تھی۔ کہ یہ شخص
جو اتنی ایمانداری سے میرا کام کرتا ہے۔ اس نفع
میں کچھ اِس کا بھی حق ہے یا نہیں۔ حق کہہ کر
نہ دو۔ انعام کہہ کر دو۔ کسی طرح دو تو۔ مگر وہ
تو سمجھتی تھیں۔ کہ میں نے اسے دس روپیہ مہینہ
پر مول لے لیا ہے۔ میں نے آٹھ سال تک
صبر کیا۔ اب کیا دس روپیہ میں زندگی بھر
غلامی کیا کروں۔ اور اپنے بچوں کو دوسروں کا
مُنہ تاکنے کے لئے چھوڑ جاؤں۔ مجھے یہ موقع

ملا ہے۔ اُسے کیوں چھوڑوں۔ زمینداری کی ہوس لئے ہوئے کیوں مروں۔ جب تک زندہ رہونگا۔ خود کماؤں گا۔ میرے بعد میرے بچے چین اُڑائیں گے"

ماں کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ بولیں "بیٹا! میں نے تمہارے مُنہ سے ایسی باتیں کبھی نہ سُنی تھیں تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ تمہارے آگے بال بچے ہیں۔ آگ میں ہاتھ نہ ڈالو" بیوی نے ساس کی طرف دیکھ کر کہا "ایسا دھن نہ چاہیئے۔ ہم اپنی روٹی دال ہی میں خوش ہیں"

منشی۔ اچھی بات ہے۔ تم لوگ روٹی کھانا۔ گزی گاڑھا پہننا۔ مجھے اب حلوے پوری کی خواہش ہے

ماں۔ یہ ادھرم مجھ سے نہ دیکھا جائیگا۔ میں گنگا میں ڈوب مرونگی

بیوی۔ تمہیں یہ کانٹے بونا ہے۔ تو مجھے میکے میں پہنچا دو۔ میں اپنے بچوں کو لے کر اِس گھر میں نہ رہوں گی

منشی جی نے جھنجھلا کر کہا۔ تم لوگوں کی عقل تو بھنگ کھا گئی ہے۔ یہ دوسرے لوگ جو رات دن دوسروں کا گلا دبا دبا کر رشوتیں لیتے ہیں۔ اور چین کرتے ہیں نہ اُن کے بال بچوں ہی کو کچھ

ہوتا ہے۔ نہ اُن کو۔ ادھرم ان کو کیوں نہیں کھا جاتا۔ جو مجھی کو کھا جائیگا۔ میں نے تو ایمانداروں کو ہمیشہ تکلیف ہی میں دیکھا۔ میں نے تو جو کیا ہے۔ اُس کا سُکھ اُٹھاؤں گا۔ تم لوگوں کے جی میں جو آئے کرو*

(۷)

صبح کے وقت بھان کنور کا دفتر کھلا۔ تو کاغذات سب غائب تھے۔ منشی چھکن لال بدحواس گھر میں گئے۔ اور مالکہ سے پوچھا۔ "کاغذات کیا آپ نے اُٹھوا لئے ہیں"؟ بھان کنور نے کہا۔ "مجھے کیا خبر۔ جہاں آپ نے رکھے ہونگے۔ وہیں ہونگے۔ دم کے دم میں سارے گھر میں طوفان مچ گیا۔ پہرہ داروں پر مار پڑنے لگی۔ بھان کنور کو معاً ست نرائن لال پر شُبہ ہوا۔ مگر اُن کے خیال میں چھکن لال کی مدد کے بغیر یہ کام ہونا غیر ممکن تھا۔ پولیس میں رپٹ ہوئی۔ ایک اوجھا نام نکالنے کے لئے بُلایا گیا۔ مولوی صاحب نے قرعہ پھینکا۔ اوجھے نے بتلایا۔ کسی پُرانے دشمن کا یہ کام ہے۔ مولوی صاحب نے بتلایا۔ کسی گھر کے بھیدی نے یہ حرکت کی ہے۔ شام تک یہی دَوڑ دھوپ رہی۔ اور تب یہ صلاح ہونے لگی۔ کہ ان کاغذات کے بغیر مقدمہ کیونکر چلیگا۔ روئداد

تو پہلے ہی کمزور تھی۔ جو کچھ سہارا تھا۔ ان ہی اندراجات کا تھا۔ جو خود منشی ست نرائن لال نے کی تھیں۔ اب تو وہ ثبوت بھی ہاتھ سے گئے۔ دعوے میں کچھ جان ہی باقی نہ رہی۔ مگر بھان کنور نے مقدمہ دائر کرنے پر زور دیا بلا سے ہار جائیں گے۔ ہماری چیز کوئی دوسرا چھین لے۔ تو ہمارا دھرم ہے کہ اُس کو واپس لینے کے لئے اپنے قابو بھر لڑیں۔ ہار مان کر بیٹھ رہنا بزدلوں کا کام ہے۔ سیٹھ جی وکیل کو اس سانحہ کی اطلاع دی گئی۔ اُنھوں نے بھی یہی کہا۔ کہ مقدمہ بالکل بے جان ہو گیا صرف عقلی اور قیاسی دلیلوں پر دارو مدار ہے۔ عدالت نے تسلیم کیا تو کیا۔ ورنہ ہارنا پڑیگا۔ پر بھان کنور کو ضد تھی۔ کہ مقدمہ ضرور دائر ہو۔ لکھنؤ اور الہ آباد سے دو بلند بانگ بیرسٹر بُلائے گئے۔ اور ایک ہفتہ کے اندر استغاثہ دائر ہو گیا۔

سارے شہر میں اس مقدمہ کی دھوم تھی۔ کتنے ہی رؤسا کو بھان کنور نے شہادت میں طلب کیا تھا۔ دلچسپی کا خاص سبب یہ تھا۔ کہ بھان کنور خود بھی پردہ کی آڑ میں بیٹھی ہوئی روئداد سُنتی تھی۔ کیونکہ اُسے اب اپنے مختاروں اور ملازموں پر مطلق بھروسہ نہ تھا۔

استغاثہ کے بیرسٹر نے ایک مدلل اور موثر تقریر کی۔ اُس نے منشی ست نرائن لال کی سابقہ دیانت

اور خلوصِ نیّت اور اُن پر پنڈت بھرگودت کے کامل اعتماد کا ذکر کیا۔ بعد ازاں یہ دکھایا۔ کہ مدعا علیہ کی مالی حالت ہرگز ایسی نہ تھی۔ جو اتنے صرفِ کثیر کی متحمل ہو سکتی۔ آخر میں اُس نے منشی جی کی دغا اور بد عہدی پر ایسے رِقّت آمیز پیرایہ میں بحث کی کہ سامعین کی آنکھیں آب گوں ہو گئیں۔ یہ کتنے افسوس اور عبرت کا مقام ہے۔ کہ ایسا وفادار۔ آقا پرست، آدمی رفتہ رفتہ اِتنا گِر جائے۔ کہ اسی کی بیکس بیوہ اور یتیم بچّوں کی گردن پر چھُری پھیرنے سے باز نہ آئے۔ جن کا نمک اُس کی ہڈیوں میں پیوست ہو گیا ہے۔ انسانی خباثت اور کجروی کی اس سے زیادہ عبرت ناک مثال نہیں مل سکتی۔ نتائج کے اعتبار سے دیکھئے تو اس شخص کی سابقہ دیانت اور وفا کی وقعت بالکل نہیں باقی رہتی۔ کیونکہ وہ جواہر نہ تھے۔ بلکہ سنگریزے تھے جو محض اپنا اعتماد قائم کرنے کے لئے پیش کئے گئے تھے۔ وہ محض ایک رنگین جال تھا۔ جو ایک خوش اعتقاد اور کم اندیش رئیس کو پھنسانے کے لئے پھیلایا گیا تھا۔ خیال کیجئے۔ کہ اس شخص کا باطن کتنا تاریک کتنا گہرا اور اس کی خیانت کتنی دُور رس ہے۔ اپنے حریف کے ساتھ دغا کرنا کسی حد تک معافی کے قابل ہے۔ مگر اس شخص نے ان بیکسوں کے ساتھ دغا کی

ہے۔ جن کے ساتھ بہبودی کرنا انسانی سرشت کا خاصہ ہے۔ کاش ہمارے ہاتھ میں وہ اندراجات ہوتے جو بیعنامہ لکھانے کے وقت منشی صاحب ممدوح نے فرمائے تھے۔ تو عدالت پر اُن کی سیہ باطنی روشن ہو جاتی۔ مگر ان کا دفتر سنے عین برخاستگی کے روز غائب ہو جانا بھی عدالت کے لئے کچھ کم یقین انگیز نہ ہونا چاہیئے۔ ایسی رذالت کے بعد اس شخص کے نزدیک کوئی کام ناکردنی نہیں ہو سکتا۔

کئی روز تک شہر کی شہادتیں ہوئیں مگر بیشتر سماعی تھیں۔ دو ایک صاحبوں نے چشم دید شہادت کا دعوےٰ کیا۔ پر جرح میں اُکھڑ گئے۔

آج کی کارروائی ختم ہو گئی۔ دوسرے دن پھر مقدمہ پیش ہوا۔

فریقِ مخالف کے وکیل صاحب نے جوابی تقریر کرنا شروع کی۔ جس میں تضحیک کا پہلو غالب تھا" یہ نرالی منطق ہے کہ ایک دولتمند کا ملازم جو کچھ خریدے۔ وہ اُس کے آقا کی چیز ہے اس دلیل کے مطابق ہماری گورنمنٹ کو اپنے ملازمین کی جائداد پر قبضہ کر لینا چاہیئے۔ یہ تسلیم کرنے میں ہم کو عذر نہیں۔ کہ ایسی کثیر رقم ہماری دسترس سے باہر تھی۔ اور یہ رقم ہم نے اپنے آقا ہی سے قرض لی مگر بجائے

اس کے کہ ہم سے قرضہ کی وصُولی کا تقاضا کیا جاتا ہم سے وہ جائداد مانگی جاتی ہے۔ حساب کے کاغذات پیش کئے جائیں۔ تو وہ صاف بتلا دینگے کہ اب میرے موکلِ[۱] کے ذمے بھان کنور کا ایک حبّہ بھی باقی نہیں ہے۔ اگر میں آپ سے قرض لے کر شادی کر لوں۔ تو کیا کل آپ، مجھ سے میری بیوی چھین لینے کا دعوےٰ کرینگے۔

ہمارے روشن خیال دوست نے ہمارے اُوپر بیکسوں اور یتیموں کے ساتھ دغا کرنے کا الزام لگایا ہے۔ اگر منشی ست نرائن لال کی نیت فاسد ہوتی۔ تو اس کا بہترین موقعہ وہ تھا۔ جبکہ اُس کے آقائے نامدار کی وفات ہوئی تھی۔ اس طولانی انتظار کی کیا ضرورت تھی۔ اگر آپ شیر کو پھنسا کر اُس کے بچے کو اُسی وقت نہیں پکڑ لیتے۔ بلکہ اُسے بڑھنے اور خونخوار ہونے کا موقع دیتے ہیں۔ تو مجھے آپ کے دماغ کے صحیح ہونے پر شبہ ہوگا۔ مگر شاید منشی ست نرائن لال کے رنگین جال میں کوئی ایسی کرامات ہو۔ جسے سمجھنے میں ہمارے عالم دوست قاصر ہوں۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ منشی جی نے حق نمک ادا کر دیا۔ آٹھ سال تک کمال دیانت سے کام انجام دیا۔ اور آج انہیں اپنی نیک نیتی کا ثمرہ جو مل رہا ہے۔ وہ نہایت دعجہ

[۱] وکیل کرنے والا

دلدوز۔ اور جگر خراش ہے۔ اس میں بھان کنور کی کوئی خطا نہیں۔ وہ ایک نیک خاتون ہیں۔ مگر اپنے صِنف کی اعتقادی کمزوریوں سے خالی نہیں۔ دیانت مند آدمی خاصتہً صاف گو اور کم سخن ہوتا ہے۔ اُسے باتوں میں نمک مرچ ملانے اور قند و شکر گھولنے کی ضرورت نہیں ہوتی یہی باعث ہے کہ منشی جی کی بیوہ پر شیریں بیان رقیبوں کو وار کرنے کا یہ موقع مل گیا۔ اس دعوے کی بنیاد صرف اتنی ہے۔ اور کچھ نہیں۔ بھان کنور یہاں موجود ہیں۔ کیا وہ کہہ سکتی ہیں۔ کہ اس آٹھ سال میں کبھی اس موضع کا ذکر اُنہوں نے کیا۔ کبھی اس کے نفع نقصان۔ آمد و خرچ یا لین دین کی چرچا ان سے کی گئی۔ میں گورنمنٹ کا ملازم ہوں۔ اگر میں آج دفتر میں آکر اپنے خانگی انتظامات کی داستانیں چھیڑ دوں۔ اپنے اخراجات کی زیادتی اور اپنے خدمتگار کی نیکیوں کا قصہ گانے لگوں۔ تو شاید مجھے بہت جلد اپنے عہدہ سے سُبک دوش ہونا پڑے اور ممکن ہے۔ کچھ دنوں بنارس کے شاندار مہمان خانہ میں رکھا جاؤں +

اس کے بعد متعدد شہادتیں پیش ہوئیں۔ بالخصوص قرب و جوار کے مواضعات کے لوگوں کی جنہوں نے بیان کیا۔ کہ اُنہوں نے منشی ست نرائن لال کو اپنے

دستخط سے رسیدیں دیتے اور اپنے ہی نام سے خزانہ میں روپیہ داخل کرتے دیکھا ہے۔ اس موضع کا دفتر اسی جگہ تھا۔ اس میں منشی جی کی سیر بھی ہوتی ہے وغیرہ۔

اس کارروائی کے بعد شام ہو گئی۔ منصف عدالت نے کل فیصلہ سُنانے کا وعدہ کیا۔

(۸)

منشی ست نرائن لال کی فتح اب یقینی تھی۔ استغاثہ کی شہادتیں کمزور تھیں۔ بحث قیاسی دلیلوں پر مبنی ان کے منصوبے اب پُورے ہونے والے تھے۔ ان کا شمار بھی زمیندارون میں ہوگا۔ اور اپنی سعی و محنت سے بہت جلد وہ بھی رؤسا کے زمرہ میں داخل ہو سکینگے۔ لیکن کسی نہ کسی وجہ سے وہ اب شہر کے شرفا سے آنکھیں ملاتے شرماتے تھے۔ اُنہیں دیکھتے ہی اُن کا سر نیچا ہو جاتا تھا۔ اور وہ ڈرتے رہتے تھے۔ کہ کہیں لوگ اس مسئلے کو چھیڑ نہ دیں۔ وہ بازار میں نکلتے۔ تو اُنہیں دیکھ کر اکثر دوکانداروں میں سرگوشیاں ہونے لگتیں۔ اور لوگ اُن کی طرف بُری نگاہوں سے دیکھتے۔ اس لئے وہ بازار سے سر جُھکائے قدم بڑھائے بھاگے نکلتے تھے۔ اب تک لوگ اُنہیں ایک سچّا بے لوث اور پاک

طینت آدمی سمجھتے تھے۔ شہر کے وضع دار اور شریف لوگ انہیں اِعزاز کی نگاہوں سے دیکھتے اور بڑی خاطر سے پیش آتے۔ حالانکہ ابھی منشی جی کو آزمائش کا موقعہ نہیں ملا تھا۔ پر ان کا دِل کہتا تھا۔ کہ اب میری وہ بات نہیں رہی۔ اصل حقیقت سارے زمانے پر روشن ہے۔ اور عدالت میرے حق میں فیصلہ ہی کیوں نہ کر دے۔ لیکن میری ساکھ اب جاتی رہی۔ دلوں سے میری عزت اُٹھ گئی۔ اب مجھے بھی لوگ خود غرض ' ریاکار' مطلبی سمجھیں گے۔

غیروں کی بات تو الگ رہی خود اُن کے گھر والے اُن کے شریک نہیں تھے۔ بوڑھی ماں نے تین دن سے مُنہ میں پانی نہیں ڈالا۔ اور بیوی بار بار ہاتھ جوڑ کر کہتی۔ کہ اپنے بچوں پر رحم کرو۔ بُرے کام کا پھل کبھی اچھا نہیں ہوتا۔ نہیں تو پہلے مجھی کو زہر دے دو"۔

فیصلہ کے دن صبح کو ایک کنجڑن سبزی لے کر آئی۔ منشائن سے بولی" بہو جی۔ ہم نے بجار[۵۱] میں ایک بات سُنی ہے۔ تُمرا نہ مانو۔ تو کہوں۔ جس کو دیکھو۔ اُس کے مُنہ میں یہی بات ہے۔ کہ لالہ بابو نے جال[۵۲] ساجی سے پنڈتائن کا اِلاکا[۵۳] لے لیا۔

---

[۵۱] بازار [۵۲] جلسازی [۵۳] علاقہ۔

ہمیں تو اس پر اکین[۱] کبھی نہیں آتا۔ لالہ بابو نے نہ سنبھالا ہوتا۔ تو اب تک پنڈتائن کی ایک اُنگل[۲] زمین نہ بچتی۔ انہیں کا ایسا جگرا تھا۔ کہ سب کو سنبھال لیا تو اب کیا انہیں کے ساتھ بدی کریں گے۔ ارے بھو! کوئی کچھ ساتھ لاتا ہے۔ کہ لے جائیگا۔ یہی نیکی بدی رہ جاتی ہے۔ بُرے کا پھل بُرا ہی ہوتا ہے آدمی نہ دیکھے۔ پر اللہ سب کچھ دیکھتا ہے۔

بھو جی پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ جی چاہتا تھا۔ کہ زمین پھٹ جائے۔ تو اُس میں سما جاؤں۔ عورتوں میں عزت اور حیا بہت زیادہ ہوتی ہے۔ طعن تشنیع کی برداشت اُن سے نہیں ہو سکتی۔ سر جھکائے ہوئے بولی "بوا میں ان باتوں کو کیا جانوں۔ میں نے تو یہ بات آج تمہارے مُنہ سے سُنی ہے۔ کون کون سی ترکاری ہے؟"

منشی ست نرائن لال بھی اپنے کمرے میں پڑے گُنجھڑن کی یہ باتیں سُن رہے تھے۔ اس کے چلے جانے کے بعد وہ بیوی کے پاس آ کر پوچھنے لگے۔ یہ کیا کہہ رہی تھی؟"

بیوی نے شوہر کی طرف سے مُنہ پھیر کر زمین کی طرف تاکتے ہوئے کہا۔ "کیا تم نے نہیں سُنا؟

---

[۱] یقین [۲] اُنگلی بھر۔

تمہارے کرتب کا بھان کر رہی تھی۔ تمہاری بدولت دیکھیں کس کس کے مُنہ سے یہ باتیں سُننا پڑتی ہیں۔ اور کس کس سے مُنہ چھپانا پڑتا ہے۔

منشی جی اپنے کمرے میں لوٹ آئے۔ بیوی کی باتوں کا کچھ جواب نہ دیا۔ دل پر غیرت کا غلبہ ہو گیا جس شخص کی نیک نیتی کی سارے شہر میں دھوم ہو۔ جو ہمیشہ غرور سے گردن اُٹھا کر چلتا رہا ہو۔ جو ہمیشہ اعزاز و احترام کی نگاہوں سے دیکھا گیا ہو وہ کبھی زبانِ خلق سے بے پروا نہیں ہو سکتا۔ بدنامی کا خوف ہی بد نیتی کا سب سے بڑا دشمن ہے منشی جی نے سمجھا تھا۔ میں اِس فعل کو ایسے خُفیہ طریق سے کر لونگا۔ کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوگی اور میرے اعتبار میں ذرہ بھر بھی فرق نہ آئے گا۔ اُن کی یہ آرزو تو پوری نہ ہوئی۔ مشکلات پیدا ہو گئیں۔ ان مشکلات کے دُور کرنے میں انہیں چوری تک کرنا پڑی۔ لیکن یہ سب اسی بدنامی کے خوف سے جس میں کوئی یہ نہ کہے۔ کہ اپنی مالکہ کو دھوکا دیا۔ باوجود اس احتیاط کے وہ رُسوائی کے تازیانہ سے نہ بچ سکے۔ بازار کی سودا بیچنے والی عورتیں تک اب انہیں ذِلت کی نگاہ سے دیکھتی تھیں۔ نتیجۂ نفس میں دبا ہُوا ایمان اس صدمہ کو برداشت نہ کر

سکا۔ منشی جی سوچنے لگے۔ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔ مانا کہ میں صاحبِ جائداد ہو جاؤنگا۔ لیکن بدنامی میرے گلے کا ہار بنی رہیگی۔ عدالت کا فیصلہ مجھے ذلت سے نہ بچا سکیگا۔ ثروت کا نتیجہ ہے عزت اور وقار۔ جب یہی نہیں تو ثروت کس کام کی۔ اطمینان قلب کھو کر دُنیا کی آنکھوں میں ذلیل بن کر بے حیائی کا بوجھ سر پر رکھ کر اور اپنے گھر میں نفاق بو کر ثروت اور دولت میرے کس کام آئے گی۔ اور اگر سچ مچ مجھ پر قہر الٰہی نازل ہو تو میرے لئے مُنہ میں کالکھ لگا کر گھر سے نکل جانے کے سوا اور کوئی علاج نہ ہوگا۔ نیک نیت انسان پر کوئی مصیبت آتی ہے۔ تو لوگ اُس کے ساتھ ہمدردی کرتے ہیں۔ سیہ کاروں پر کوئی مصیبت آتی ہے۔ تو لوگ اُسے طعنے دیتے ہیں۔ ایشور کے انصاف کی تعریف ہوتی ہے۔ پرماتما! کسی طرح مجھے اس غار سے نکالو۔ کیوں نہ جا کر میں بھان کنور کے پیروں پر گر پڑوں۔ اور کہوں۔ کہ مقدمہ اُٹھا لیجئے۔ ہائے افسوس! پہلے مجھے یہ بات کیوں نہ سوجھی؟ اگر کل تک میں اُن کے پاس چلا گیا ہوتا۔ تو سارے کام بن جاتے پر اب کیا ہو سکتا ہے۔ آج تو فیصلہ کا دن ہے ؏

منشی جی بہت دیر تک انہیں خیالات میں ڈوبے رہے۔ لیکن کچھ فیصلہ نہ کر سکے کہ کیا کرنا چاہیئے؟

(۹)

بھان کنور کو یقین ہو گیا۔ کہ اب گاؤں ہاتھ سے جاتا ہے۔ بیچاری ہاتھ مل کر رہ گئی۔ رات بھر اُسے نیند نہیں آئی۔ رہ رہ کر منشی ست نارائن لال پر غصہ آتا تھا۔ ظالم! ڈھول بجا کر میرا پچاس ہزار کا مال لئے جاتا ہے۔ اور میں کچھ نہیں کر سکتی۔ آج کل کے یہ انصاف کرنے والے بالکل آنکھ کے اندھے ہیں۔ جس بات کو سارا زمانہ جانتا ہے۔ وہاں تک بھی ان کی نگاہ نہیں پہنچ سکتی۔ بس دُوسروں کی آنکھ سے دیکھتے ہیں۔ کورے کاغذوں کے غلام۔ انصاف کے معنے ہیں دُودھ کا دُودھ اور پانی کا پانی۔ حق حق دار کو ملے۔ یہ نہیں کہ منصف صاحب خود ہی کاغذوں کے دھوکے میں آ جائیں۔ اسی سے تو ایسے متفنی۔ جعلئے اور دغا باز آدمیوں کی ہمتیں بڑھ گئی ہیں۔ لیکن خیر! گاؤں جاتا ہے تو جائے۔ تم تو کہیں شہر میں مُنہ دکھانے کے لائق نہیں رہے۔

اس خیال سے بھان کنور کو کچھ تسکین ہُوئی دشمن کا نقصان ہمیں اپنے فائدہ سے بھی زیادہ عزیز

ہوتا ہے۔ یہ انسانی خاصہ ہے۔ تم ہمارا ایک گاؤں لے گئے۔ نارائن چاہیں گے۔ تو تمہارے ہاتھ سے بھی یہ جلدی نکلیگا۔ خود نرک کی آگ میں جلوگے۔ اور تمہارے بعد تمہارے گھر میں کوئی نام لیوا نہ رہ جائیگا!

فیصلہ کا دن آ گیا۔ آج اجلاس پر معمول سے زیادہ بھیڑ بھاڑ تھی۔ اِس مقدمہ سے ہر خاص و عام کو دلچسپی تھی۔ ایسے ایسے مطلع لوگ نظر آتے تھے۔ جو بگلوں کی طرح سرکاری تقریبوں کے چشمۂ شیریں کے کنارے ہی نظر آتے ہیں۔ مقدمہ اپنی نوعیت میں فرد تھا۔ وکیلوں۔ مختاروں کی کالی پلٹن کا ہجوم تماشائیوں سے کچھ ہی کم تھا۔

عین مقرّرہ وقت پر جج صاحب اجلاس پر نمودار ہوئے۔ وسیع ہال میں سنّاٹا چھا گیا۔ لوگ ہمہ تن گوش و چشم ہو گئے۔

اہلمد نے صندوق سے تجویز نکالی۔ اشتیاق نے لوگوں کو ایک ایک قدم اور آگے کھسکا دیا۔

جج نے فیصلہ سُنایا۔ "مدّعی کا دعوےٰ خارج۔ فریق اپنے اپنے مصارف کے ذمّہ وار ہیں۔" ہرچند عام قیاس اس فیصلہ کی جانب مائل تھا۔ تاہم جج کی زبان سے سُن کر سارے مجمع میں ہل چل پڑ

گئی۔ جو اندیشہ تھا۔ وہ واقعہ ثابت ہوا۔ مایوسانہ انداز سے سرگوشیاں کرتے ہوئے لوگ عدالت سے باہر نکلنے لگے۔

دفعتہً بھان کنور گھونگھٹ نکالے اجلاس پر آ کر کھڑی ہوئی۔ جانے والے لوٹ پڑے۔ جو باہر نکل گئے۔ وہ پھر لپک کر آ گئے۔ ساری جماعت دم بخود ہو کر بھان کنور کی طرف تاکنے لگی۔ ایک ساحر تھا۔ جس نے اُنگلی کے اشارے سے ساری جماعت پر منتر ڈال دیا تھا۔

بھان کنور نے جج صاحب سے کانپتے ہوئے لہجہ میں کہا۔ سرکار کا حکم ہو۔ تو میں ست نارائن لال سے کچھ پُوچھوں؟"

یہ ایک بے ضابطہ بات تھی۔ تاہم جج نے از راہِ انسانیت اس کی اجازت دے دی۔ تب بھان کنور نے ست نرائن لال کی طرف دیکھ کر کہا۔" لالہ جی! سرکار نے تمہاری ڈگری تو کر ہی دی۔ گاؤں تمہیں مبارک رہے۔ مگر ایمان آدمی کا سب کچھ ہے۔ ایمان سے کہہ دو۔ گاؤں کس کا ہے؟"

یہ سوال سُن کر ہزاروں آدمی منشی جی کی طرف حیرت آمیز استفسار کی نگاہوں سے تاکنے لگے۔ منشی جی دریائے فکر میں ڈوبے۔ دل میں نفس اور ایمان

کے درمیان داؤں پیچ ہونے لگے۔ ہزاروں آدمیوں کی آنکھیں اُن کی طرف جمی ہوئی تھیں۔ اصل واقعہ کسی سے پوشیدہ نہ تھا۔ اتنے آدمیوں کے روبرو جھوٹی بات زبان سے نہ نکل سکی۔ غیرت نے زبان بند کر دی "میرا" کہہ دینے میں کام بنتا تھا۔ کوئی امر مانع نہ تھا لیکن بد ترین گناہ کی جو سزا دُنیا دے سکتی ہے اس کے ملنے کا پُورا خوف تھا "آپ کا" کہہ دینے میں کام بگڑتا تھا۔ جیتی جتائی بازی ہاتھ سے جاتی تھی۔ لیکن بہترین فعل کے لئے دُنیا جو انعام دے سکتی ہے۔ اُس کے ملنے کی اُمیّد کامل تھی۔ اس اُمید نے خوف کو دبا لیا۔ اُنہیں ایسا معلوم ہُوا۔ گویا ایشور نے اُنہیں سُرخرو بننے کا یہ آخری موقعہ دیا ہے۔ میں اب بھی اپنے ایمان کو بچا سکتا ہوں۔ اب بھی دُنیا کی نگاہوں میں عزّت پا سکتا ہوں۔ اُنہوں نے آگے بڑھ کر بھان کنور کو سلام کیا۔ اور کانپتی ہوئی آواز سے بولے۔ "آپ کا"!

فتح حق کا ایک نعرہ بلند کمرے میں گونجتا ہُوا عالمِ بالا تک جا پہنچا۔ جج نے کھڑے ہو کر کہا۔ یہ قانون کا فیصلہ نہیں۔ ایمان کا فیصلہ ہے"۔

جناب منشی پریم چند

سوالات

۱۔ اس کہانی کو مختصر طور پر بیان کرو۔

۲۔ منشی ست نارائن کیسا آدمی تھا۔ اپنی رائے کے حق میں دلائل پیش کرو۔

۳۔ مصنف اس کہانی سے کیا اخلاقی نتیجہ نکالتا ہے؟

۴۔ اس سبق میں تابع مہمل اور تابع موضوع کی کون کون سی مثال ہے؟

۵۔ ذیل کے فقرے کو درست کرو۔ نیز بتاؤ۔ کہ اس میں "جانا ہے" کونسا فعل ہے: "آج میں نے اُس کے ہاں جانا ہے"۔

۱۳۔ سرورِ قناعت

اگر شاہ مُلکِ ارم کا مکیں ہے
بھرے گھر میں رنجش سے خالی نہیں ہے
ہماری طرح وہ بھی اندوہگیں ہے
اُسے فکرِ دُنیا۔ ہمیں فکرِ دیں ہے

وہ اپنے الم میں ہم اپنے الم میں
رہا فرق کیا شاہ میں اور ہم میں

بظاہر سرِ شاہ پر تاجِ زر ہے
مگر باطناً روز و شب خوفِ سر ہے
وہاں قلب مجروح۔ زخمی جگر ہے
یہاں تیغ کا ڈر نہ فکرِ سپر ہے

ہم آرام میں۔ شاہ رنج و ستم میں

یہی فرق ہے شاہ میں اور ہم میں

وہاں خوانِ نعمت مگر اشتہا کم
یہاں اشتہا پر سوالِ غذا کم
نہیں ہم کو اصلا خیالِ سوا کم
قناعت ہمارا خزانہ ہے کیا کم

ہم آسودہ دل۔ شاہ حرصِ نعم میں
یہی فرق ہے شاہ میں اور ہم میں

وہاں چاپلوسی۔ تملق۔ خوشامد
خوشامد بر آمد سے بننا سرآمد
دو رنگی دِل دوستاں کی شد آمد
وفا کی جد آمد۔ جفا کی جد آمد

نہ خوش مدح میں ہم۔ نہ مغموم ذم میں
یہی فرق ہے شاہ میں اور ہم میں

اگر شاہ کے ہاتھ میں جامِ جم ہے
یہاں اوک اپنا جو ہے کس سے کم ہے
اگر شاہ رل جائے ناز و نعم ہے
دل اپنا غنی ہے۔ غنیمت یہ دم ہے

جو ہم میں ہے۔ وہ شاہِ والا حشم میں
رہا فرق کیا شاہ میں اور ہم میں

وہ بد خواب ہیں نومِ شب کھو رہے ہیں
مگر پاؤں پھیلائے ہم سو رہے ہیں

وہاں دیدۂ شاہ خوں رو رہے ہیں
یہاں اپنے آنسو گہر ہو رہے ہیں
ہم آزاد غم سے وہ پابند غم میں
یہی فرق ہے شاہ میں اور ہم میں

کوئی شاہ بادل بُلا دے تو جانیں
کوئی برق و باراں گرا دے تو جانیں
کوئی حرفِ قسمت پڑھا دے تو جانیں
مقدّر کا لکھا مِٹا دے تو جانیں
نہ ہم میں یہ قدرت نہ اُس ذی حشم میں
رہا فرق کیا شاہ میں اور ہم میں

وہاں جَو فروش اور گندم نما ہیں
جو اعیانِ دولت ہیں زر آشنا ہیں
یہاں جتنے دم ساز ہیں بے ریا ہیں
نہ اہلِ غرض ہیں نہ اہلِ دغا ہیں
ہم اہلِ کرم ہیں۔ وہ اہلِ ستم میں
یہی فرق ہے شاہ میں اور ہم میں

وہاں غلبۂ حرصِ کشور کشائی
یہاں مُلکِ تسلیم کی بادشاہی
وہاں فرشِ سُندس۔ بساطِ غنائی
یہاں بوریا مسندِ بے ریائی
ہم آزاد وہ فکرِ دام و درم میں

یہی فرق ہے شاہ میں اور ہم میں

وہاں جاوداں رشکِ جاہ و حشم ہے
حضوری میں ہے مدح۔ غیبت میں ذم ہے
یہاں ایک ساں حالتِ بیش و کم ہے
نہ آنے کی شادی نہ جانے کا غم ہے

بھلے بند ہم۔ شاہ قیدِ خدم میں
یہی فرق ہے شاہ میں اور ہم میں

وفورِ دُول میں مسرت نہیں ہے
وہ مسرور ہے جو قناعت گزیں ہے
جسے فرشِ سنجاب سطحِ زمیں ہے
اُسی کا دلِ پاک عرشِ بریں ہے

ہم اور شاہ یکساں ہوئے جب عدم میں
رہا فرق کیا شاہ میں اور ہم میں

یہاں رفعتِ ننگ تاجِ ہُما ہے
یہاں عرشِ دِل سدرۃ المنتہیٰ ہے
یہاں قلب قانع مسرت فزا ہے
جگر دولتِ عافیت سے بھرا ہے

ہم آلام داخل سمجھتے ہیں سم میں
یہی فرق ہے شاہ میں اور ہم میں

ہمیں گنجِ عرفان و ادراک بس ہے
کہ اللہ بس اور باقی ہوس ہے

ہوا و ہوس سے حذر اگر نفس ہے
نہ ذوقِ جہاں ہے نہ شوقِ قفس ہے

ہمارے قدم ہیں تلاشِ قدم میں
یہی فرق ہے شاہ میں اور ہم میں

ثمر ہم شجر میں ۔ صدف میں گہر ہیں
گہن میں اگر ہیں تو مثلِ قمر ہیں
اگر آہ و نالے میں ہیں تو اثر ہیں
نہاں نیشکر میں مثالِ شکر ہیں

کسی حال میں ہم نہیں پیچ و خم میں
یہی فرق ہے شاہ میں اور ہم میں

وُہی نزع ہے اور وُہی جانکنی ہے
ولادت وُہی ہے وُہی مُردنی ہے
جو ہم پر وُہی جانِ شہ پر بنی ہے
فقط شاہ میں کبریا و منی ہے

ہم آہ و فغاں میں وہ طبل و علم میں
یہی فرق ہے شاہ میں اور ہم میں

اگر کوئی مغلوب ہو یا کہ غالب
سیہ بخت یا کامیابِ مطالب
جدا ہو گیا رُوح سے جب کہ قالب
برابر ہوئے دونو مطلوب و طالب

بالآخر گئے دونوں یکساں عدم میں

۱۰۔ فرق کیا شاہ ہیں اور ہم ہیں
جناب منشی ونائک پرشاد طالب مرحوم

سوالات

۱۔ امیر و غریب۔ بادشاہ و فقیر میں ایک انسان کی حیثیت سے کچھ فرق نہیں اس کے ثبوت میں جو دلائل شاعر نے اس نظم میں بیان کئے ہیں۔ انہیں اپنے الفاظ میں بیان کرو۔

۲۔ ان مصرعوں کے مطالب کی تشریح کرو:۔

۱ یہاں اپنے آنسو گہر ہو رہے ہیں
۲۔ وہاں جو فروش اور گندم نما ہیں
۳۔ کہ اللہ بس اور باقی ہوس ہے
۴۔ بالآخر گئے دونوں یکساں عدم میں

۳۔ ان الفاظ کے معانی بتاؤ:۔

شد آمد۔ شیم۔ سدرۃ المنتہیٰ۔ گنج عرفان۔ کبریا و منی۔

۴۔ ترکیب نحوی کرو:۔

جدا ہو گیا روح سے جب کہ قالب
برابر ہوئے دونو مطلوب و طالب

۵۔ طالب و مطلوب قواعد میں کیا کیا ہیں؟ اوپر کے شعر کے پہلے مصرع کے لئے نہایت سلیس فقرہ استعمال کرو۔

۱۴- چاند اور ستارے

دُنیا کی پیدائش کا چوتھا دن جب ختم ہوا۔ اور آفتاب عالم تنہائی میں اپنا پورا جاہ و جلال دکھا کر غروب ہو گیا۔ اور رُوئے زمین پر جس کو ابھی تک آبادی کا شرف حاصل نہیں ہوا تھا۔ تاریکی پھیلنے لگی۔ تو ایک تنہا مگر خوبصورت ستارہ آسمان پر نمودار ہوا۔ اپنے نئے خلعتِ وجود میں حیرت اور خوشی کے ساتھ کانپتے ہوئے اُس نے چاروں طرف نظر جو دوڑائی۔ تو دیکھا کہ نہ آسمان پر اُس کا کوئی ثانی ہے۔ نہ زمین پر۔ لیکن بہت زیادہ زمانے تک وہ اکیلا نہ رہا۔ ابھی ایک پھر دُوسرا پھر تیسرا چمکیلا ہم چشم اُس سے آ ملا۔ یہاں تک کہ ایک گھنٹے میں سارا آسمان سیّارات اور ثوابت سے جگمگا اُٹھا۔ جن میں ایک عظیم الشان دُمدار ستارہ بھی تھا جو سمت الرّاس پر چمک رہا تھا*

ان اجرام فلکی نے کچھ دیر تک اپنی اور ایک دُوسرے کی حالت پر غور کی۔ اور اُن میں سے ہر ایک نے چاہے چھوٹا ہو یا بڑا۔ دل میں خیال

کیا۔ کہ تمام عالم کا نورانی مرکز میں ہی ہوں۔ اُن کو اپنی نسبت جو مغالطہ ہُوا تھا وہ رفع نہ ہُوا۔ اگرچہ سب کے سب اپنے ہم چشموں کے قد و قامت میں اختلاف اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔

تاوقتیکہ اُنھوں نے جھانک کر سمندر کے آئینے میں اپنی اپنی صُورت دیکھ نہ لی۔ جس میں اُن کے خط و خال اور محل و مقام ٹھیک ٹھیک نظر آتے تھے۔ توجّہ کے ساتھ اُس آئینے میں اپنی ذاتی حیثیت دیکھتے دیکھتے سب کو بتدریج عاجزی اور انکسار کا سبق یاد ہو گیا۔ نہ ہُوا تو ایک دُمدار ستارے کو جو اپنی آفتاب تک پھیلی ہوئی چمکیلی دُم پر ایسا پھولا ہُوا تھا۔ کہ اب بھی اپنے آپ کو آسمان کا بادشاہ ہی خیال کرتا تھا۔

جب وہ اِس طرح اپنے آپ کو اور ایک دُوسرے کو غور سے دیکھ رہے تھے۔ اُن کی توجّہ ایک بار ایک مقیش کے تار کی طرف منعطف ہوئی۔ جو تھوڑی دیر تک اُفق سے کچھ اوپر چمک کر نظروں سے غائب ہو گیا۔ یہ چاند تھا۔ پہلی تاریخ کا نیا چاند۔ خوف زدہ ادا سے اس نے اُس چمکیلے گروہ پر نظر ڈالی۔ اور جب اُس نے دِل میں خیال کیا۔ کہ میرا لاغر اور بے ڈول جسم اُن کے کامل تناسبِ اعضا کے مقابل میں کیسا ذلیل اور بے حقیقت ہے۔ تو سمندر

کے دوستانہ دامن میں اُن کی نظروں سے اپنا مُنہ چُھپا لینا اُسے ایک خوشی کی بات معلوم ہوئی۔ جب وہ نظروں سے غائب ہو گیا۔ تو ستارے ایک دوسرے کو متجسسانہ حیرت سے دیکھنے لگے۔ گویا زبانِ حال سے یہ کہتے تھے کہ "سُبحان اللہ کیا صُورت تھی۔ صدقے اِس صُورت کے!" اور وہ پھر جلد جلد آزادی کے ساتھ اُس کے باب میں گفتگو کرنے لگے۔ لیکن جس حال میں کہ وہ اُس کی خمیدہ پُشت اور اُس کی نادیدہ ادا کی ہنسی اُڑا رہے تھے یکایک اُنہیں معلوم ہُوا۔ کہ خود اُن کی روشنی بھی مدھم پڑتی جاتی ہے۔ پُورب کی طرف پَوہ پھٹنے لگی۔ اور بڑی حیرت کے ساتھ سب نے دیکھا۔ کہ وہ مدھم پڑتے پڑتے آنکھوں سے غائب ہوئے جاتے ہیں۔ بلکہ انہیں ڈر ہُوا کہ کہیں سرے سے بالکل غائب ہی نہ ہو جائیں۔

یہ خوابِ عدم میں پڑے ہوئے اجرامِ فلکی دُوسری شام کو آنکھیں ملتے ہوئے بتدریج پھر بیدار ہوئے اور آنکھیں کھول کر جب اُنہوں نے دیکھا۔ کہ کل کی رات کی انجمن پھر جُوں کی توں موجود ہے۔ تو دل میں بہت ہی خوش ہوئے۔ وہ چھوٹی چمکیلی شاخ بھی پھر نظر آئی۔ جو مغربی پہاڑوں کے سِلسلے پر نیچے کو

جھکی ہوئی تھی۔ لیکن اگرچہ پہلی دفعہ سے اب وہ کسی قدر زیادہ چمکیلی تھی۔ پھر بھی جلد دامنِ اُفق میں غائب ہو گئی۔ اور دُمدار ستارے کو سارے آسمان پر مغرورانہ ادا سے قابض چھوڑ گئی ؛

تیسری شام کو چاند قد اور روشنی میں اس قدر بدیہی طور پر بڑھ گیا تھا۔ اور پہلے دن کی نسبت آسمان میں اس قدر اوج گزیں تھا۔ کہ اگرچہ وہ اب بھی جلدی نظروں سے غائب ہو گیا۔ مگر کہکشاں کی دونو جانب شروع سے اخیر تک موضُوعِ گفتگو وہی تھا۔ یہاں تک کہ نو پیدا شدہ آدمی کو اُس کی پہلی میٹھی نیند سے جس میں وہ پڑا بہشت میں سوتا تھا۔ جس نسیم نے آ کر جگایا۔ اُس نے ستاروں کو آ کر اطّلاع دی کہ اب میدان خالی کرو۔ آفتاب اپنے جاہ و جلال کے ساتھ آتا ہے۔ اور دُنیا کی پیدائش کا پہلا سبب ایسے جاہ و جلال کے ساتھ لاتا ہے۔ جس کے دیکھنے کو دنیا کے انحطاط کے زمانہ میں لوگوں کی آنکھیں ترسینگی اگلی رات کو چاند نے اپنی کُرسی اور بھی بلند کر دی۔ اور پہلے سے کہیں زیادہ چمک دار دکھائی دیا یہاں تک کہ اس کے آس پاس جتنے چھوٹے ستارے تھے۔ اُن کو سب نے دیکھا۔ کہ زرد پڑ گئے تھے۔ اور بعض تو نظر بھی نہ آتے تھے۔ چونکہ اُن کے

رفقا اس کی توجیہ معقول طریق پر نہ کر سکتے تھے۔ اُنھوں نے قیاس کیا اور ایسا قیاس اُنہیں کرنا چاہئے تھا۔ کہ چاند کی روشنی جو بڑھ رہی ہے۔ تو انہی کی روشنی سے۔ گویا چاند ایک ایک کرکے سب کو نگل رہا ہے۔ اور یہ خوف تمام میں عام طور پر پھیل گیا۔ کہ چاند جوں جوں بڑھتا جائیگا۔ ہم سب کو نگلتا جائیگا۔ یہاں تک کہ ہم میں کا ایک فرد بھی باقی نہ رہیگا ؀

اگرچہ چاند ہر شب اسی طرح بڑھتا روز بروز خوبصورت ہوتا جاتا تھا۔ مگر پھر بھی وہ اپنا انکسار نہ چھوڑتا تھا۔ یہاں تک کہ اُس کا ہلال بڑھتے بڑھتے بدر کی شکل میں تبدیل ہو گیا۔ تب کسی قدر وہ اپنی فوقیت پر نازاں نظر آیا۔ اُس کی شعاعیں بھی ایسی تاباں و درخشاں ہو چلیں۔ کہ بہت ہی کم ستارے اُس کے جلوے کی تاب لا سکتے تھے۔ دُم دار ستارہ بھی اُس کے آگے پھیکا پڑ گیا۔ اپنے کمال کی شب کو چاند نہایت جاہ و جلال کے ساتھ وسطِ آسمان میں کرسیِ حکومت پر جلوہ گر ہُوا اور زمین کو دن کا سا نازک اطلسی خلعت عنایت کیا۔ آئینہ بحر میں جو اُس نے اپنی صُورت دیکھی۔ تو اپنے عالم حُسن پر گھنٹوں محوِ حیرت رہا۔ کچھ ستارے جو اب

بھی بے حیائی سے آسمان پر چمک رہے تھے۔ زیادہ نیلگوں گہرائی میں جا چھپے۔ کہ ایک فاصلے سے اُس کے سب پر غالب آ جانے والے حُسنِ تاباں کا نظارہ کریں ؛

چاند بھی خود اِس خیال سے کچھ کم متحیّر نہ تھا۔ کہ دیکھو تو میں دیکھتے دیکھتے قد اور روشنی میں کس قدر بڑھ گیا۔ اور نہیں معلوم ابھی اور کہاں تک بڑھونگا اس کی خود بینی نے اُسے یہ سمجھایا۔ کہ اگرچہ شکل میں تو میں مکمّل ہو چکا ہوں۔ لیکن قد ابھی اور بڑھیگا۔ کیا میں بڑھتے بڑھتے اتنا بڑا نہیں ہو سکتا کہ آدم اور اس کی ہم جلیس حوّا باغ عدن کے کسی گوشے سے جھانک کر دیکھیں۔ تو اُنہیں بھی آسمان میں چاند ہی چاند نظر آئے! لیکن وہ اسی دِل خوش کُن خیال میں مست تھا۔ کہ یکایک اُس پر ایک سیاہ چھائیں نمودار ہوئی۔ جو ایک کنارے سے بڑھتے بڑھتے اس کی سطح کو سیاہ کرتی ہوئی دوسرے کنارے تک چھا گئی۔ جس سے اس کا سارا چہرہ گہنا گیا۔ اور لوحِ آسمان پر ایک بد نما داغ سے زیادہ اُس کا رُتبہ نہ رہا۔ اس مُصیبت کو آتے دیکھ کر ستارے اپنے اپنے گوشے سے چاند کی ذِلّت کا تماشا دیکھنے کو نکل آئے۔ لیکن اُن

کی خوشی اور چاند کی ذلت کچھ بہت دیر تک نہ رہی۔ چھائیں جس طرح بڑھی تھی۔ اُسی طرح رفتہ رفتہ گھٹ بھی گئی۔ اور اب چاند پہلے سے زیادہ خوبصورت اور چمک دار نظر آنے لگا ۔

دُوسرا دن گذر گیا۔ اور دُوسری رات آئی۔ اور اپنے معمول کے مطابق چاند پھر نکلا۔ مگر کسی قدر دیر بعد۔ جب کہ وہ اُفق پر سے اُبھر رہا تھا۔ اُس وقت بھی یہ خوف اُس کے دِل میں گزرا تھا کہ میری چمک جتنی کل تھی۔ اُتنی آج نہیں۔ مگر جب اُس نے اپنا چہرہ دریا میں دیکھ لیا۔ تو پھر تو یہ نامبارک نقص اس کے دل پر آئینہ کی طرح روشن ہو گیا۔ موسم شور انگیز تھا۔ ہوا میں یکایک تیزی پیدا ہوئی اور موجیں اُٹھ کر مُنہ میں جھاگ بھر لائیں۔ شاید جوار (مد) پہلے ہی پہل چاند کی ہمدردی کو اُٹھا تھا۔ اور جو بات پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔ وہ یہ تھی کہ ایک خوفناک طوفان نے بجلی کی کڑک سے آسمان کو ہلا دیا۔ اور مینہ سے زمین کو نہلا دیا۔ چاند نہایت گھنگھور بجلیوں والی گھٹا کی جھپٹ میں آ گیا۔ اِس حالتِ اضطراب میں اُس کے خوش ہونے والے حریف بھی نہیں معلوم کہاں جا چھپے۔ جس سے چاند کی ذِلت اُن کی نظروں سے پوشیدہ رہی ۔

دُوسری شام کو اور اسی طرح بعد میں بھی کئی شاموں تک چاند دیر کے بعد نکلتا رہا۔ اور روز بروز دُھندلا ہی ہوتا گیا۔ اِدھر یہ حال تھا۔ کہ ہر موقعے پر وہ چھوٹے ستارے جو اُس کے سامنے مغلوب ہو گئے تھے۔ زیادہ تعداد میں نکلتے آتے تھے۔ اور اُس کے زوال پذیر عزت و جلال اور نقصان پذیر حُسن و کمال کو دیکھ دیکھ کر خوشی سے جامے میں پھُولے نہ سماتے تھے۔ کامیابی نے چاند کو خود بین اور مغرور بنا دیا تھا۔ مُصیبت نے اُس کے خیالات کی اِصلاح کی۔ اور عجز و انکسار کی نرم نرم دلفریبیوں سے اُسے پھر وہ جگہ دلوں میں حاصل ہوئی۔ جو غرور کے ہاتھوں چھن گئی تھی۔ کیونکہ جب اُس کی بدری شکل گھٹ کر اخیر حصّۂ ماہ میں خمیدہ ناخن کی شکل بن گئی۔ تو وہ سارے آسمان والوں کی نظر میں سب دنوں سے زیادہ خوبصورت نظر آیا۔

آخرکار ایک رات ایسی بھی آئی۔ جب کہ چاند کا کہیں پتہ نہ تھا۔ دُم دار ستارہ بھی کسی غیر معلوم حصّے میں چلا گیا تھا۔ اس شب کو ساری رات آسمان پر سنّاٹا رہا۔ مہینے کے انقلاب پر اطمینان کے ساتھ غور کرتے ہوئے ستاروں نے غرُوبِ آفتاب سے طلوعِ فجر تک اپنا سفر طے کیا۔

اور تجربے سے عقل حاصل کر کے متواضع اور راضی برضا رہے۔ ہر ایک اپنی تقدیر پر شاکر تھا۔

دوسری شام کو چاند نئے ہلال کی صورت میں مطلعِ مغرب سے پھر نمودار ہوا۔ جس سے سب کو حیرت بھی ہوئی۔ اور خوشی بھی۔ فوراً آسمان کے ہر حصے سے سب نے اس کے پھر جی اٹھنے پر دل سے مبارکباد کی صدا بلند کی۔ کہتے ہیں۔ کہ ٹھیک اس وقت جب کہ وہ غروب ہو رہا تھا۔ اور جب کہ اس کی کمان دھندلے بیگنی افق پر ابھی لٹک ہی رہی تھی۔ ایک فرشتہ نمودار ہوا۔ جو اس کے دونو سروں کے بیچ میں ایک خاص ادا سے کھڑا تھا۔ جب اس نے مڑ کر دیکھا۔ تو اس کی آنکھ جلدی سے اس سرے سے اس سرے تک تمام دنیا پر دوڑ گئی۔ آفتاب تو نہیں معلوم کن گہرائیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ چاند اس کے زیرِ قدم ہی تھا۔ نیچے زمین پر جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی۔ فرشِ زمردین بچھا ہوا تھا۔ اوپر آسمان برج برج پر چراغاں کر رہا تھا۔ وہ آن کی آن ٹھہر گیا اور پھر اس زبان میں جس میں صبح کے ستاروں نے مل کر گیت گایا تھا۔ اور بندگانِ خدا نے خوشی کے نعرے مارے تھے۔ اس طرح

زمزمہ سنج حمد و ثنا ہوُا :-

"اے صانعِ مطلق! اے حکیم برحق! تیری صنعتیں بڑی اور حیرت میں ڈالنے والی ہیں۔ جس چیز کو دیکھتا ہوں۔ تیری حکمت اس سے آشکار ہے" اتنا کہہ کر وہ تو خاموش ہو گیا۔ مگر وہ زمزمہ آسمان کے گنبد میں اُس وقت سے آج تک برابر گونج رہا ہے۔

(ترجمہ از انگریزی)

سوالات

۱- چاند کے طلوع و غروب پر ستاروں نے جن خیالات کا اظہار کیا۔ اُنہیں صاف عبارت میں لکھو۔

۲- چاند ہلال کی حالت سے ترقی کرتے کرتے بدر ہو گیا۔ اور پھر گھٹ کر غائب ہو گیا۔ اس قدرتی حقیقت کے متعلق مضمون نگار نے اپنے تخیُّل سے کام لے کر کن جذبات کو چاند کی طرف منسوب کیا ہے۔

۳- اس سبق میں تاکید مؤکد کی کون کون سی مثالیں ہیں؟

۴- مندرجۂ ذیل الفاظ کے واحد بتاؤ :-

اجرام- ثوابت- سیارات- بندگان- صنائع۔

۱۵- گنگا

اے آبِ جاری، اے فیضِ قدرت، اے موجِ رحمت، اے رودِ گنگا
ہے سب کے دل میں یہ تیری قیمت، ایک ایک موتی ایک ایک قطرا
عکسِ شفق سے سونے کی لہریں، بن کر اٹھی تھیں موجیں ہزاروں
مہتاب نے وہ منظر ہی بدلا، بہنے لگا اِک چاندی کا دریا
ان خنکیوں کا اعجاز ہے یہ تازہ ہوئی ہیں ساری اُمنگیں
بڑھنے لگی ہے دل کی حرارت، پانی سے پیدا ہوتا ہے شعلا
ہوتے ہیں یوں تو تیرے کنارے، جلسے بہت کچھ میلے بہت سے
"صبحِ بنارس" شہرت ہے جس کی، بے مثل ہے وہ تیرا کرشما
جس سرزمیں سے تیرا گزر ہے۔ رشکِ بہارِ گلشن ہوئی ہے
پودوں پہ رونق، سیراب کھیتی، شاداب وادی، سرسبز صحرا

جناب مولانا سہا علیگ

سوالات

۱- اس شعر میں 'سونے کی لہریں' اور 'چاندی کا دریا' سے کیا مراد ہے؟

عکسِ شفق سے سونے کی لہریں بن کر اُٹھی تھیں، موجیں ہزاروں
مہتاب نے وہ منظر ہی بدلا، بہنے لگا اک چاندی کا دریا

۲- 'صبحِ بنارس' کا کیا مفہوم ہے؟

۳- اس نظم کو سامنے رکھ کر سب عبارت نثر میں لکھو۔ مگر

ترتیب کے بدلنے میں کوئی لفظ نہ رہ جائے۔

۴۔ اس سبق میں صفت موصوف کی کون کون سی مثالیں ہیں؟

۵۔ ترکیب کرو۔

"بڑھنے لگی ہے دل کی حرارت" "پانی سے پیدا ہوتا ہے شعلا"۔

۱۴۔ ہوشیار سراغ رساں

ڈرامہ

اشخاص

یوسف جی اسمٰعیل بھائی۔ بمبئی کا ایک امیر جوہری۔

سلیم۔ یوسف جی کا ایک معتبر ملازم۔

شاہد حسین۔ خفیہ پولیس کا افسر۔

ہدایات۔ یوسف جی اپنے آراستہ کمرے میں بحالتِ پریشان بیٹھے ہیں۔ اس کمرے کے بائیں کونے میں ایک دروازہ ہے۔ جو اُن کی خوابگاہ میں کھلتا ہے۔ دائیں جانب اس کمرے کا بیرونی دروازہ ہے۔

یوسف جی۔ (وفورِ پریشانی میں دونو ہاتھوں سے سر تھام کر) کس قدر تعجب ہے۔ کتنی حیرت ہے۔ کل

میں نے اپنے ہاتھوں سے اس ہیرے کو تجوری میں بند کیا۔ تجوری ویسی کی ویسی بند ہے کنجی میرے پاس ہے۔ اور ہیرا غائب (اُٹھ کر اور کمرے میں ٹہل کر) آخر یہ پولیس کس مرض کی دوا ہے۔ میرے ہی گھر کا کونہ کونہ تلاش کرنے اور مجھ ہی سے سوالات کرنے کے سوا اور کچھ نہیں کرتی۔ اگر میں ہی بتا سکتا۔ تو ان کو یہ تکلیف کیوں دیتا (پھر کچھ سوچ کر) آہ! اگر یہ ہیرا گم ہو گیا۔ تو ... ...

(سلیم چائے کی کشتی ہاتھوں میں لیے داخل ہوتا ہے)

سلیم۔ چائے حاضر ہے۔

یوسف۔ چائے! اگر سلیم اس کمرے میں میرے یا تمہارے سوا اور کوئی نہیں آتا۔ پھر یا تو تم چور ہو یا میں۔

سلیم۔ (رونی صورت بنا کر) تو حضور کو مجھ پر شک ہے حضور کے نمک ہی کی مار پڑے۔ جو میں نے آنکھ اُٹھا کر کبھی آپ کے مال کو دیکھا ہو۔ لیجئے میں کہیں گیا تو نہیں۔ میری تلاشی لے لیجئے۔ (ایک ایک کر کے ٹوپی۔ واسکٹ۔ اور پھر جوتا اُتار کر دکھاتا ہے)۔

یوسف جی (جوتے کو دیکھ کر) بس بھائی بس تلاشی ہو

چکی۔ (سلیم پھر بسورنا شروع کرتا ہے)
ارے بھئی میں نے کب کہا ہے کہ تم چور ہو۔
سلیم۔ (روتے ہوئے) ابھی ابھی آپ نے ہی تو کہا تھا۔ کہ چور یا تم ہو یا میں۔
یوسف جی۔ (چائے پیتے پیتے) تو بھئی میں نے کیا خطا کی۔ تم کو چور کہا۔ تو اپنے آپ کو کب بخشا اچھا جانے دو۔ بھائی معاف کرو۔ تم چور نہیں۔ چور میں ہوں۔ مگر یہ تو .. ..
(ٹیلیفون کی گھنٹی بجتی ہے)
یہ کون؟ سلیم ذرا دیکھنا تو۔
(سلیم ٹیلیفون پر باتیں کرتا ہے)
سلیم۔ ہاں ہاں۔ تشریف رکھتے ہیں۔ ذرا ٹھہریئے۔
(یوسف جی سے مخاطب ہو کر)
کوئی صاحب آپ سے باتیں کرنا چاہتے ہیں۔ خفیہ پولیس کے دفتر سے .. .. اُنھوں نے شاید یہی کہا ہے۔
یوسف جی (جلدی سے چائے کا پیالہ رکھ کر) اب خواب غفلت سے جاگے۔ خیر! (ٹیلیفون پر) میں ہوں .. .. .. یوسف جی .. .. .. جی، میں ہی یوسف جی اسمٰعیل بھائی ہوں۔ فرمایئے .. ۔ جی ہاں۔ چوری میرے ہی۔ ہاں ہوئی ہے

کون آئیگا۔ آپ؟ ... ... آپ کون صاحب ہیں
... ... شاہد حسین ... ... آپ کی تعریف؟ ...
. انسپکٹر خفیہ پولیس۔ آیئے صاحب ضرور آیئے۔
اور جلد آیئے۔ میں آپ ہی کے انتظار میں ہوں
... ... دس بجے سے پہلے نہیں آسکتے؟
(قریب کی کرسی پر بیٹھ کر اور ذرا اطمینان سے
گھڑی دیکھ کر)
ابھی نو بجے ہیں۔ افوہ ایک گھنٹہ باقی ہے! خیر
میں اتنے میں کپڑے پہنے لیتا ہوں۔ سلیم تم
یہاں ٹھہرو۔ میں ذرا کپڑے بدل لوں۔
(خواب گاہ میں جاتے ہیں)
(سلیم ذرا سی دیر انتظار کرتا ہے۔ اور پھر احتیاط سے
چاروں طرف دیکھ کر ٹیلیفون پر باتیں کرتا ہے)
دیکھو۔ مَیں ہوں ٹالی۔ جلدی کرو۔ مجھ پر شبہ کیا جا
رہا ہے۔ دس بجے خفیہ پولیس کا افسر آ رہا
ہے ... ... اُس کا نام؟ شاہد حسین۔ مگر
پولیس نے مکان گھیر رکھا ہے۔ میں باہر نہیں
جا سکتا۔ دس بجے ... ... ٹھیک دس بجے۔
خدا کے واسطے جلدی کرو۔ میں کیا کروں ۔
... ... بہت بہتر +
(واپس آ کر بڑے اطمینان سے دیواروں پر لگی ہوئی

تصویروں کو دیکھنے میں مصروف ہو جاتا ہے۔ یوسف جی داخل ہوتے ہیں)

یوسف جی۔ ہاں بھئی سلیم! تو تم کو پورا اطمینان ہے کہ میرے اور تمہارے سوا کل سے اس کمرے میں کوئی نہیں آیا۔

سلیم۔ (پھر رونی صورت بنا کر) خدا کا غضب ٹوٹے جو میں نے کل سے آپ کے کمرے میں قدم بھی رکھا ہو۔

یوسف جی۔ (گھبرا کر) نہیں۔ میں نے تو یونہی ایک سوال کیا تھا۔ تم پھر رونے لگ گئے۔ جاؤ آرام کرو۔ ہاں چائے کے برتن اُٹھا لے جاؤ۔

(سلیم برتن اُٹھا کر روتا ہوا چل دیتا ہے)

سلیم بالکل بے گناہ ہے۔ کس قدر معصوم ہے میں نے اُسے ناحق رلایا۔ کتنے برس سے میرے پاس کام کر رہا ہے۔ نہیں یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔

(سلیم داخل ہوتا ہے)

یوسف جی۔ کیوں کیا ہے؟

سلیم۔ حضور! انسپکٹر شاہد حسین آپ سے ملنے کے لئے آئے ہیں۔

یوسف جی۔ (گھڑی دیکھ کر) انسپکٹر شاہد حسین! ابھی

تو سوا نو ہی بجے ہیں۔ خیر بُلا لو۔

(انسپکٹر شاہد حسین داخل ہوتے ہیں۔)

شاہد حسین۔ آداب عرض ہے۔ میں معافی چاہتا ہوں۔ ذرا وقت سے پہلے ہی آ گیا۔ مجھے آپ کی پریشانی کا خیال تھا ؛

یوسف جی۔ تسلیم۔ تسلیم۔ آپ نے بہت مہربانی کی۔ میں آپ ہی کا انتظار کر رہا تھا ؛

شاہد حسین۔ اگر تکلیف نہ ہو۔ تو اس چوری کا مفصل حال مجھے بتا دیجئے۔ تاکہ میں اپنی تحقیقات شروع کر سکوں ؛

یوسف جی۔ اجی مفصّل حال کیا ہے۔ جو عرض کروں۔ میں جواہرات کی تجارت کرتا ہوں۔ کوئی آٹھ دن گذرے میں نے ایک ہیرا دس ہزار روپیہ پر خریدا۔ اور اپنی دانست میں بہت سستا خریدا۔ کل رات تک وہ میری تجوری میں محفوظ تھا۔ اور آج غائب۔ بس ؛

شاہد حسین۔ (سوچتے ہوئے) ہوں ہوں۔ اس کمرے میں کل رات سے اس وقت تک کون آیا؟

یوسف جی۔ صرف میں یا میرا ملازم۔ وُہی جس نے آپ کے آنے کی اِطلاع دی۔ مگر وہ بہت معتبر ہے۔ مُدّت سے میرے پاس ہے۔ مجھے اس پر

کوئی شبہ نہیں۔

شاہد حسین۔ خیر۔ مگر یہ تو بتائیے۔ کہ یہ ملازم کل سے کہیں باہر تو نہیں گیا؟

یوسف جی۔ بالکل نہیں۔

شاہد حسین۔ (سوچتے ہوئے) کیا میں اس تجوری کو دیکھ سکتا ہوں؟

یوسف جی۔ بڑی خوشی سے۔ ادھر آیئے۔ وہ میرے سونے کے کمرے میں رکھی ہے۔

(دونو اُٹھ کر جانا چاہتے ہیں۔ کہ سلیم داخل ہوتا ہے)

سلیم۔ کوئی صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ اور وہ بھی اپنا نام انسپکٹر شاہد حسین بتاتے ہیں۔

یوسف جی۔ انسپکٹر شاہد حسین!

شاہد حسین۔ (ذرا بیتاب ہو کر سوچتے ہوئے)۔ ہوں ہوں۔ انسپکٹر شاہد حسین۔ ہاں سیٹھ صاحب انہیں بلایئے۔ اچھا ہوا۔ کہ میں وقت سے کچھ پہلے ہی آ گیا۔

(سلیم سے) جاؤ انہیں بلا لاؤ۔

(یوسف جی سے) مگر سنیئے۔ میرا نام نہ بتایئے گا۔ فقط یہی کہہ دیجئے۔ کہ میں آپ کا ایک دوست ہوں۔

(سلیم اور انسپکٹر شاہد حسین نمبر ۱ داخل ہوتے ہیں)

شاہد حسین نمبر ۲- تسلیمات- (سلیم کو غور سے دیکھتے ہوئے یوسف جی سے مخاطب ہو کر) سیٹھ جی اسمٰعیل بھائی آپ ہی کا نام ہے- میں خفیہ پولیس-

(شاہد حسین نمبر ا کی طرف مشتبہ نظروں سے دیکھ کر) اہتم اہتم-

یوسف جی- کوئی مضایقہ نہیں- یہ میرے دوست ہیں- آپ فرمائیے-

شاہد حسین نمبر ۲- خیر- کیا میں آپ کے ملازم سے دو تین سوالات پوچھ سکتا ہوں؟

یوسف جی- بڑی خوشی سے

(پکار کر) سلیم! سلیم! میاں اِدھر آؤ-

سلیم- (داخل ہو کر) جی سرکار!

شاہد حسین نمبر ۲- (سلیم کو بنظرِ غائر دیکھ کر) تم یہاں کب سے ملازم ہو؟

سلیم- ایک مُدت ہو گئی ہے-

شاہد حسین نمبر ۲- کتنے روز؟ کتنے مہینے؟ کتنے برس؟

سلیم- یہ تو میں نہیں جانتا صاحب- مگر ہو گئے ہونگے یہی کوئی دس بارہ برس-

شاہد حسین نمبر ۲- مگر چھ برس ہوئے- تم الہ آباد میں تھے-

سلیم۔ (رو کر) میں الہ آباد میں؟ صاحب میں نے
تو الہ آباد کی صورت بھی نہیں دیکھی۔
شاہد حسین نمبر ۲۔ اب رونے دھونے سے کام
نہیں چلیگا۔ دیکھیں تمہارا جوتا۔ یہ تم نے کہاں
سے خریدا ہے؟
سلیم۔ یہیں سے (دایئں پاؤں کا جوتا اُن کے ہاتھ
میں دے دیتا ہے۔ اور چپکے سے بائیں پاؤں
کا جوتا دائیں پاؤں میں پہن لیتا ہے)
شاہد حسین نمبر ۲۔ ٹھیک (جوتا واپس دے کر) لاؤ
تو دوسرا پاؤں (سلیم جوتے کو لے کر اور دائیں
پاؤں میں ڈال کر پھر اُسی کو واپس دے دیتا
ہے)
سلیم۔ لیجئے۔
شاہد حسین نمبر ۲۔ خوب دونو دائیں پاؤں۔ (اسے اپنے
ہاتھ پر رکھ کر) ذرا دیکھیں دوسرا پاؤں۔ وہ جو
اب تمہارے بائیں پاؤں میں ہے۔
سلیم۔ (بحالت مجبوری دوسرا جوتا دے کر) لیجئے۔
شاہد حسین نمبر ۲۔ (جوتے کی ایڑی کو ٹھوک بجا کر
باہر کی طرف کھینچتا ہے۔ اس میں سے ہیرا
نکال کر خوشی اور کامیابی کے اظہار سے) لیجئے سیٹھ
صاحب یہ ہے آپ کا ہیرا۔ اب میں آپ کے

اِس معتبر ملازم کو ذرا بڑے گھر کی ہوا کھلانے کے لئے تکلیف دینے کی اجازت چاہتا ہوں۔

شاہد حسین نمبر ا۔ (ایک پستول کی نالی شاہد حسین نمبر ۲ کی طرف کرکے) ایسی جلدی کیا ہے؟

شاہد حسین نمبر ۲۔ آپ کا اِس حرکت سے مطلب؟

شاہد حسین نمبر ا۔ صرف یہی کہ میں آپ کی چال سمجھ گیا۔ (یوسف جی سے) سیٹھ صاحب! یہ شخص بھی آپ کے ملازم کا راز دار ہے۔ اور چور ہے۔ جو ہیرا اِس وقت آپ کے ہاتھ میں ہے۔ صرف موم کا بنا ہُوا نقلی ہیرا ہے۔ اصلی ہیرا اس وقت اِس کی جیب میں ہے۔ (شاہد حسین نمبر ۲ سے مخاطب ہو کر) ہاں ذرا اپنے ہاتھ تو اُٹھایئے۔ (وہ ہاتھ اُٹھاتا ہے) سیٹھ صاحب! اب آپ اِس کی جیب سے اپنا ہیرا نکال لیجئے۔

(باہر کے دروازے پر کوئی شخص آواز دیتا ہے)

یوسف جی۔ یہ کون؟

شاہد حسین نمبر ا۔ ٹھہریئے۔ یہ بھی شاید انہی کا کوئی ساتھی ہے۔ ان دونوں کو آپ اپنی خواب گاہ میں بند کر دیجئے۔

(سلیم اور شاہد حسین نمبر ۲ سے مخاطب ہو کر) چلیئے تھوڑی دیر کے لئے اس کمرے میں آرام

فرمائیے۔
(خوابگاہ میں داخل کرکے دروازہ بند کر دیتا ہے)
(یوسف جی سے) آپ تھوڑی دیر کے لئے سیٹھ صاحب مجھے یوسف جی اسمٰعیل بھائی بننے کی اجازت دیجئے۔ آپ میرے وکیل ہیں۔ اور کسی قانونی مشورہ کے لئے اِس وقت میرے ہاں تشریف لائے ہیں۔
(بیرُونی دروازہ کھولتا ہے)
آیئے آیئے۔ جناب کا اسم شریف۔
ملاقاتی۔ میرا نام انسپکٹر شاہد حسین ہے۔
(یوسف جی نام سُن کر چونک پڑتے ہیں)
شاہد حسین نمبرا۔ آپ وکیل صاحب ذرا مسودہ تیار کر لیجئے۔
(شاہد حسین نمبر۳ سے مخاطب ہوکر)
آیئے اس کمرے میں تشریف لایئے۔ اسی میں وہ تجوری رکھی ہے۔
(کمرے میں داخل ہوتے ہیں۔ تھوڑی سی دیر میں کسی کے چیخنے کی آواز سُنائی دیتی ہے۔ انسپکٹر شاہد حسین نمبرا واپس آتا ہے)
سب کے سب گرفتار ہو گئے۔ آج کا دن بھی کتنا اچھا ہے۔ چوروں کا ایسا خطرناک جتھا

اور ایک ہی موقع پر قابو میں آ گیا۔ یہ صرف میری خوش قسمتی ہے۔ آئندہ سے سیٹھ صاحب ذرا اپنے ہیروں کو سنبھال کر رکھا کیجئے۔

(شاہد حسین نمبر۲ اور سلیم چُپ چاپ خوابِ گاہ کا دروازہ کھول کر اور پستول ہاتھ میں لئے داخل ہوتے ہیں)

چوروں کا کچھ اعتبار نہیں۔ عین اِس وقت جب آپ اپنے آپ کو بالکل محفوظ خیال کرتے ہوں۔ ممکن ہے کہ وہ آپ کی تجوری کی تاک میں ہوں مثلاً اس وقت آپ کو کیا معلوم ہے۔ کہ آپ اس شہر کے تین ہوشیار اور چالاک چوروں کے نرغے میں پھنسے ہوئے ہیں۔

(یوسف جی گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو گھِرا ہوُا پاتے ہیں)

یوسف جی۔ (بہت پریشانی سے) آپ کا ان باتوں سے مطلب ؟

شاہد حسین نمبر۱۔ یہی کہ ذرا ہم کو اجازت دیجئے۔ کہ آپ کو اس کُرسی کے ساتھ مضبوط باندھ دیں۔ تاکہ کم از کم تھوڑی دیر کے لئے آرام تو کر سکیں (ایک رسّی سے یوسف جی کو کُرسی کے ساتھ باندھ دیتا ہے) لیجئے سیٹھ صاحب خدا حافظ

اب جب آپ پھر کسی عجیب و غریب ہیرے کو بہت ہی سستے داموں پر خریدینگے۔ تو ہم آپ کی ملاقات کا شرف حاصل کریں گے۔
آداب عرض۔
(پستول جیب میں ڈال کر دروازے تک جاتے ہیں۔ اتنے میں دروازہ کھلتا ہے اور ایک شخص پستول کی نالی سامنے کئے داخل ہوتا ہے)
کون تم کون ؟
آنے والا۔ (بڑے اطمینان سے) خُفیہ پولیس کا انسپکٹر شاہد حسین۔
شاہد حسین نمبرا۔ (بہت گھبرا کر) بغیر اطّلاع اس طرح اندر آنے سے تمہارا مطلب ؟
انسپکٹر شاہد حسین۔ یہی کہ میں ایک ہوشیار سُراغرساں ہوں۔ اور وہ شخص جس کو تم شاہد حسین سمجھ کر کمرے میں بند کر آئے ہو۔ صرف میرا سارجنٹ تھا۔ اب میں ذرا تم سے بے تکلّف ہونے کی اجازت چاہتا ہوں۔ ذرا ہاتھ بڑھا دیجئے۔ دیکھئے اب مُنہ بنانے سے کیا فائدہ۔ شاباش۔ ایسے! کیا کہنا!!!
(تینوں کے ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈال دیتا ہے)
یوسف جی۔ (بہت حیرت اور مسرت سے) تو اصلی

انسپکٹر شاہد حسین آپ ہیں۔ ہا ہا ہا۔

حکیم احمد شجاع بی۔ اے علیگ

سوالات

۱۔ سلیم نے جب ٹیلیفون پر چوروں کو شاہد حسین انسپکٹر پولیس کے آنے کی اطلاع کی۔ تو چوروں نے اس سے کیا فائدہ اٹھایا؟

۲۔ جس شخص کو چوروں نے انسپکٹر شاہد حسین سمجھ کر کمرے میں بند کر دیا۔ کون تھا؟

۳۔ اصلی انسپکٹر شاہد حسین چوروں کو دھوکا دینے کے لیئے کیا چال چلا؟

۴۔ مندرجۂ ذیل میں سے مذکر کون کون سے ہیں اور مؤنث کون کون سے؟

تجوری۔ مرض۔ جُوتا۔ خطا۔ اطمینان۔

۵۔ "پولیس کس مرض کی دوا ہے" کا مطلب بیان کرو۔ نیز بتاؤ۔ کہ بڑے گھر کی ہوا کھلانے کے کیا معنی؟

۱۷- کسان

عِزّت ہے نزدِ گبر و مسلماں کسان کی
کیا جانے قدر جاہل و ناداں کسان کی
خلقِ خدا ہے بندۂ احساں کسان کی
دُنیا تمام یعنی ہے مہماں کسان کی

ہے اِس کی میزبانی کا شُہرہ جہان میں
شانِ خلیلِ[۱] حق ہے نمایاں کسان میں

وقفِ رفاہِ عام ہے محنت کسان کی
صرفِ فلاحِ ملک ہے قوّت کسان کی
عالم کے واسطے ہے مشقّت کسان کی
اللہ رے یہ چشمِ مروّت کسان کی

ہے کام ساری عمر بشر کی بھلائی سے
کُچھ اُس کا واسطہ نہیں اپنی کمائی سے

اپنی نہیں ہے فکر کچھ اصلا کسان کو
آرام و عیش کی نہیں پروا کسان کو

[۱] حضرت ابراہیم کا لقب ہے۔ خلیل کے معنے دوست کے ہیں۔ آپ اللہ کے دوست تھے۔ یعنی فرمانبردار بندے تھے۔

ہیں رنج سو طرح کے گوارا کسان کو
تکلیفیں سہنا پڑتی ہیں کیا کیا کسان کو

ہے مفلسی کی گود میں پل کر بڑا ہوا
ہمدردیِ بشر کا ہے چسکا پڑا ہوا

ضرب المثل نہ کیوں ہو قناعت کسان کی
روشن ہے سب جہان پہ حالت کسان کی
تھوڑی سی پونجی تھوڑی سی دولت کسان کی
اور اس پہ دیکھنے کی ہے ہمت کسان کی

غم اپنا کچھ نہیں ہے ذرا بھی کسان کو
ہے فکرِ رزقِ خلقِ خدا کی کسان کو

مشغول اپنے کام میں ہے روز و شب کسان
مصروفِ کاروبار ہے جب دیکھو تب کسان
ہے مستعد بلا کا جفاکش غضب کسان
وقتِ عزیز اپنا گنواتا ہے کب کسان

ہر صبح گھر سے دیکھا نکلتے کسان کو
کٹتی ہے عمر دھوپ میں جلتے کسان کو

بودا نہیں ہے رشتۂ الفت کسان کا
رہتا ہے ایک رنگِ طبیعت کسان کا
مذہب نہیں ہے بغض و عداوت کسان کا
شیوہ نہیں ہے قطع محبت کسان کا

کرتا ہے کیسی زندگیِ صلح کل بسر

پرخاش پر کسی کی نہیں باندھتا کمر

رحمت خدائے پاک کی تجھ پر کسان ہو
سرسبز تیرا کھیت سراسر کسان ہو
محنت کا اجر تجھ کو میسر کسان ہو
غلّہ سے پُر ہمیشہ ترا گھر کسان ہو

ہوں دست بُردِ قحط سے محفوظ کھیتیاں
اور تیرے در سے ملتی رہیں سب کو روٹیاں

جناب سیّد محمد فاروق

سوالات

۱۔ ان الفاظ کو نئے فقروں میں استعمال کرو:۔
رفاہِ عام۔ فلاحِ مُلک۔ محنت کا اجر۔ ضرب المثل۔ صلح کُل۔

۲۔ شاعر نے کسان کی تعریف میں کیا کیا صفات بیان کی ہیں۔ اُن کو شمار کرو۔

۳۔ نظم بالا کا مطلب آسان اُردو نثر میں لکھو۔

۴۔ "ہر صبح کو گھر سے دیکھا نکلتے کسان کو" کی ترکیب نحوی کرو۔

۵۔ فلاحِ مُلک۔ چشمِ مروّت۔ ہمدردئ بشر۔ خلقِ خدا۔ رنگِ طبیعت قطعِ محبت۔ خدائے پاک۔ کون کون سے مرکب ہیں؟

۱۸- گھر سے نِکل کے دیکھو

"سفر وسیلۂ ظفر ہے" یہ مقولہ اگلے زمانے میں بھی سچ تھا۔ اور آج بھی سچ ہے۔ بلکہ پہلے کم تھا۔ اب زیادہ۔ پہلے افراد پر عائد ہوتا تھا۔ اب اقوام پر حاوی ہے۔ کسی ترقی کرتی ہوئی قوم کا نام لو۔ جو اُس کے فوائد سے بے خبر ہو۔ دُنیا کی موجودہ تجارت کا فروغ اسی اُصول پر مبنی ہے۔ جرمنی[۱] آج کل صنعت و حرفت کی ترقی میں اوّل درجے پر شمار کیا جاتا ہے کیا اِس صنعت و حرفت کا مدار محض اہلِ جرمنی کی قدردانی پر ہے؟ اس میں شک نہیں۔ کہ اہلِ مُلک بھی اپنے مال سے بڑھ کر کسی کے مال کو نہیں سمجھتے۔ دوسرے مُلکوں کی بنی ہوئی چیزیں اگر جرمنی میں راہ پانے کی کوشش کریں۔ تو وہاں کی حکومت ان اشیا پر بھاری محصول لگاتی ہے۔ تاکہ مُلکی اشیا کا مقابلہ نہ کر سکیں۔ مگر یہ وہاں کی صنعتی ترقی کا ایک جزو ہے۔ اور شاید یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ جُزوِ قلیل۔ جُزوِ اعظم بیرونی تجارت پر منحصر ہے

[۱] یہ مضمون جنگِ عظیم سے بہت پہلے لکھا گیا تھا۔

دُنیا کا کونسا گوشہ ہے۔ جہاں جرمن ساخت کا مال نہیں پہنچتا۔ چین میں اس کی کھپت ہے۔ روم میں اس کی قدر ہے۔ افریقہ کی منڈیاں وہ گھیرے ہوئے ہے۔ اور ہندوستان کے بازاروں میں وہ انگریزی ساخت کی چیزوں سے بڑھ کر بکتا ہے۔ یہاں تک کہ خود انگلستان باوصف بڑا تجارتی مُلک ہونے کے جرمن ساخت کی اشیا کی دستبُرد سے بچ نہیں سکتا اور لندن کے بازاروں میں لاکھوں کا مال جرمنی سے آیا ہوا بکتا ہے۔ امریکہ بھی اس ترقی میں کسی سے کم نہیں۔ اور انگلستان بھی اوّل درجے کے تجارتی ممالک میں ہے۔ اس کے سوا یورپ کے قریب قریب سب مُلک اس تجارتی لوٹ میں جو دُنیا میں مچ رہی ہے۔ کم و بیش حصّہ دار ہیں۔ مشرقی اقوام میں سے جاپان نے حال ہی میں اِس گُر کو سیکھا ہے۔ اور جاپانی چیزیں بھی جا بجا پھیلتی جاتی ہیں۔ اب ہندوستان کی باری ہے۔ ہاتھ کے کام میں اب بھی ہمارا وطن کسی سے کم نہیں۔ اور ابھی کل کی بات ہے۔ کہ یورپ کی دوکانوں میں ہندوستان کی دستکاری مہنگے داموں بکتی تھی۔ اب مشین کا زمانہ آ گیا ہے۔ اور صنعتی اور تجارتی لڑائی میں اس قوم کا جو کل کا مقابلہ ہاتھ سے کرنا چاہے۔ وُہی حال ہوگا۔ جو میدانِ جنگ

میں توپ کا مقابلہ تیر و تفنگ اور بندوق کا سامنا تیغ و سنان کے ساتھ کرنے سے ہوتا ہے۔ وقت آ پہنچا ہے۔ کہ ہند جاگے اور اس کے ساتھ اہل ہند کی قسمت۔ اور ہندوستان والے دُنیا کی معزز اور صنعتی اور تجارتی اقوام کی مجلس میں برابر کی کرسی لیں۔ اس کا آغاز تو پہلے گھر کی خبر لینے سے ہی ہوگا۔ کہ اپنی ضرورت کی چیزیں اپنے کارخانوں سے خریدیں۔ مگر اس کا معراج یہ ہے۔ کہ ہندوستان کا مال زمانۂ سابق کی طرح اطراف دُنیا میں پھیلنے لگے۔ بیشک یہ منزل دُور ہے۔ اور دُشواریاں بھی رکھتی ہے۔ لیکن اس کا پیشِ نظر رہنا بہر حال ضرور ہے۔ مسافر کی رفتار پر اِس علم کا اثر ہوتا ہے۔ اور کوشش کا معیار جتنا بلند رہے مُفید ہے +

سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ اِس ترقّی کی تدبیریں کیا ہیں۔ تدبیریں تو مختلف ہیں۔ اور سب اپنی اپنی جگہ ضروری۔ مگر ہندیوں کا بکثرت دُنیا کے دُوسرے ملکوں میں پھیل جانا ان میں سے ایک تدبیر ہے۔ جس کی اہمیّت میرے دل پر روز بروز نقش ہوتی جاتی ہے۔ صنعتی تعلیم کے لئے سفر درکار ہے۔ تجارتی تعلقات بڑھانے کے لئے سفر درکار ہے۔ محنت مزدوری کے ذریعے ڈھونڈنے کے

لئے سفر درکار ہے۔ مگر ان کے علاوہ بعض
اَور فوائد دوسرے ممالک میں چندے قیام پذیر
رہنے سے وابستہ ہیں۔ جن کا اِحساس وطن میں
کم ہوتا ہے۔ اَور زیادہ تر وطن کے باہر ہی
ہو بھی سکتا ہے۔ دوسری قوموں کے اوضاع و
اطوار دیکھنے سے خیالات میں ایک وُسعت پیدا ہوتی
ہے۔ جو نہایت قابلِ قدر ہے۔ اَور جب کسی
ملک میں ایک کثیر تعداد ایسے لوگوں کی موجُود
ہو۔ جو مُدّتوں باہر رہے ہیں اَور جنہوں نے
اپنے ہاں کی ہوا کے سوا اَور مقامات کی بھی
ہوا کھائی ہے۔ تو نامعلوم طور پر ایک قسم کا
تغیّر مُلک کے حالات اَور خیالات میں پیدا ہونے
لگتا ہے۔ جیسے میدہ پر خمیر کا اثر ہوتا ہے۔
اَور بہت سی ترقیاں اَور بہت سی اصلاحیں جو
پہلے ناممکن نظر آتی تھیں۔ ممکن معلوم ہونے لگتی
ہیں۔ اَور کئی تعصّبات جو پہلے سدِّ راہ ہوتے تھے۔
راستے سے ہٹ جاتے ہیں۔ ہاں اس نتیجے کے
مترتّب ہونے کے لئے یہ ضرور ہے۔ کہ جو لوگ
سفر سے مستفید ہوں۔ وہ اُس کے فوائد کے اخذ
کرنے کی قابلیّت رکھتے ہوں۔ اَور اُن میں بیشتر
ایسا سفر کریں۔ جس کے اخراجات وہ سفر ہی

سے نکالیں نہ یہ کہ سب کے سب ملک کا روپیہ باہر صرف کر آئیں۔ اب تک جو کچھ لوگ سفرِ یوروپ کو نکلے ہیں۔ وہ عموماً یا تو طالب علمی کے لئے نکلے ہیں۔ یا محض سیاحت کے لئے۔ اور اُن لوگوں کی تعداد جو تجارت کی غرض سے یوروپ آئے ہیں۔ ابھی بہت کم ہے۔ تاہم اِس سلسلے کا آغاز ہی دِل خوش کُن ہے۔ اور ایسے اصحاب کی تعداد بڑھانے کی ضرورت ہے۔ لیکن میری مُراد سفر سے سفرِ یوروپ ہی نہیں۔ بلا شبہُ اِس وقت یُوروپ رونق کا مرکز بنا ہوُا ہے۔ اور صاحبانِ توفیق کے لئے اس کا دیکھنا خالی از لُطف و فائدہ نہیں۔ مگر میرا مُدّعا سفر سے عام سفر ہے۔ چین کا ہو یا جاپان کا۔ روم کا ہو یا ایران کا۔ تہذیب کے دعویدار یوروپ کا ہو یا تہذیب کے شکار افریقہ کا۔ سب سے سبق مِل سکتا ہے۔ سب سے فائدہ ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ کوئی محنت اور لیاقت کے جوہر لے کے نکلے اور ہمّت کی رفاقت نہ چھوڑے۔ کلکتہ اور بمبئی اور ہندوستان کے بعض اور بڑے شہروں میں ایک معقول تعداد چینیوں کی ملتی ہے۔ جو مختلف صنعتی اور تجارتی طریقوں سے روپیہ کما رہے

ہیں۔ اور بُوٹ بنانے میں خصوصیّت سے اُستاد ہیں کیا ان کے مقابل میں چین کے کسی مقام میں ایسی یا اس کے قریب تعداد ہندی دستکاروں کی موجود ہے؟ نہیں۔ انگریز تاجروں کو لو۔ اور اُن کے کارخانوں کو دیکھو۔ جو روپیہ گورنمنٹ کے خزانے میں ہمارے ہاں سے جاتا ہے۔ اس کی بابت تو فریادیں ہوتی ہیں۔ کہ ہم لُوٹے جا رہے ہیں۔ کیا یہ بھی گورنمنٹ کا قصور ہے۔ کہ سب بڑی بڑی تجارتی کوٹھیاں۔ بہت سے بڑے بڑے کارخانے۔ قریباً سب بستیاں جو چائے۔ نیل یا قہوہ کی پیداوار کے لئے قائم ہیں۔ انگریز تاجروں کے ہاتھ میں ہیں؟ کیا اگر خود اہلِ مُلک مشترکہ سرمایہ کی بڑی بڑی کمپنیاں رکھتے ہوں۔ اور کاموں میں حصّہ لیں۔ اور انگریز تاجروں کے نفع میں خود بھی شریک ہوں۔ تو کوئی انہیں روکتا ہے؟ چاہیئے تو یہ کہ ہر انگریز کے جواب میں جو ہندوستان میں تجارت کرکے روپیہ کماتا ہے۔ ایک ہندی تاجر انگلستان میں روپیہ کما رہا ہو۔ ہر فرانسیسی تاجر کے جواب میں ہندی کی کوٹھی فرانس میں ہو۔ ایران تجارتی اقوام کے لئے نغیز منڈی ہے۔ جب دُور دُور سے قومیں آ کر وہاں سے روپیہ کما

سکتی ہیں۔ تو ہندوستان والے جو پاس رہتے ہیں
کیوں مستفید نہ ہوں۔ خلیج فارس کے سواحل پر
چند جگہ ہندوستانیوں کی دکانیں ہیں۔ کیوں اس
سے زیادہ نہ ہوں۔ ملک کے اندر کے شہروں
میں کیوں ہندی تاجر گھس نہ جائیں؟ روم ہم
سے بہت دور بھی نہیں۔ اور ہمارے ابنائے وطن
میں خصوصاً مسلمانوں کا تعلق بھی اُس سے گاڑھا
ہے۔ روم میں ہر قوم کے تاجر ہیں۔ نہیں موجود
تو ہندی ہی نہیں۔ افریقہ کے بعض حصّوں میں
ہندوستانی جانے لگے تھے۔ اور کام بھی اُن کا
خاصہ بن چلا تھا۔ مثلاً جنوبی افریقہ میں۔ اور وہاں
آب و ہوا بھی اچھی تھی۔ مگر وہاں فرنگی اقوام کو
ان چند آدمیوں کی کامیابی بھی کانٹے کی طرح کھٹکی
اور اُنھوں نے ان کے راستے میں بے حد دقتیں
ڈال دیں۔ اور اُن کا جانا قریب بند کر
دیا۔ اچھا یہ دروازہ بند ہے۔ تو بند ہی سہی۔ اور
کئی دروازے افریقہ میں کھلے ہیں۔ وہاں گھس جاؤ۔
اور جو دروازہ بند ہے۔ اس کو بھی کھٹکھٹاتے رہو۔
کبھی تو کھلیگا ہی۔ جنوبی امریکہ کے بعض حصّوں میں
کچھ ہندی اچھی حالت میں ہیں۔ وہاں اُن کے
خلاف تعصّب بھی کم ہے۔ وہاں کچھ اور بھی کھپ

سکتے ہیں۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ اس وقت جمیع اقوامِ عالم کو مقناطیس کی طرح کھینچ رہی ہیں۔ جرمن سے ۔ رُوس سے ۔ فرانس سے ۔ انگلستان سے۔ لوگ وہاں جاتے ہیں۔ اور وہیں کے باشندے قرار پا جاتے ہیں۔ معلوم نہیں۔ اگر بہت سے ہندوستانی وہاں جا کر بسنا چاہیں۔ تو وہ کیا روّیہ اختیار کریں۔ لیکن تا حال اُن کا سلوک ہندوستانی سیّاحوں۔ واعظوں اور طلباء سے بہت عمدہ ہے۔ آزادی کی سر زمین ہے۔ زرخیزی میں دُنیا کے کسی حصّے سے کم نہیں۔ محنت مزدوری کے لئے اچھی ہے۔ بشرطیکہ کوئی ہُنر کسی کے پاس ہو۔ وہاں قسمت آزمائی کرنے والے نکلنے چاہئیں۔ کینیڈا تو سلطنت برطانیہ ہی کا حصّہ ہے۔ اور اس میں ہزاروں ایکڑ قابلِ زراعت زمین کاشتکار کے ہاتھ کا انتظار کر رہی ہے۔ وہاں کی گورنمنٹ آئے دن انگلستان اور دیگر ممالک یوروپ میں ایجنٹ بھیجتی ہے۔ کہ لوگوں کو ترغیب دے کر لاؤ۔ زمین مُفت دیگی۔ وہ آ کر قابض ہو جائیں۔ اور آباد کریں۔ آئے دن سینکڑوں جاتے ہیں۔ مگر اُدھر سے "ہل من مزید" کی آواز بھی جاری ہے۔ کچھ ہمّت والے پڑھے لکھے ہندوستانی اگر چاہیں۔

تو عجب نہیں۔ کہ اُنہیں وہی رعایات مل جائیں۔ جو اور آبادکاروں کو مل رہی ہیں۔ اور اگر یہ تجربہ کامیاب ثابت ہو۔ تو پھر اور زیادہ لوگ جانے لگیں۔ غرض اُمنگ اور جستجو شرط ہے۔ پھر اس میں کچھ کلام نہیں۔ کہ "پائے گدا لنگ نیست۔ مُلکِ خدا تنگ نیست۔"

اِس تحریک پر اعتراض دو ہو سکتے ہیں۔ اوّل تو یہ کہ خود ہمارا مُلک بہت وسیع ہے۔ اس میں ابھی بہت سی زمین قابلِ زراعت موجود ہے۔ اور بہت سے پیشے قابلِ تحصیل۔ سرمایہ جو باہر نکلنے کے لئے چاہئے۔ اُس کی بھی مُلک میں بیحد ضرورت ہے۔ پھر باہر جانا کیا معنے۔ دوسرا یہ کہ آگے ہی مُلک میں کام کرنے والے کم ہیں۔ اور اگر اِس طرح باہمت آدمیوں کا ایک معتدبہ حصّہ مُلک سے باہر چلا جائے۔ تو مُلک اور بھی غریب ہو جائیگا۔ اعتراض دونو بجا اور جاندار ہیں۔ جواب میں صرف یہی کہا جا سکتا ہے۔ کہ مُلک کے اندر جو ترقی ممکن ہے۔ وہ بھی کیجئے اور ضرور کیجئے۔ لیکن اگر قوموں میں نام پیدا کرنا ہے۔

لہ کچھ اور زیادتی ۔

تو دوسری قوموں سے بھی رشتہ پیدا کرنے کی بُنیاد ابھی ڈال دو۔ ہندوستان میں تمہاری سب کوششیں حدود سے گھری ہوئی ہیں باہر نکل کر نئے مُلکوں میں جو لوگ آزادی کی آب و ہوا میں زندگی بسر کریں گے۔ اور اپنی قوتوں کا دُوسری قوموں کی قوت سے موازنہ کریں گے۔ اُنہیں معلوم ہو جائیگا۔ کہ کوئی وجہ نہیں۔ کہ ہندی کسی سے کم رہیں۔ اُن کی حیثیت کا عکس دوسروں کی حیثیت پر پڑیگا۔ اگر وہ باہر اپنی قابلیت کا سکّہ جما دیں گے۔ اور اپنے چلن کی خوبی کا اعتراف کرا لیں گے۔ تو مُلک میں جو اُن کے بھائی ہونگے۔ اُنہیں بھی اِس نیکنامی کا حِصّہ ملیگا۔ اِس نظر سے یہ تدبیر امتحان کے قابل ہے۔ اور یہ ایثار کر گزرنے کے لایق۔ رہا دُوسرا اعتراض کہ کام کے آدمیوں سے مُلک کو خالی نہ کرنا چاہیئے۔ اس کا علاج یہ ہو سکتا ہے۔ کہ ہر شخص جو باہر نکلنے کا تہیّہ مُلک کی خاطر کرے وہ اِس ارادے کے ساتھ ہی یہ عہد کرکے جائے۔ کہ کامیابی کے بعد وہ ممالکِ غیر کو وطن ہی نہ بنا لیگا۔ اور اپنی عمر کا آخری حِصّہ اور اپنی محنت کی کمائی مُلک کی بھلائی میں صرف

کریگا۔ اور جو کسی اتفاق سے اپنے نئے وطن
کا پابند ہو جائے۔ وہ اپنے وطن مادری سے کبھی
رشتہ نہ توڑے۔ اور دُور بیٹھ کر بھی ہند کے لئے
باعث تقویت رہے۔ اور حتی المقدور مُلک کی بہتری
کے لئے کوشش کرتا رہے۔ جو کام فرزندانِ انگلستان
دُنیا کے دُور دراز حصّوں میں جا بسنے پر بھی
انگلستان کے لئے کرتے ہیں۔ وہی کام ہر ہندی
ہندوستان کے لئے کرتا رہے۔ اس شرط کو خیالی
اور موہوم نہ سمجھنا چاہیئے۔ جب قومیں بننے لگتی ہیں۔
اور اُن کے دن بھلے آتے ہیں۔ تو اُن کے
عزم و ارادے میں استقلال پیدا ہو جاتا ہے۔
اور اُن کے افراد گھر سے جو ارادے کرکے نکلتے
ہیں۔ اُس سے کبھی نہیں ٹلتے۔ پس حُبّ وطن کا
ہندیوں پر یہ اثر ہو۔ کہ وہ اپنا گھر گھُسنا پن
چھوڑ کر سفر کی صعوبتیں برداشت کرنے۔ نئے
مقامات میں رزق ڈھونڈھنے کی مشکلات کا سامنا
کرنے اور زیادہ کامیاب اقوام کے ہاتھوں طرح
طرح کی ذِلّتیں سہنے نکلیں۔ تو یہ بھی کچھ بعید
نہیں۔ کہ وہ وطن سے نکل کر وطن کو یاد رکھیں۔
اور اپنی فتح اور کامیابی کی گھڑیوں میں بھی اس
کے حق سے غافل نہ ہوں۔ اگر ڈھب کے آدمی

نکلنے لگیں۔ تو تجارت۔ زراعت۔ صنعت۔ اشاعتِ مذہب۔ کئی اسباب تحریک کے لئے موجود ہیں۔ موجودہ حالت کے مصداق مجھے دو چار مصرعے سوجھے ہیں۔ لکھے دیتا ہوں۔ شاعر ہوتا۔ تو اس لمبی تحریر کی بجائے ایک مختصر اور پُر زور نظم لکھ دیتا۔ جسے لوگ گاتے پھرتے۔ اب ان مصرعوں پر اکتفا کرتا ہوں۔ اور اپنے سخنور احباب سے عرض کرتا ہوں۔ ع۔ اگر "شاعری" یک اشارت بس است۔

بخت آزمانے نکلو۔ جنگل بسانے نکلو۔
کڑیاں اُٹھانے نکلو جانیں لڑانے نکلو
گھر سے نکل کے دیکھو۔ ہندوستان والو!
دولت کمانے نکلو حکمت اُڑانے نکلو
مذہب سکھانے نکلو ہر ہر بہانے نکلو
گھر سے نکل کے دیکھو۔ ہندوستان والو!

غرض نکلو تو سہی۔ مگر ایک شرط ملحوظ رہے۔ اس طرح گھر سے نہ نکلو۔ کہ نہ گھر کے رہو۔ نہ گھاٹ کے۔ بلکہ سامان کے ساتھ جس سے اپنی عزّت بڑھے۔ اور مُلک کی شان۔ ایسا نہ ہو۔ کہ جو بالکل بے زر ہیں۔ وہ بغیر مآلِ کار سوچے وطن کو چھوڑ دیں۔ تجارت والے سرمایہ کا بندوبست کرکے نکلیں۔ تعلیم کے شائق پہلے گھر سے خوب پڑھ کر

نکلیں - زراعت کے لئے جائیں - تو خود اس فن سے واقف ہوں - اور واقف کار آدمیوں کو ساتھ لے جائیں - صنعت والے اس قابل ہوں - کہ چار باتیں کسی سے سیکھیں - تو چار اس کو سکھا بھی سکیں - جس مُلک میں جائیں - اُس کی زبان پہلے حاصل کرنے کی کوشش کریں - اور اس کے اوضاع و اطوار سے واقفیت بہم پہنچا لیں - وہاں دن بسر کریں - تو اس طرح کہ معلوم ہو - کہ نہ صرف اپنی بلکہ اپنے ابنائے وطن کی عزت کا ہر وقت پاس ہے - اگر بڑھیں - اور ان احتیاطوں کے ساتھ بڑھیں تو کوئی دن میں وہ کامیابیاں جو اب اوروں کے حصے میں ہیں - ہمارے احاطۂ دسترس میں ہونگی - اور یہ جو ناکامیوں کی شکایت اب ہے - اُس کا خاتمہ ہو جائے گا - لندن میں ہزارہا یہودی روس سے آتے ہیں - اور دنوں میں کاروباری بن جاتے ہیں - چند سال کے بعد انگریزوں کے سے حقوق حاصل کرتے ہیں - اور اُن کی اولاد ہر اعتبار سے انگریز کا حکم رکھتی ہے - فرانسیسی - جرمنی ارمنی - یونانی - اطالیہ کے باشندے - ہسپانیہ کے باشندے - آسٹریا کے رہنے والے - رُوس کے ساکن - غرض ہر مُلک کے قائم مقام انگلستان کے

بڑے شہروں میں روزی کما رہے ہیں۔ اور محروم ہیں تو ہم جن کا اتنا حق انگلستان پر ہے۔ اور جن سے انگلستان کو بے شمار نفع پہنچتا رہتا ہے۔ یہی حال کم و بیش سلطنت برطانیہ کے دیگر حصص اور امریکہ وغیرہ میں ہے۔ اور جوں جوں اس کیفیت کو ہم بچشم خود دیکھتے ہیں۔ دل کڑھتا ہے۔ اور یہ آرزو پیدا ہوتی ہے۔ کہ ہمارے ہموطن بھی نکل پڑیں۔ اور اس خوانِ یغما میں شریک ہوں +

جناب شیخ سر عبدالقادر بی۔ اے۔ بیرسٹر ایٹ لاء

سوالات

۱۔ تجارت کو ترقی دینے کی غرض سے مضمون نگار نے کن اسباب کی سفارش کی ہے ؟

۲۔ گھر سے باہر نکلنے کے لئے مضمون نگار نے کن شرائط کی پابندی لازم قرار دی ہے ؟

۳۔ 'سفر وسیلۂ ظفر ہے' ایک جواب مضمون میں اس ضرب المثل کو آج کل کے حالات کے مطابق ثابت کرو۔ اور اس میں ان باتوں کا خاص طور پر ذکر کرو :-

(ا) سفر کرنے میں آج کل جو سہولتیں ہیں۔

(ب) وہ قومیں جو سفر کرکے ترقی کر رہی ہیں +

(ج) تجارت کا فروغ سفر پر منحصر ہے +
(د) سفر سے انسان نئے تجربے اور نئی معلومات حاصل کرتا ہے +
(ر) سفر کا مقصد یہ ہونا چاہیئے۔ کہ انسان اپنی معلومات سے اپنے وطن کو فائدہ پہنچائے۔ نہ کہ وطن کو چھوڑ کر دوسرے ملکوں میں بود و باش اختیار کرے +
۴۷۔ "گھر سے نکل کے دیکھو ہندوستان والو" کی ترکیب نحوی کرو +

۱۹۔ موسمِ گرما

دھوپ میں تیزی شعاعوں میں شرارت بڑھ چلی
پھر ہوا کے تند جھونکوں میں حرارت بڑھ چلی
یوں پسینے کے ہیں قطرے عارضِ گُل رنگ پر
جس طرح پھولوں پہ شبنم کا سماں وقتِ سحر
اب کہاں بادِ صبا میں وہ ادائے دِل نواز
خاک اُڑتی پھرتی ہے ہر سُو سمومِ جاں گداز
وہ روانی دامنِ صحرا کے نالوں میں کہاں
شوخیاں دلکش وہ اگلی سی غزالوں میں کہاں

خشک لب ہیں پیاس سے ہونٹوں پہ ہے جانِ حزیں
اور بیاباں میں کہیں اک بوند پانی کی نہیں
سیلِ گردوں کو سمجھ کر چشمۂ آبِ رواں
تک رہے ہیں دیدۂ حسرت سے ہو کر نیم جاں
دھوپ سے ایسے ہیں گھبرائے ہوئے مارِ سیاہ
بازوئے طاؤس کے سائے میں لیتے ہیں پناہ
دشت میں شیروں پہ ہیبت ایسی ہے چھائی ہوئی
پھرتی ہے قالب میں جانِ زار گھبرائی ہوئی
پیاس کی شدّت سے ہیں غاروں میں سرگرمِ خروش
ہو چلا ہے آتشِ غیظ و غضب کا سرد جوش
سامنے ہو کر گزر جاتے رہیں پیلانِ دماں
کیسا حملہ؟ ضعف سے اب جست کی طاقت کہاں
دھوپ کی شدّت سے یوں آتش بجاں طاؤس ہیں
بازوئے زرّیں نہیں ہیں، شعلۂ فانوس ہیں

دلفریبی کا وہ عالم سبزہ زاروں میں کہاں
وہ روانی دشت و در کے آبشاروں میں کہاں
اب کہاں وہ سبزۂ نوخیز کی دل کش مہک
اب کہاں وہ دامنِ صحرا میں پھولوں کی مہک
دوڑتے پھرتے ہیں بے تابانہ شعلے آگ کے
ہیں حریفِ شوخیٔ پروانہ شعلے آگ کے

یوں لئے شعلوں کو ہے آغوش میں اِک اِک شجر
جس طرح بجلی گرے ابرِ سیہ سے ٹوٹ کر
بڑھ کے پہنچے شعلے تیزی سے نیستاں کے قریب
مشتعل ہیں اب کسی وادی کے داماں کے قریب
ٹھنڈ کچھ سوکھے ہوئے آتے ہیں صحرا میں نظر
چونچ کھولے جس پہ دم لیتی ہیں چڑیاں بیٹھ کر

یوں تو صحرا کے مناظر ہیں غضب کے ہولناک
اُڑ رہی ہے چار سُو سے دشت کے دامن میں خاک
کتنے نظارے ہیں اس موسم کے پھر بھی خوشگوار
کتنی دلکش ہے کنول کے سُرخ پھولوں کی بہار
کتنا منظر ہے سکوتِ شام کا تسکیں فزا
چاند کی کرنوں کی کتنی پیاری پیاری ہے ادا
کس قدر لذّت فزا ذوق سماعِ ساز ہے
کتنا دلکش مہوشوں کے حسن کا انداز ہے
موسمِ گرما کی ہے کیا روح پرور چاندنی
مرہم کافور ہے زخمِ جگر پر چاندنی

جناب پیارے لال شاکر

سوالات

۱- موسم گل کی جو کیفیت اِس نظم میں بیان کی گئی ہے۔ اُسے صاف نثر میں لکھو +

۲- شاعر نے اس شعر میں جس تشبیہ سے کام لیا ہے۔ اس کی مماثل خصوصیات بیان کرو :-

یوں پسینے کے ہیں قطرے عارضِ گل رنگ پر
جس طرح پھولوں پہ شبنم کا سماں وقتِ سحر

۳- اس نظم کی مدد سے موسم گرما پر جواب مضمون لکھو ÷

۴- "چونچ کھولے جس پہ دم لیتی ہیں چڑیاں بیٹھ کر" کی ترکیب نحوی کرو ÷

۲۰- مجھے میرے دوستوں سے بچاؤ

ایک دن میں دِلّی کے چاندنی چوک میں سے گزر رہا تھا۔ کہ میری نظر ایک فقیر پر پڑی۔ جو بڑے مؤثر طریقہ سے اپنی حالتِ زار لوگوں سے بیان کرتا جا رہا تھا۔ دو تین منٹ کے وقفہ کے بعد درد سے بھری ہوئی تقریر اُنہیں الفاظ اور اسی پیرایہ میں دُہرا دی جاتی تھی۔ یہ طرز کچھ مجھے ایسا خاص معلوم ہوا

کہ میں اس شخص کو دیکھنے اور اس کے الفاظ
سُننے کے لئے ٹھہر گیا۔ اس فقیر کا قد لمبا۔ جسم
خوب موٹا تازہ تھا۔ اور چہرہ ایک حد تک خوبصورت
ہوتا۔ مگر بد معاشی اور بے حیائی نے صورت مسخ کر دی
تھی۔ یہ تو اُس کی شکل تھی۔ رہی اُس کی صدا۔ تو
میں ایسا قسی القلب نہیں ہوں۔ کہ صرف اُس کا مختصر
سا خلاصہ لکھ دوں۔ وہ اس قابل ہے۔ کہ لفظاً بلفظ
لکھی جائے۔ چنانچہ وہ اسپیچ یا صدا جو کچھ کہئے یہ تھی +
"اے بھائی مسلمانو! خدا کے لئے مجھ بد نصیب
کا حال سُنو۔ میں آفت کا مارا سات بچّوں کا باپ
ہوں۔ اب روٹیوں کو محتاج ہوں۔ اور اپنی مصیبت
ایک ایک سے کہتا ہوں۔ میں بھیک نہیں مانگتا
میں یہ چاہتا ہوں۔ کہ اپنے وطن کو چلا جاؤں۔ مگر
کوئی خدا کا پیارا مجھے گھر بھی نہیں پہنچاتا۔ بھائی
مسلمانو! میں غریب الوطن ہوں۔ میرا کوئی دوست
نہیں۔ ہائے میرا کوئی دوست نہیں۔ اے خدا کے
بندو! میری سُنو۔ میں غریب الوطن ہوں +"
فقیر تو کہتا ہوا اور جن پر اُس کے قصّہ کا
اثر ہوا۔ اُن کی خیرات لیتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ لیکن
میرے دل میں چند خیالات پیدا ہوئے۔ اور میں
نے اپنی حالت کا مقابلہ اُس سے کیا۔ اور مجھے خود

تعجب ہُوا۔ کہ اکثر امور میں مَیں نے اُس کو اپنے سے اچھا پایا۔ یہ صحیح ہے۔ کہ مَیں کام کرتا ہُوں۔ اَور وہ مُفت خوری سے دن گزارتا ہے۔ نیز یہ کہ مَیں نے تعلیم پائی ہے۔ وہ جاہل ہے۔ مَیں اچھے لباس میں رہتا ہُوں۔ وہ پھٹے پُرانے کپڑے پہنتا ہے۔ بس یہاں تک مَیں اُس سے بہتر ہُوں۔ آگے بڑھ کر اُس کی حالت مجھ سے بدرجہا اچھی ہے۔ اُس کی صحت پر مجھے رشک کرنا چاہیئے۔ مَیں رات دن فکر میں گذارتا ہُوں۔ اَور وہ ایسے اطمینان سے بسر کرتا ہے۔ کہ باوجود بسورنے اَور رونے کی صُورت بنانے کے اُس کے چہرے سے بشاشت نمایاں تھی۔ بڑی دیر تک میں غور کرتا رہا۔ کہ اُس کی یہ قابل رشک حالت کس وجہ سے ہے؟ اَور آخرکار مَیں اِس بظاہر عجیب نتیجہ پر پہنچا۔ کہ جسے وہ مصیبت خیال کرتا ہے۔ وہی اُس کے حق میں نعمت ہے۔ وہ حسرت سے کہتا ہے کہ "میرا کوئی دوست نہیں۔" مَیں حسرت سے کہتا ہُوں۔ "میرے اتنے دوست ہیں۔" اُس کا کوئی دوست نہیں۔ اگر یہ سچ ہے۔ تو اُسے مبارکباد دینی چاہیئے +

مَیں اپنے دِل میں یہ باتیں کرتا ہُوا مکان پر آیا۔ "کیسا خوش قسمت آدمی ہے۔ کہتا ہے۔ میرا

کوئی دوست نہیں۔ اے خوش نصیب شخص! یہیں تو مجھ سے بڑھ گیا۔ لیکن کیا اس کا یہ قول صحیح بھی ہے! یعنی کیا اصل میں اُس کا کوئی دوست نہیں۔ جو میرے دوستوں کی طرح اُسے دن بھر میں پانچ منٹ کی بھی فرصت نہ دے! میں اپنے مکان پر ایک مضمون لکھنے جا رہا ہوں۔ مگر خبر نہیں۔ کہ مجھے ذرا سا بھی وقت ایسا ملیگا۔ کہ میں تخلیہ میں اپنے خیالات جمع کر سکوں اور اُنہیں اطمینان سے قلمبند کر سکوں۔ یا جو اسپیچ مجھے کل دینی ہے۔ اُسے سوچ سکوں۔ کیا یہ فقیر دن دہاڑے اپنا روپیہ لے جا سکتا ہے۔ اور اُس کا کوئی دوست راستے میں نہ ملیگا۔ اور یہ نہ کہیگا۔ "بھائی جان! دیکھو پُرانی دوستی کا واسطہ دیتا ہوں۔ مجھے اس وقت ضرورت ہے۔ تھوڑا سا روپیہ قرض دو۔" کیا اس کے احباب وقت بے وقت اُسے دعوتوں اور جلسوں میں کھینچ کر نہیں لے جاتے؟ کیا کبھی ایسا نہیں ہوتا۔ کہ اُسے نیند کے جھونکے آ رہے ہوں۔ مگر یار دوستوں کا مجمع ہے۔ جو قصہ پر قصہ اور لطیفہ پر لطیفہ کہہ رہے ہیں۔ مگر اُٹھنے کا نام نہیں لیتے! کیا اسے دوستوں کے خطوں کا جواب نہیں دینا پڑتا؟ کیا اس کے پیارے دوست

کی تصنیف کی ہوئی کوئی کتاب نہیں جو اُسے خواہ مخواہ پڑھنی پڑے۔ اور ریویو لکھنا پڑے؟ کیا اُسے احباب کی وجہ سے شور مچانا اور ہُو حق کرنا نہیں پڑتا؟ کیا دوستوں کے ہاں ملاقات کو اُسے جانا نہیں پڑتا۔ اور اگر نہ جائے۔ تو کوئی شکایت نہیں کرتا؟ اگر ان سب باتوں سے وہ آزاد ہے۔ تو کوئی تعجب نہیں۔ کہ وہ ہٹا کٹا ہے۔ اور مَیں نحیف و نزار ہُوں۔ یا اللہ! کیا اس پر بھی شُکر ادا نہیں کرتا خدا جانے وہ اور کونسی نعمت چاہتا ہے؟ لوگ کہیں گے۔ اس شخص کے کیسے بیہُودہ خیالات ہیں! بغیر دوستوں کے زندگی دوبھر ہوتی ہے۔ اور یہ اُن سے بھاگتا ہے۔ مگر مَیں دوستوں کو بُرا نہیں کہتا۔ مَیں جانتا ہُوں۔ کہ وہ مجھے خوش کرنے کے لئے میرے پاس آتے ہیں۔ اور میرے خیر طلب ہیں۔ مگر عملی نتیجہ یہ ہے۔ کہ احباب کا ارادہ ہوتا ہے۔ مجھے فائدہ پہنچانے کا۔ اور ہو جاتا ہے مجھے نقصان۔ چاہے مجھ پر نفرین کی جائے۔ مگر مَیں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کہ آج تک میرے سامنے کوئی یہ ثابت نہ کر سکا۔ کہ احباب کا ایک جمِّ غفیر رکھنے اور شناسائی کے دائرے کو وسیع کرنے سے کیا

فائدہ ہے؟ میں تو یہاں تک کہتا ہوں۔ کہ اگر دُنیا میں کچھ کام کرنا ہے۔ اور باتوں ہی میں عمر نہیں گزارنی ہے۔ تو بعض نہایت عزیز دوستوں کو چھوڑنا پڑے گا۔ چاہے اِس سے میرے دل پر کیسا ہی صدمہ ہو۔

مثلاً میرے دوست احمد مرزا ہیں۔ جنہیں میں بھڑ بھڑیا دوست کہتا ہوں۔ یہ نہایت معقول آدمی ہیں۔ اور میری اُن کی دوستی نہایت پُرانی۔ اور بے تکلفی کی ہے۔ مگر حضرت کی خلقت میں یہ داخل ہے۔ کہ دو منٹ نچلا نہیں بیٹھا جاتا۔ جب آئیں گے شور مچاتے ہوئے۔ چیزوں کو اُلٹ پُلٹ کرتے ہوئے۔ غرضیکہ ان کا آنا بھونچال کے آنے سے کم نہیں ہے۔ جب وہ آتے ہیں۔ تو میں کہتا ہوں۔ کوئی آ رہا ہے۔ قیامت نہیں ہے۔ ان کے آنے کی مجھے دُور سے خبر ہو جاتی ہے۔ باوجودیکہ میرے لکھنے پڑھنے کا کمرہ چھت پر ہے۔ اگر میرا نوکر کہتا ہے۔ کہ "میاں! اس وقت کام میں بہت مشغول ہیں۔" تو وہ فوراً چیخنا شروع کر دیتے ہیں۔ کہ "کمبخت کو اپنی صحت کا بھی تو کچھ خیال نہیں۔ (نوکر کی طرف مخاطب ہو کر) خیراتی! کب سے کام کر رہے ہیں۔ بڑی دیر

سے ؟ توبہ توبہ ! اچھا بس میں ایک منٹ ان کے پاس بیٹھوں گا۔ مجھے خود جانا ہے۔ چھت پر ہوں گے نا ؛ میں پہلے ہی سمجھتا تھا "

یہ کہتے ہوئے وہ اُوپر آتے ہیں۔ اور دروازہ کو اس زور سے کھولتے ہیں۔ کہ گویا کوئی گولہ آ کے لگا۔ (آج تک اُنہوں نے دروازہ کھٹکھٹایا نہیں۔) اور آندھی کی طرح داخل ہوتے ہیں +

" ہاہاہا! آخر تمہیں میں نے پکڑ لیا۔ مگر دیکھو دیکھو میری وجہ سے اپنا لکھنا بند مت کرو۔ میں ہرج کرنے نہیں آیا۔ خدا کی پناہ ! کس قدر لکھ ڈالا ہے۔ کہو طبیعت تو اچھی ہے ؟ میں تو صرف یہ پوچھنے آیا تھا۔ واللہ مجھے کس قدر خوشی ہوتی ہے۔ کہ میرے دوستوں میں ایک شخص ایسا ہے۔ جو مضمون نگار کے لفظ سے پکارا جا سکتا ہے۔ لو اب جاتا ہوں۔ میں بیٹھونگا نہیں۔ ایک منٹ نہیں ٹھہرنے کا۔ تمہاری خیریت دریافت کرنی تھی۔ خدا حافظ !" یہ کہہ کر وہ نہایت محبت سے مصافحہ کرتے ہیں۔ اور اپنے جوش میں میرے ہاتھ کو اس قدر دبا دیتے ہیں۔ کہ انگلیوں میں درد ہونے لگتا ہے۔ اور میں قلم نہیں پکڑ سکتا۔ یہ تو علیحدہ رہا۔ اپنے ساتھ میرے کل خیالات کو

بھی لے جاتے ہیں۔ خیالات کو جمع کرنے کی کوشش
کرتا ہوں۔ مگر اب وہ کہاں؟ اور دیکھا جائے۔
تو میرے کمرے میں ایک منٹ سے زیادہ نہیں
رہے۔ تاہم وہ اگر گھنٹوں رہتے۔ تو اس سے
زیادہ نقصان نہ کرتے۔ کیا میں انہیں چھوڑ سکتا
ہوں؟ میں اس سے انکار نہیں کرتا۔ کہ میری
اور ان کی دوستی بہت پرانی ہے۔ اور وہ مجھ
سے بھائیوں کی طرح محبّت کرتے ہیں۔ تاہم میں
اُنہیں چھوڑ دُونگا۔ ہاں چھوڑ دُونگا۔ اگرچہ کلیجہ پر
پتھّر رکھنا پڑے +

اور لیجیئے! دوسرے دوست محمد تحسین ہیں۔
یہ بال بچّوں والے صاحب ہیں۔ اور رات دن
انہیں کی فکر میں رہتے ہیں۔ جب کبھی ملنے آتے
ہیں۔ تو تیسرے پہر کے قریب آتے ہیں۔ جب
میں کام سے تو فارغ ہو چکتا ہوں۔ لیکن اِس
قدر تھکا ہُوا ہوں۔ کہ دل یہی چاہتا ہے۔ کہ
ایک گھنٹہ آرام کُرسی پر خاموش پڑا رہوں۔ مگر
تحسین آئے ہیں۔ اور اُن سے ملنا ضروری ہے۔
اُن کے پاس باتیں کرنے کے لئے سوائے اپنی بیوی
بچّوں کی بیماری کے اور کوئی مضمون ہی نہیں۔
میں کتنی ہی کوشش کروں۔ مگر وہ اس مضمون سے

باہر نہیں نکلتے - اگر میں موسم کا ذکر کرتا ہُوں - تو وہ کہتے ہیں - ہاں بڑا خراب موسم ہے - میرے چھوٹے بچے کو بخار آ گیا - منجھلی لڑکی کھانسی میں مبتلا ہے - اگر پالیٹکس یا لٹریچر کے متعلق گفتگو شروع کرتا ہُوں - تو تحسین صاحب فوراً معذرت پیش کرتے ہیں - کہ بھائی آج کل گھر بھر بیمار ہے - مجھے اتنی فرصت کہاں - کہ اخبار پڑھوں - اگر کسی عام جلسے میں آتے ہیں - تو اپنے لڑکوں کو ضرور ساتھ لئے ہوتے ہیں - اور ہر ایک سے بار بار پوچھتے رہتے ہیں - کہ "طبیعت تو نہیں گھبراتی؟ پیاس تو نہیں معلوم ہوتی؟" کبھی کبھی نبض بھی دیکھ لیتے ہیں اور وہاں بھی کسی سے ملتے ہیں - تو گھر کی بیماری ہی کا ذکر کرتے ہیں +

اسی طرح میرے مقدمہ باز دوست ہیں - جنھیں اپنی ریاست کے جھگڑوں - اپنے فریق مخالف کی برائیوں اور جج صاحب کی تعریف یا مذمت کے (تعریف اس حالت میں جب کہ اُنہوں نے مقدمہ جیتا ہو) سوا اور کوئی مضمون نہیں - منجملہ اور بہت سے مختلف قسموں کے دوستوں کے میں محمد شاکر خاں صاحب کا ذکر خصوصیت سے کرونگا -

کیونکہ وہ مجھ پر خاص عنایت فرماتے ہیں۔شاکر خاں صاحب موضع سلیم پور کے رئیس اور ضلع بھر میں نہایت معزّز آدمی ہیں۔ اُنہیں اپنی لیاقت کے مطابق لٹریچر کا بہت شوق ہے۔ لٹریچر پڑھنے کا اتنا نہیں۔ جتنا لٹریری آدمیوں سے ملنے۔ اور تعارف پیدا کرنے کا۔ اُن کا خیال ہے۔ کہ اہلِ علم کی تھوڑی سی قدر کرنا اُمرا کے شایانِ شان ہے۔ ایک مرتبہ میرے ہاں تشریف لائے۔ اور بہت اصرار سے مجھے سلیم پور لے گئے۔ یہ کہہ کے کر :-

"شہر میں رات دن شور و شغب رہتا ہے۔ دیہات میں کچھ عرصہ رہنے سے تبدیل آب و ہوا بھی ہوگی۔ اور وہاں مضمون نگاری بھی زیادہ اطمینان سے کر سکوگے۔ میں نے ایک کمرہ خاص تمہارے واسطے آراستہ کرایا ہے۔ جس میں پڑھنے لکھنے کا سب سامان مہیّا ہے۔ تھوڑے دن رہ کے چلے آنا۔ دیکھو! میری خوشی کرو"

میں ایسے محبّت آمیز اصرار پر انکار کیسے کر سکتا تھا؟ مختصر سا سامان پڑھنے لکھنے کا لے کر میں اُن کے ساتھ ہو لیا۔ ایڈیٹر "معارف" سے وعدہ کر چکا تھا۔ کہ ایک خاص عرصہ میں اُن کی

خدمت میں ایک مضمون بھیجونگا۔ شاکر خاں صاحب کی کوٹھی پر پہنچ کر میں نے وہ کمرہ دیکھا۔ جو میرے لئے تیار کیا گیا تھا۔ یہ کمرہ کوٹھی کی دوسری منزل میں تھا۔ اور نہایت خوبی سے آراستہ تھا۔ اس کی ایک کھڑکی پائیں باغ کی طرف کھلتی تھی۔ اور ایک نہایت ہی دلفریب نیچرل منظر میری آنکھوں کے سامنے ہوتا تھا۔ صبح کو میں نیچے ناشتہ کی غرض سے بلایا گیا۔ جب دوسرا پیالہ چائے کا پی چکا۔ تو اپنے کمرے کو جانے کے لئے اٹھتا ہی تھا۔ کہ چاروں طرف سے اصرار ہونے لگا۔ کہ "ہیں! ہیں! کہیں ایسا غضب نہ کرنا۔ کہ آج ہی سے کام شروع کر دو۔ اپنے دماغ کو کچھ تو آرام دو۔ اور آج کا دن تو خاص کر اس قابل ہے۔ کہ سینری کا لطف اٹھانے میں گذارا جائے۔ چلئے گاڑی تیار کراتے ہیں۔ دریا پہ مچھلی کا شکار کھیلیں گے۔ پھر وہاں سے دو میل پر احمد نگر ہے۔ آپ کو وہاں کے رئیس راجہ طالب علی صاحب سے ملائیں گے"

میرا ماتھا وہیں ٹھنکا۔ کہ اگر یہی حال رہا۔ تو یہاں بھی فرصت معلوم! خیر سینکڑوں حیلے حوالوں سے اس وقت تو میں بچ گیا۔ اور میرے میزبان بھی میری وجہ سے نہ گئے۔ مگر مجھے بہت جلد معلوم

ہو گیا۔ کہ جس عنقا یعنی یکسوئی کی تلاش میں
مَیں سرگرداں تھا۔ وہ مجھے یہاں بھی نہ ملیگی ؛
مَیں جلدی سے اُٹھ کر اپنے کمرے میں آیا۔
اَور اُس وقت ذرا غور سے اُس میز کے سامان
کو دیکھا۔ جو میرے لکھنے اَور پڑھنے کے لئے تیّار
کی گئی تھی۔ میز پر نہایت قیمتی کامدار کپڑا پڑا
ہُوا تھا۔ جس پر سیاہی کا ایک قطرہ گرانا گُناہِ
کبیرہ سے کم نہ ہوگا۔ چاندی کی دوات۔ مگر سیاہی
دیکھتا ہُوں۔ تو سوکھی ہوئی۔ انگریزی قلم نہایت
قیمتی اَور نایاب مگر اکثر میں نِب ندارد۔ جاذب
کاغذ ایک مخملی جلد کی کتاب میں۔ مگر لکھنے کے
کاغذ کا پتہ نہیں۔ اسی طرح بہت سا اعلیٰ درجہ
کا بیش قیمت سامان میز پر تھا۔ مگر اکثر اس میں
میرے کام کا نہیں۔ اَور جو چیزیں کہ ضرورت کی
تھیں۔ وہ موجود نہیں۔ آخرکار مَیں نے اپنا وہی
پُرانا استعمالی مگر مفید بکس اَور اپنی معمولی دوات
اَور قلم (جس نے اب تک نہایت ایمانداری سے
میری مدد کی تھی۔ اَور میرے پرّاں خیالات
کو تیزی کے ساتھ قفسِ کاغذ میں بند کیا تھا)
نکالا اَور لکھنا شروع کیا۔ یہ ضرور ہے۔ کہ جن
مرغانِ خوش نوا کی تعریف میں شعرا اس قدر

رطب اللسان ہیں۔ ان کی عنایت سے میں خوش نہیں ہوا۔ کہ سب کے سب میرے کمرے کے نیچے درخت پر جمع ہو گئے۔ اور شور مچانا شروع کر دیا۔ تاہم میں نے کوشش کرکے اُن کی طرف سے کان بند کر لئے۔ اور کام میں ہمہ تن مشغول ہو گیا ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ نن۔ تنتن تنتنانا۔ چھن۔ تاتن۔ تن تن نن" میں ایسا مصروف تھا۔ کہ دُنیا اور مافیہا کی خبر نہ تھی۔ یکایک اس تن نن نے چونکا دیا۔ ہیں یہ کیا ہے؟ اُفوہ! اب میں سمجھا۔ میرے کمرے کے قریب شاکر خاں صاحب کے چھوٹے بھائی کا کمرہ ہے۔ اُنہیں موسیقی میں بہت دخل ہے۔ اس وقت ستار سے شوق فرما رہے ہیں۔ بہت خوب بجا رہے ہیں :-

"اس کی گلی سے آئے کیوں؟ نکہتِ زُلف لائے کیوں؟ مجھ کو صبا سے ہے اُمید۔ اہا مجھ کو صبا سے ہے اُمید۔ مجھ سے صبا کو کیا غرض +"

واہ وا! سبحان اللہ کیا غزل چھیڑی ہے۔

اے ترک سوارِ نواحِ عرب یثرب نگری پہنچا دینا
کس رنگ میں ہے وہ حبیب مرا مجھے وا کی خبریا لا دینا

بہت ہی خُوب! کمال کرتے ہیں +

کوئی آدھ گھنٹہ اُنھوں نے موسیقی کی مشق فرما کر مجھے میری خواہش کے خلاف محظوظ فرمایا۔ پھر کسی وجہ سے وہ اپنے کمرے سے چلے گئے۔ اور خاموشی طاری ہو گئی۔ تو مجھے پھر اپنے کام کا خیال آیا۔

"اے میرے خیالات تمہیں میرا گنجینہ میرا خزانہ ہو۔ خدا کے لیئے رحم کرو۔ میرے دماغ میں پھر آ جاؤ۔" یہ کہ کے میں کاغذ کی طرف متوجہ ہوا کہ دیکھوں کہاں چھوڑا ہے۔ میں اس فقرہ تک پہنچا تھا:-

"ہم اِس وسیع اور دقیق مضمون پر جتنا غور و فکر کرتے ہیں۔ اتنا ہی اُس کی مشکلات کا مثل" "مثل" کے آگے میں کیا لکھنے والا تھا؟ ریگ دریا کے اندازہ نہیں کر سکتے؟ ہرگز نہیں۔ ایسا معمولی فقرہ تو نہ تھا۔ مجھے یقین ہے۔ کہ کچھ اور تھا۔ کوئی اعلیٰ درجہ کی تشبیہ تھی۔ اور فقرے کو نہایت شاندار الفاظ میں ختم کرنے والا تھا۔ خدا ہی جانتا ہے۔ کہ کیا تھا۔ کیا نہ تھا۔ اب تو دماغ میں اُس کا پتہ بھی نہیں۔ گانے والے صاحب تو شکایت کر رہے تھے کہ:-

"اُس کی گلی سے آئے کیوں؟ نکہتِ زلف

لائے کیوں! مجھ کو صبا سے ہے اُمید
مجھ سے صبا کو کیا غرض؟"

مگر میرا تو صبا کے نام نے دماغ خالی کر دیا۔ اگر وہ آتی اور نکہتِ زُلف بھی لاتی۔ تو نہ معلوم کیا ہوتا۔ بہر حال اب مجھے وہ فقرہ از سرِ نو درست کرنا چاہیئے۔ مشکلات کی بجائے کچھ اور ہونا چاہیئے۔

"ہم اِس وسیع مضمون پر جتنا غور و فکر کرتے ہیں۔اُتنا ہی اُن بیش بہا عِلمی جواہر کو اپنے مُلک اور قوم کے عِلمی خزانہ کے پُر کرنے کے لئے کافی پاتے ہیں۔اور جن کی قدر آپ کہاں بھُول پڑے اتنے دنوں کہاں رہے؟"

"جن کی قدر آپ کہاں بھُول پڑے اتنے دنوں کہاں رہے!" یہ کیا مہمل فقرہ ہُوا۔ لاحول ولا قوۃ! مَیں بھی کیا گڑ بڑ کر رہا ہُوں۔ "آپ کہاں بھُول پڑے۔ اتنے دنوں کہاں رہے۔" یہ فقرے تو شاکر خاں صاحب نے کسی دوست سے کہے ہیں۔ جو ابھی اُن سے ملنے آئے ہیں۔ مَیں مصروفیّت میں اُنہیں ہی لکھ گیا +

ہاں تو کاٹ کے فقرہ درست کرنا چاہیئے:-
"اور جن کی قدر ابھی تک مُلک و قوم کو معلوم نہیں ہوئی ہے اور بظاہر۔"

کوئی دروازہ کھٹکھٹاتا ہے۔

"کون ہے؟"

"میں ہوں شبّن۔ سرکار نے کہا ہے۔ کہ اگر آپ کو تکلیف نہ ہو۔ تو نیچے ذرا سی دیر کے لئے تشریف لائیے۔ کوئی صاحب آئے ہوئے ہیں۔ اور سرکار اُنہیں آپ سے ملانا چاہتے ہیں۔"

با دلِ ناخواستہ میں اُٹھا اور نیچے گیا۔ شاکر صاحب کے دوست راجہ طالب علی صاحب تشریف لائے تھے۔ اُن سے میرا تعارف کرایا گیا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ تشریف لے گئے۔ اور مجھے بھی فرصت ملی۔ اور میں نے یکسو ہو کر لکھنا شروع کیا۔ تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی۔ کہ شبّن نے پھر دروازہ کھٹکھٹایا۔ معلوم ہوُا۔ کہ میری پھر یاد ہوئی۔ ہمارے میزبان کے کوئی اور دوست آئے ہوئے ہیں۔ اور میں انہیں دکھایا جاؤنگا۔ گویا میں بھی مثل اس عربی گھوڑے کے تھا۔ جسے میزبان نے حال ہی میں خریدا تھا۔ اور جو ہر دوست کو اصطبل سے منگا کے دکھایا جاتا تھا۔ اِن دوست سے نجات پاکر اور بھاگ کر میں پھر اپنے کمرے میں آیا۔ خیالات غائب ہو گئے تھے۔ فقرہ از سر نو پھر بنانا پڑا۔ طبیعت اُچاٹ ہو گئی۔ بہ ہزار دقت پھر

بیٹھا۔ اور لکھنا شروع کیا۔ اب کی مرتبہ خوش قسمتی سے کوئی آدھ گھنٹہ ایسا ملا۔ جس میں کوئی آیا گیا نہیں۔ اب میرا قلم تیزی سے چل رہا تھا۔ اور میں لکھ رہا تھا:۔

"ہم کو کامل یقین ہے۔ کہ ہمارے مُلک کے قابل نوجوان جنہیں تفتیش اور تحقیقات کا شوق ہے۔ اور جو کولمبس کی طرح نئی معلومات اور نئی دُنیا (گو وہ علمی دُنیا ہی کیوں نہ ہو) کے دریافت کرنے کے لئے اپنے تئیں . .. .."

دروازہ پر پھر دستک۔

"کیا ہے؟"

"حضور کھانا تیار ہے۔ میز پر چُنا جا چکا ہے۔"

"اچھا۔"

دریافت کرنے کے لئے اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالنے سے بھی خوف نہیں کھاتے۔ ضرور اس طرف متوجّہ ہونگے۔ اور اپنی کاوشوں اور کوششوں سے موجودہ۔"

دروازہ پھر کھٹکھٹایا گیا +

"ہاں"

"حضور! سرکار آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ کھانا ٹھنڈا ہوا جاتا ہے +"

"اوہ! مجھے خیال نہیں رہا۔ سرکار سے عرض کرنا۔ میرا انتظار نہ کریں۔ میں پھر کھا لونگا۔ اس وقت مجھے کچھ ایسی بھوک نہیں۔"

"اور آئندہ نسلوں کو زیر بارِ احسان کرینگے۔ یہی وہ نوجوان ہیں۔ جو قوم کی کشتی کو خدا کے اوپر بھروسہ کر کے خطرات سے بچاتے اور ساحل مراد تک پہنچاتے ہیں۔ زندگی اور موت کا لاینحل مسئلہ"

"وسنک"

"کیا ہے"؟

"سرکار کہتے ہیں۔ اگر آپ تھوڑی دیر میں کھا سکیں تو ہم بھی اسی وقت کھائیں گے۔ مگر کھانا ٹھنڈا ہو کے بالکل خراب ہو جائیگا"۔

"اچھا بھائی۔ لو ابھی آیا"۔

یہ کہہ کے میں کھانے کے لئے جاتا ہوں۔ سب سے معذرت کرتا ہوں۔ میزبان نہایت اخلاق سے فرماتے ہیں۔

"چہرے پر تھکن معلوم ہوتی ہے۔ کیا بہت لکھ ڈالا۔ دیکھو۔ میں تم سے کہتا تھا نا کہ شہر میں ایسی فرصت اور خاموشی کہاں"؟

سوائے اس کے کہ آمنّا و صدّقنا کہوں۔ اور کیا کہہ سکتا تھا۔ اب کھانے پر اصرار ہوتا ہے

چیز سے مجھے رغبت نہیں وہی کھلائی جاتی ہے۔
بعد کھانے کے میزبان صاحب فرماتے ہیں:۔
"سہ پہر کو تمہیں گاڑی میں چلنا ہوگا۔ میں تمہیں اِس واسطے یہاں نہیں لایا۔ کہ سخت دماغی کام کرکے اپنی صحت خراب کر لو"
واپس کمرے میں آ کر میں تھوڑی دیر اس غرض سے لیٹتا ہوں۔ کہ خیالات جمع کر لوں۔ اور پھر لکھنا شروع کر دوں۔ مگر اب خیالات کہاں؟ مضمون اُٹھا کر دیکھتا ہوں "زندگی اور موت کا لاینحل مسئلہ"! اِس کے متعلق کیا لکھنے والا تھا؟ ان الفاظ کے بعد کون سے الفاظ دماغ میں تھے؟ اب کچھ خیال نہیں۔ کہ اس کو پہلے فقروں سے کیونکر ربط پیدا کرنا تھا۔ یوں ہی پڑے پڑے نیند آ جاتی ہے۔
تیسرے پہر اُٹھتا ہوں۔ تو دماغ نہایت صحیح پاتا ہوں "زندگی اور موت کا لاینحل مسئلہ"! بالکل حل ہو جاتا ہے۔ پورا فقرہ آئینہ کی طرح صاف نظر آتا ہے بس خوشی خوشی اُٹھ کر میز پر گیا۔ اور لکھنا چاہتا تھا کہ پھر وہی دستک!
نوکر اطلاع دیتا ہے۔ کہ گاڑی تیار ہے۔ سرکار کپڑے پہنے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ میں فوراً نیچے جاتا ہوں۔ تو پہلا فقرہ جو میزبان صاحب کہتے ہیں۔ یہ

ہوتا ہے ۔ "آج تو دستے کے دستے لکھ ڈالے" میں سچی بات کہوں۔ کہ "کچھ بھی نہیں لکھا۔" تو وہ ہنس کے جواب دیتے ہیں۔ کہ آخر اس قدر کسر نفسی کی کیا ضرورت ہے؟ ؎

خدا کے واسطے جھوٹی نہ کھایئے قسمیں
مجھے یقین ہوا اور مجھ کو اعتبار آیا

مل ملا کر شام کو واپس آئے۔ کھانے کے بعد باتیں ہوتی رہیں۔ سونے کے وقت اپنا دن بھر کا کام اُٹھا کر دیکھتا ہوں۔ تو ایک صفحہ سے زیادہ نہیں۔ وہ بھی بے ربط و بے سلسلہ۔ غُصّہ اور رنج میں آ کر اُسے پھاڑ کر پھینک دیتا ہوں۔ اور دُوسرے روز اپنے میزبان کو ناراض کرکے اپنے گھر واپس چلا آتا ہوں۔ میں ناشکرا اور احسان فراموش کہا جاؤنگا مگر میں مجبور ہوں۔ اس عزیز اور مہربان دوست کو بھی چھوڑ دُونگا ؞

میں نے ذرا تفصیل سے اُن کا حال بیان کیا ہے۔ مگر یہ خیال نہ کرنا۔ کہ یہیں اُن احباب کی فہرست ختم ہو گئی۔ جن سے میں رُخصت طلب کر سکتا ہوں۔ نہیں ابھی بہت سے باقی ہیں۔ مثلاً ایک صاحب ہیں۔ جو مجھ سے کبھی نہیں ملتے۔ مگر جب آتے ہیں۔ میں اُن کا مطلب سمجھ جاتا ہوں۔ یہ "حضرت ہمیشہ

قرض مانگنے کے لئے آتے ہیں۔ ایک صاحب ہیں۔ جو ہمیشہ ایسے وقت آتے ہیں۔ جب میں باہر جانے والا ہوتا ہوں۔ ایک صاحب ہیں۔ جب مجھ سے ملتے ہیں۔ کہتے ہیں "میاں عرصہ سے میرا دل چاہتا ہے۔ تمہاری دعوت کروں" مگر کبھی اپنی خواہش کو پورا نہیں کرتے۔ ایک دوست ہیں۔ وہ آتے ہی سوالات کی بوچھاڑ کر دیتے ہیں۔ جب میں جواب دیتا ہوں۔ تو متوجہ ہو کر نہیں سنتے۔ یا اخبار اٹھا کر پڑھنے لگتے ہیں۔ یا گانے لگتے ہیں۔ ایک صاحب ہیں۔ جو جب آتے ہیں۔ اپنی ہی کہے جاتے ہیں۔ میری نہیں سنتے ؛

یہ سب میرے عنایت فرما اور خیر طلب ہیں۔ مگر میں اپنی طبیعت کو کیا کروں۔ صاف صاف کہتا ہوں۔ کہ ان میں سے ہر ایک سے کہہ سکتا ہوں :—

(ع) "مجھ پہ احساں جو نہ کرتے تو یہ احساں ہوتا"

اب چونکہ میں نے یہ حال لکھنا شروع کر دیا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ چند اور احباب کے متعلق اپنے دلی خیالات ظاہر کروں۔ دروازے پر ایک گاڑی آ کے رکی ہے۔ میں سمجھ گیا۔ کہ کون صاحب تشریف لا رہے ہیں۔ میں ان کی شکایت

نہیں کرنے کا۔ کیونکہ کیا تعجب کی بات نہیں ہے کہ تین گھنٹہ سے میں یہ مضمون لکھ رہا تھا۔ کہ کسی کرم فرما نے کرم نہیں فرمایا۔ اس لئے اُس کے شکریہ میں مَیں اس مضمون کو اسی ناتمام حالت میں چھوڑتا ہوں۔ اور اپنے دوست کا خیر مقدم کرتا ہوں۔ یہ دوست میری صحت کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ جب آتے ہیں مجھ پر اس وجہ سے ناراض ہوتے ہیں۔ کہ "تم اپنی صحت کا خیال نہیں رکھتے" میں جانتا ہوں۔ کہ اس وقت بھی یہ کسی نئے حکیم یا ڈاکٹر کا حال سنائیں گے۔ جو بڑا حاذق ہے۔ یا کوئی مجرب نسخہ میرے لئے کسی سے مانگ کر لائے ہونگے ؛

"آیئے آیئے! مزاجِ عالی! بہت دن بعد تشریف لائے" ؛

جناب سید سجاد حیدر بی۔ اے علیگ۔

سوالات

۱۔ اِس مضمون کو پڑھ کر اس کے اصل مطلب کا مختصر الفاظ میں بیان کرو ؛

۲۔ شاکر خاں صاحب رئیس سلیم گڑھ کے مکان پر مصنف مضمون کے ساتھ جو واقعات پیش آئے انہیں

اپنے الفاظ میں بیان کرو۔

۳۔ ان انگریزی الفاظ کے مرادف اردو الفاظ لکھو:۔
اسپیچ - لٹریچر - لٹریری - سینری۔

۴۔ "اگر آپ تھوڑی دیر میں کھائیں گے۔ تو ہم بھی کھائینگے"
کی ترکیب نحوی کرو۔

۵۔ "لاحولَ ولا قُوّۃَ" کی تشریح کرو۔ نیز بتاؤ۔ کہ یہ کس موقع پر استعمال کیا جاتا ہے؟

۲۱۔ مناظرۂ ہمّت و تدبیر

تدبیر یہ ہمّت سے لگی کہنے بہ تکرار
میں صاحبِ خانہ ہوں تُو ہے میری پرستار
ہمّت نے کہا اُس سے کہ بیہودہ نہ جھک مار
حامی ہے خدا میرا نہ کر مجھ سے یہ گفتار

میں وہ ہوں کہ ہر مُلک کو تسخیر کیا ہے
کی جس پہ نظر صاحبِ توقیر کیا ہے

انسانوں سے دُنیا کا سفر میں نے کرایا
ہر منزلِ دشوار کو آسان بنایا
بخشا شہِ جم جاہ کا نادار کو پایا
کر کرکے غلاموں کو شہنشاہ دکھایا

مانندِ پرِ کاہ بہت کوہ ہیں کاٹے
میدانوں میں انبوہ کے انبوہ ہیں کاٹے

جا پوچھ کلمبس[۵۱] سے روایت کہ میں کیا ہوں
پڑھ لارڈ کلائیو[۵۲] کی حکایت کہ میں کیا ہوں
یا حالِ نکلسن[۵۳] سے ہدایت کہ میں کیا ہوں
اللہ[۵۴] کی شاہد ہے حمایت کہ میں کیا ہوں

آنکھیں کھلیں گر مجھ کو بونا پارٹ[۵۵] سے پوچھے
معلوم ہو میں کیا ہوں جو لاکھارٹ[۵۶] سے پوچھے

کیا شان ہے میری کوئی یونان سے پوچھے
روم و عرب و بربر و ایران سے پوچھے
رتبہ مرا تاتار سے توران سے پوچھے
ہاں میری حقیقت کوئی جاپان سے پوچھے

شاہانِ جہاں غیرتِ جمشید کئے ہیں
رستم سے بہت زندۂ جاوید کئے ہیں

چنگیز[۵۷] بنی اور میں ایران میں پہنچی

۵۱ اس ہسپانوی شخص کا نام جس نے امریکہ کو دریافت کیا۔
۵۲ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ماتحت مدراس کا پہلا گورنر۔
۵۳ جنرل جان نکلسن ۵۴ "ہمت کا حامی خدا ہے" مشہور ضرب المثل ہے ۵۵ نپولین بونا پارٹ شہنشاہِ فرانس ۵۶ جنرل سر ولیم لاکھارٹ (سابق سپہ سالارِ افواجِ ہندوستان (کمانڈر اِن چیف) ۵۷ مراد چنگیز خان سے

نادر[1] ہوئی مُغلوں کے شبستان میں پہنچی
وال فتح تھی جس جنگ کے میدان میں پہنچی
آزاد تھے قیدی جو ہیں زندان میں پہنچی

محمود[2] کا جب رُوپ بھرا ہند پہ آئی
اسکندرِ اعظم کو اُٹھا سندھ پہ لائی

لونڈی بنے اللہ کی شان آپ بتائیں
توہین کریں طعنے دیں صلواتیں سنائیں
احسان جو کئے ہیں نے وہ سب دل سے بھلائیں
اور دیجئے تخریب ہوں در پردہ ستائیں

جو میں نہ یہاں ہوتی تو تُو چیز ہی کیا تھی
دُنیا میں تجھے رہنے کی تمیز ہی کیا تھی

تدبیر رجز خوانیاں ہمّت کی یہ سُن کر
بولی کہ میں ہوں خادمہ تم ہو مری افسر
ارشاد جو تم نے کیا ہو اس سے بھی برتر
سُن لیجئے پر عرض مری کان لگا کر

یہ مانا کہ دُنیا میں ضرورت ہے تمہاری
پر ساتھ ہی رہتی ہے ہماری بھی سواری

کہئے تو سہی آپ کہاں پہنچیں اکیلی
حاشر نہ تھی خاتون کی کس جا پہ سہیلی

سلہ مراد نادر شاہ سے جس نے ہندوستان پر محمد شاہ کے عہد میں حملہ کیا۔ سلہ سلطان محمود غزنوی +

تنہا کوئی بن میرے مصیبت بھی ہے جھیلی
سمجھائیے لِلّٰلہ شتابی یہ پہیلی

حائل ہوا جب ایلپس[۵۱] تو رہ کس نے بتائی؟
اس کوہ کی کس نے تھی چڑھائی وہ چڑھائی؟

ہر حال میں ساتھ آپ کے دمساز رہی ہوں
ہر مشورتِ خاص میں ہم راز رہی ہوں
دکھلاتی ہر اک کام میں اعجاز رہی ہوں
ہر معرکۂ جنگ میں جانباز رہی ہوں

آپ اکثر اوقات ہیں ناکام پھری ہیں
میدانوں سے ہم ہی ظفر انجام پھری ہیں

دربار میں عزت ہے اگر کچھ تو مجھے ہے
سرکار میں رفعت ہے اگر کچھ تو مجھے ہے
آفاق میں شہرت ہے اگر کچھ تو مجھے ہے
دُنیا میں لیاقت ہے اگر کچھ تو مجھے ہے

ہے کوئی اگر صاحبِ تمیز تو میں ہوں
در اصل ہے اکسیر کوئی چیز تو میں ہوں

چُپ رہتی جو ہمت تو بھلا تاب کہاں تھی
فرمایا کہ کیوں لاف سے آلودہ زباں تھی

[۵۱] ایلپس اُس دشوار گزار اور برف پوش پہاڑ کا نام ہے۔ جس پر سے فرانس کا مشہور عالی ہمت اور بلند حوصلہ شہنشاہ نپولین بونا پارٹ بہ حسنِ تدبیر معہ سامانِ جنگ گزر سکا تھا۔

کیا اپنی صفت آپ ہی کرنے میں ہے خوبی
ہے بات وہی جس میں نکالے نہ کوئی نی

آ عقل سے پوچھیں کہ بھلا کون بڑی ہے
ڈھیلی ہے تو ہے کون سی اور کون کڑی ہے

بی عقل۔ کہ پردہ سے یہ سب بحث تھیں سنتیں
آ سامنے کہنے لگیں دونوں گئی گذریں
لازم تھی یہی بات کہ تم ایسے سے رہتیں
جب پھوٹ ہوئی دونوں میں کچھ کر نہیں سکتیں

تدبیر نہ شامل ہو تو ہمت ہے جہالت
ہمت کی نہ شرکت ہو تو تدبیر حماقت

جناب سید علمدار حسین

سوالات

۱۔ تدبیر اور ہمت کا مکالمہ نثر میں لکھو۔

۲۔ شاعر نے ان مصرعوں میں کن واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

(الف) نادر ہوئی مغلوں کے شبستان میں پہنچی۔

(ب) حائل ہوا جب ابلیس تو رہ کس نے بتائی۔

۳۔ ان الفاظ کے ہم معنے الفاظ بتاؤ:۔

پرستار۔ تسخیر۔ للّٰہ۔ لاف زنی

۴۔ "دربار میں عزت ہے اگر کچھ تو مجھے ہے"

اُوپر کے مصرع کی ترکیب نحوی کرو +

۵ - عقل نے تدبیر و ہمت کو کیا نصیحت کی؟ اس کو اپنے لفظوں میں بیان کرو +

۲۲ - موعظۂ حسنہ

آج ایک ہفتہ کے بعد تمہارا خط ملا ہے - جو شخص تمہاری طرح ایسے مکان میں رہتا ہو - کہ وہاں سارے سارے دن کان پڑی آواز نہ سُن پڑے - اُس کو اس بات کا یقین کرانا سخت مشکل ہے کہ دُنیا میں لوگ خط کے منتظر بھی رہا کرتے ہیں +

بشیر! گو تم کو اُس قدر تحصیل علم کا شوق نہ ہو - جس قدر بہ اقتضائے حالاتِ زمانہ ہونا چاہئے - یا جس قدر میں چاہتا ہوں کہ ہوتا - جو تم کو جانتا ہے وہ یہ بھی جانتا ہے - کہ تم سمجھ دار ہو - تمہاری سمجھ کے بھروسہ پر میں تم کو یہ خط لکھتا ہوں - شرم و حیا شرطِ ادب و جوہرِ شرافت ہے - لیکن شرم تین قسم کی ہے - شرعی - عقلی - عرفی - شادی بیاہ کے بارے میں جو شرم لوگ کیا کرتے ہیں - وہ نہ شرعی ہے نہ عقلی - بلکہ محض عرف یعنی راہ و رسم دُنیا کی پابندی

ہے۔ تم کپڑا اور کتاب اور کھانا یہاں تک کہ ٹوپی
اور جوتی یعنی چھوٹی چھوٹی ضرورتوں میں ہمیشہ ذاتی
رائے کامل آزادی اور بیباکی کے ساتھ ظاہر کیا کرتے
ہو۔ پس کوئی وجہ نہیں۔ کہ ایسے امر اہم کی نسبت
جس پر تمہارے دین و دُنیا کا بناؤ بگاڑ منحصر ہے۔
تم سے رائے نہ طلب کی جائے۔ تم شاید یہ حیلہ
کروگے۔ کہ یہ معاملہ مشکل ہے۔ اور مجھ میں ایسے
اُمورِ عظیمہ کی نسبت رائے دینے کی قابلیت نہیں۔
سچ ہے۔ رائے طلب کرنے سے یہ مطلب نہیں ہے
کہ خواہ مخواہ تمہاری رائے پر عمل بھی کیا جائے۔ بلکہ
صرف اتنی غرض ہے۔ کہ تمہاری طبیعت کا رجحان اور
میلان دریافت ہو۔ میں تمہارے بیاہ کی نسبت مستعجل
ہوں۔ .. .. کے یہاں جو تذکرہ ہوا تھا۔ تم کو معلوم
ہے۔ اُن کو بھی انکار نہیں۔ اور جب اصل سخن میں
اتفاق ہے۔ تو چھوٹے اختلاف مہر وغیرہ کے رفع
ہو جائیں گے۔ دہلی میں جہاں اس کی گفت و شنید
ہو۔ وہاں کے حالات تم کو بہ آسانی معلوم ہو سکتے
ہیں۔ پس تم اپنی رائے بھی ظاہر کرو۔ کہ تم کو
کیا منظور ہے۔ اور کس جگہ تعلق پیدا کرنا پسند ہے۔
برخوردار! یہ شرم کی بات نہیں ہے۔ تم خیال کرو کہ
اگر شرم کی بات ہوتی۔ تو میں کیوں پوچھتا۔ میرا بہ اصرار

پوچھنا اس کی دلیل ہے۔ کہ تم کو اپنی رائے ظاہر کرنے میں مضائقہ نہیں کرنا چاہئے۔ اگر تم کو لوگوں کا خیال ہے تو اپنی رائے کو اعلان کے ساتھ مت ظاہر کرو۔ اپنی ماں کے کان میں کہہ دو۔ یا اپنی بہنوں سے بیان کرو۔ یا مجھ کو لکھوا بھیجو ٭

(۳)

خط فارسی تمہارا پہنچا۔ میں تم کو خود چند بار فارسی کی طرف متوجہ کر چکا ہوں۔ اس میں کیا شک ہے۔ کہ اُردو سے فارسی بہ مدارج بہتر ہے۔ اتنی بات سمجھ لو۔ کہ انگریزی۔ عربی۔ فارسی۔ یہ سب دوسرے مُلکوں کی زبانیں ہیں۔ ہم کو من حیث المعاشرۃ[ط] اپنی اُردو کے علاوہ کوئی دوسری زبان درکار نہیں۔ لیکن اُردو بھی حالتِ طفلی میں ہے۔ یعنی کُلہا ڈھائی تین سو برس اس کو پیدا ہوئے گذرے ہونگے۔ میر تقی اور سودا کے اشعار میں بھی بہت سے الفاظ عجیب پائے جاتے ہیں۔ جو اب متروک و مہجور ہیں۔ جیسے جاگہ بجائے جگہ سیتی بجائے سے۔ آئیاں بجائے آئیں وغیرہ۔ شروع میں بھاکا کے الفاظ اردو میں اس قدر کثرت سے تھے کہ ابتدائی اُردو کا ایک جُملہ بھی سمجھ میں نہیں آتا۔ سب سے پہلا اُردو شاعر یعنی ریختہ گو ولی تھا۔ اس کے

ط بہ لحاظ معاشرت ٭

اشعار سُنو۔ تو ہنستے ہنستے لوٹ جاؤ۔ لیکن یوماً فیوماً اُردو کی تہذیب ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ میر تقی نے ایسا ریختہ کہا۔ کہ فارسی کو مات کیا۔ سودا اُن کا ہمعصر تھا۔ زاں بعد ناسخ و آتش کا زمانہ ہوا۔ تو اُن کی بولی اور بھی صاف ہے۔ اب آخر میں شیخ ابراہیم ذوق۔ حکیم مومن۔ میرزا غالب اور دبیر و انیس لکھنوی نے تو اُردو کو خوب ہی رونق دی۔ انگریز کبھی کبھی کچھ کچھ توجہ کرتے ہیں۔ کہ اُردو کو رونق ہو۔ مگر یہ سینکڑوں برس کے کام ہیں۔ غرض اُردو میں افسوس ہے۔ کہ علم نہیں اور بولی ٹھولی کا بھی وہ لُطف نہیں۔ جو عربی فارسی میں ہے۔ بشیر عربی کا جب تم کو مزہ ملیگا۔ تو یقین و باور کرو۔ آدمی پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ مفتی صدر الدین خاں مرحوم کو میں نے دیکھا۔ کہ بایں وقار مجمع امتحان میں انگریزوں کے روبرو گانے لگتے تھے۔ علم اور لُطف زبان کی جُستجو میں ہم دوسری زبانوں کے حاجتمند ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ نِری اُردو سے کام نہیں چلتا۔ اور چار و ناچار دوسری زبان سیکھنی پڑتی ہے اب دوسری زبان کون سی اختیار کی جائے۔ جس کے ذریعے سے علم حاصل ہو۔ اور بولی کا مزہ ملے۔ سو برخوردار وہ زبان انگریزی ہے۔ "کلامُ الملِک مَلِکُ الکلام"

لہ بادشاہ کا کلام کلام کا بادشاہ ہے ؎

انگریزوں کی تلاش و محنت اس درجے کی ہے۔ کہ کسی قوم نے اس صفت میں اُن کی ہمسری نہیں کی۔ اب انگریزی کا یہ حال ہے۔ کہ گنجینۂ علوم ہے۔ یونانی اور عربی اور عبرانی اور سنسکرت اور لیٹن[1] وغیرہ میں جو ذخیرے تھے۔ انگریزوں نے سب اپنی زبان میں جمع کر لئے ہیں۔ اب یہ عجیب بات دیکھی جاتی ہے۔ کہ اصلی زبان میں ان علوم کا پتہ نہیں۔ مثلاً جبر و مقابلہ فی الاصل عربی میں تھا۔ اس کا نام الجبرا[2] اِس کا گواہ ہے۔ انگریزوں میں کوڑیوں جبر و مقابلے ہیں۔ عربی میں مجھ کو آج تک کوئی رسالہ دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوُا اور غالب ہے کہ مصر و روم میں بھی ہونگے۔ تو اب انگریزی کتابوں کے ترجمے ہونگے۔ اصلی کتابیں معدوم اور مفقود۔ اس سے قطع نظر انگریزی زبانِ حکامِ وقت ہے۔ اگر اس میں علوم نہ بھی ہوتے۔ تو اُس کا زبانِ حکام وقت ہونا ہی کافی تھا۔ کیونکہ اس صورت میں وہ ذریعہ رسائی ہے۔ غرض جس جس پہلو سے دیکھا جاتا ہے۔ سب سے مقدم انگریزی۔ اس کے بعد عربی۔ فصاحت اور بلاغت اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔

[1] زبان لاطینی [2] ناموں پر الف لام داخل ہونا اس کی شناخت ہے کہ یہ لفظ عربی الاصل ہے [3] جس طرح بارہ کی درجن اُسی طرح بیس کی کوڑی +

اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے۔ کہ عربی شعارِ اسلام ہے۔ سب کے بعد فارسی۔ وہ بھی اس وجہ سے کہ ہماری اُردو میں فارسی کی ترکیبیں بہت ہیں اور فارسی کے بدون تکمیلِ اُردو ممکن نہیں۔ حاصل کلام فارسی کو اتنا دیکھو۔ کہ اصل مطلب فوت نہ ہو۔ یہ کون کہے کہ فارسی کچھ علم نہیں "علم شئے بہ از جہل شئے" اگر کسی کو موقع ملے۔ تو اس کو سنسکرت اور ترکی اور پشتو اور چینی زبانوں کا سیکھنا تضیع اوقات سے بہتر ہے۔ تم تکمیلِ انگریزی پر اپنی تمام ہمت صرف کرو۔ فارسی کو لہو و لعب کے عوض رکھو۔ لیکن فارسی میں ہزاروں الفاظ عربی کے ہیں۔ اُن کو نظر انداز مت کرو۔ تحقیق عجیب چیز ہے۔ جو کرو۔ تحقیق کے ساتھ کرو۔

اصلاح کے متعلق یہ بات ہے۔ کہ مبتدی مثل اُس لڑکے کے ہے۔ جو چلنا سیکھتا ہے۔ اور اصلاح دہندہ اُس کو چلنا سکھاتا ہے۔ ہم لوگ بچوں کو اُنگلی پکڑا دیتے ہیں۔ لیکن چلنے کا سارا بوجھ لڑکے پر ڈالتے ہیں۔ مگر فرض کرو۔ کہ بجائے اُنگلی پکڑا دینے کے ہم لڑکے کو بٹھا دیں۔ اور خود دوڑے دوڑے پھریں۔ تو اس سے لڑکے کو کیا فائدہ ہوگا۔ اصلاح دہندہ اگر خود ساری عبارت لکھ دے۔ مبتدی کو کچھ نفع نہیں۔

بڑی اصلاح شوق ہے۔جی کو لگی ہوتی ہے۔ تو آدمی وہ بات نکالتا ہے۔جو اُستاد کو نہ سُوجھے۔

یہ تو طے ہو گیا۔ کہ بندوبست میں وان صاحب رہیں۔ اور مجھ کو ضلع ملے۔ علی گڈھ کا نام سُن کر بورڈ نے کہا۔ کہ نذیر احمد بڑا ہی خوش نصیب ہے اُس کو بے نمبر ترقی ملی۔ اب کیا ضرورت کہ ضلع بھی اُس کو اُسی کی تعیین سے ملے۔ غرض جواب صاف

ع یہ راحت ملی ایسی محنت کے بعد" میں علی گڈھ کو لے کر کیا بھاڑ میں ڈالتا۔ بخدا! صرف تمہارے لئے کہ تم کسی طرح پڑھو۔ بشیر! اگر تم چار پانچ برس لگ لپٹ کر محنت کر ڈالو۔ تو کچھ بات نہیں۔ پھر انشاء اللہ ساری عمر اس محنت کا فائدہ اُٹھایا کروگے۔ میں نے جس بے سرو سامانی سے پڑھا تمہاری ماں اُس کی گواہ ہیں۔ اُنہیں سے پوچھو۔ کہ مجھ کو اطمینان سے سونا حرام تھا۔ یہ محنت ایک حیلہ ہو گئی۔ اور خدا نے مجھ کو افلاس اور بے وقری کے عذاب سے نجات دی۔ تو تم بھی کبھی اپنی حالت کو میری اُس حالت سے مقابلہ کیا کرو۔ اب جو میں سُست اور کاہل ہو گیا ہوں۔ تو اس وجہ سے کہ کوئی اختیاری تدبیر باقی نہیں۔ ورنہ اس پیری میں بھی میری کتاب بینی جوان ہے۔ بار بار امتحانِ

وکالت کو جی للچاتا ہے۔ لیکن بیس برس کی خدمت اور تعزز پر نظر کرکے ہمت قصور کرتی ہے۔ اب جو مجھ سے رہ گیا ہے تم کرو "ع اگر پدر نہ تواند پسر تمام کند" انگریزی کا انتظام ابھی خاطر خواہ تم نے نہیں کیا۔ گریمر کے قواعد مستحفظ ہوں۔ اور جو پڑھو سو ازبر۔ اصلاح دینے والا کوئی آدمی با استعداد ہو۔ اور ہر وقت ایک دُھن لگی رہے۔ تب جانو کہ انگریزی آئی۔ اور انگریزی کی تخصیص کیا ہے۔ ہر علم کا یہی حال ہے۔

جناب ڈاکٹر حافظ نذیر احمد خاں

سوالات

۱۔ خط نمبر۱ میں مولانا نذیر احمد نے شادی بیاہ کے معاملات میں لڑکوں کی رائے لینے کے متعلق کیا خیالات ظاہر کئے ہیں؟

۲۔ خط نمبر۲ میں انگریزی پڑھنے کے حق میں مولانا نذیر احمد نے کیا دلائل پیش کی ہیں۔ اور اردو سے فارسی کا کیا تعلق بتایا ہے؟

۳۔ یہ فرض کرکے کہ خط نمبر۲ تمہارے نام ہے۔ اس کا جواب صاف اور صحیح اردو میں لکھو۔ اور اس میں بیان کرو۔ کہ تم کون کون سی زبانوں کی تحصیل میں مصروف ہو۔ اور اُن کی تحصیل کے لئے کن طریقوں پر عمل کر رہے ہو؟

۴۔ ذیل کے فقرے کی ترکیب نحوی کرو:-

"انگریزوں نے سب اپنی زبان میں جمع کر لئے ہیں۔"

۵- خط نمبر ۱ سے مرکب اضافی اور توصیفی الگ الگ بتاؤ۔

۲۲- حضرت قاسمؓ کی جنگ

پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زارِ صبح
سرگرم ذکرِ حق ہوئے طاعت گزارِ صبح
تھا چرخِ اخضری پہ یہ رنگ آفتاب کا
کھلتا ہے جیسے پھول چمن میں گلاب کا
چلنا وہ بادِ صبح کے جھونکوں کا دمبدم
وہ آب و تابِ نہر وہ موجوں کا پیچ و خم
کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا
تھا موتیوں سے دامنِ صحرا بھرا ہوا
وہ صبحِ نور اور وہ سبزہ وہ لالہ زار
کوکو وہ قمریوں کی وہ طاؤس کی پکار
وا تھے دریچے باغِ بہشتِ نعیم کے
ہر سُو رواں تھے دشت میں جھونکے نسیم کے
تھا لشکرِ یزید میں سامانِ قتلِ شاہ

لے حضرت امام حسنؓ کے بیٹے جو کربلا میں شہید ہوئے۔
لے حضرت امام حسینؓ جو کربلا میں شہید ہوئے۔

ہر سُو جما رہا تھا صفیں شمر[۱] رُو سیاہ
اِک صف میں برچھیوں کی چمک تھی کہ الحذر
انیاں وہ توڑ ڈالیں جو فولاد کا جگر
جب بندھ چکیں صفیں تو علم کھُل گئے تمام
غُل پڑ گیا کہ جنگ کو نکلیں شہِ انام[۲]
سُن کر یہ غُل محل سے بر آمد ہوئے حضور[۲]
پڑھنے لگے دُرود رفیقانِ ذی شعور
حق کے ولی مصاحب و سردارِ انس و جن
کوئی جوان کوئی متوسّط کوئی مُسِن
وہ گورے گورے جسم قبائیں وہ تنگ تنگ
زیور کی طرح جسم پہ زیبا سلاحِ جنگ
کہتے تھے سب چڑھائے ہوئے آستین کو
آقا ابھی کہیں تو اُلٹ دیں زمین کو
لشکر سے تب بڑھا پسرِ سعد[۳] چند گام
چِلّے میں رکھ کے تیر یہ سب سے کیا کلام
ہے شاق مجھ کو خلق میں جینا حسینؑ کا
کیا شاد ہوں ہدف ہو جو سینہ حسینؑ کا
لکھا ہے جب لگا کے وہ ناوک ہٹا شریر
یکبار فوج شہ پہ چلے دس ہزار تیر

[۱] یزید کی فوج کا ایک افسر
[۲] امام حسینؑ
[۳] ابن سعد - یزید کی فوج کا ایک افسر

جس وقت خاتمہ رفقا کا ہُوا بخیر
تھے پھر تو سب عزیز نہ تھا اُن میں کوئی غیر
رُخصت ہُوا حسینؑ سے پھر دلبرِ حسنؑ[۱]
برہم ہوئی وہ بزم وہ صحبت وہ انجمن
دُولھا کے نُورِ رُخ کی ضیا چرخ تک گئی
جولاں کیا فرس کو تو بجلی چمک گئی
پہنچا جو رزمگاہ میں وہ غیرتِ قمر
نیزہ پکڑ کے گھوڑے کو پھیرا اِدھر اُدھر
اللہ رے چمک رُخِ پُر آب و تاب کی
سہرہ بنا ہُوا تھا کرن آفتاب کی
ناگہ رجز یہ پڑھنے لگے قاسم جری
عالم میں کون ہے جو کرے ہم سے ہمسری
شُہرہ ہے حرب و ضربِ شہِ خاص و عام کا
سکّہ ہے شش جہت میں ہمارے ہی نام کا
جد ہے مرا امیرِ[۲] عرب شحنۂ نجف
دادی جناب فاطمۂ زہرا سی ذی شرف
میں پارۂ دِلِ حسنِؑ خوش خصال ہوں
بِیرے سے جو شہید ہُوا اُس کا لال ہوں
ناگاہ فوجِ شام سے تیرِ ستم چلے

[۱] حضرت قاسم [۲] حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ

قاسم بھی چھیڑ کر فرسِ خوش قدم چلے
پیدل تو اُس قطار کے تھے کس قطار میں
دو دو سوار کٹ گئے ایک ایک وار میں
ڈھالیں اُٹھیں کہ دن شبِ دیجور ہو گیا
لامع جو برقِ تیغ ہوئی نور ہو گیا
آئی ہنسی اجل کو بھی اس طرح مر گئے
گھوڑوں پہ تن چڑھے رہے اور سر اُتر گئے
تھا ابنِ سعدِ شوم کو اس دم بہت ہراس
غرقِ سلاح ارزقِ[1] شامی کھڑا تھا پاس
اُس سے کہا کہ فوج نہایت ہے بے حواس
تو جا کے لڑ تو قتل ہو شاید یہ حق شناس
کہنے لگا بگڑ کے وہ با صد غرور و لاف
ہیں تب لڑوں اگر علیؑ آئیں پئے مصاف
فرق آئیگا نہ میری کبھی آن بان میں
لڑکے سے لڑ کے نام مٹا دوں جہان میں
بیٹوں کو میرے بھیج کہ چاروں دلیر ہیں
جنگ آزما ہیں سور ہیں صفدر ہیں شیر ہیں
نکلا یہ بات سنتے ہی اُن میں سے ایک یل
پیچھے پہلی شریر کے ہنستی ہوئی اجل
قاسم یہ نعرہ زن ہوئے چمکا کے راہوار

[1] یزید کی فوج کا ایک پہلوان۔

او خیرہ سر اجل تری گردن پہ ہے سوار
دشمن کو اپنی ضرب طمانچہ قضا کا ہے
آ کوئی وار کر جو ارادہ وغا کا ہے
یہ سنتے ہی کماں کو اُٹھا کر بڑھا شریر
قاسمؑ نے ماری فرق پہ شمشیرِ بے نظیر
یوں قطع انگلیاں ہوئیں اس تیرہ بخت کی
جیسے کوئی قلم کرے شاخیں درخت کی
چٹکی سے چھوٹ کر جو چلا تیر بے امان
"قربان تیرے ہاتھ کے" چلائی یہ کمان
مرکب سے گر کے مر گیا۔ جب وہ عدوے دیں
نکلا ادھر سے تب پسرِ ثانیٔ لعیں
نیزے کا وار کرنے لگا جب وہ خود پسند
بجلی سا کوندنے لگا قاسم کا بھی سمند
نیزہ سے کور ہو گیا جس دم وہ خیرہ سر
پٹکے میں ہاتھ ڈال کے پٹکا زمین پر
جز موت کچھ شقی کو نہ اس دم نظر پڑا
آنکھیں کھلیں تو قعرِ جہنم نظر پڑا
جھپٹا برادرِ سوم اس کا بکبر و فر
تانے ہوئے وہ گرزِ گراں سر کہ الحذر
یوں دو کیا عمودِ سرِ نابکار کو
جس طرح تیغ تیز اڑا دے خیار کو

مرتے ہی اس کے فوج سے چوتھا پسر بڑھا
قاسم پکارے او یلِ خود سر کدھر بڑھا
لڑتا وہ کیا کہ تیرِ اجل کا نشانہ تھا
اک ہاتھ میں نہ سر تھا نہ بازو نہ شانہ تھا
بیجاں ہوئے نبرد میں بیٹے جو اُس کے چار
ارزق کا دل ہُوا صفتِ لالہ داغ دار
جیبِ قبا کو مثلِ کفن پھاڑتا ہوُا
نکلا پرے سے دیو سا چنگھاڑتا ہوُا
قاسم نے دی صدا کہ بس اب کر زباں کو بند
اللہ کو غرور و تکبّر ہے نا پسند
دیکھیں بلند کون ہے اور پست کون ہے
کھل جائیگا ابھی کہ زبردست کون ہے
بیٹوں کے غم نے کر دیئے مختل ترے حواس
گھبرا نہ بھیجتے ہیں تجھے بھی اُنہیں کے پاس
چنلے ہیں جتنے سانپ وہ ڈستے نہیں کبھی
گرجے ہیں جو بہت وہ برستے نہیں کبھی
نیزہ ہلا کے جانبِ قاسم بڑھا وہ یل
دولھا نے مسکرا کے صدا دی سنبھل سنبھل
یہ کہہ کے اپنے چھوٹے سے نیزے کو دی تکان
چمکی انی تو برق پکاری کہ الامان
بل کیا کرے کہ زور ہی موذی کا گھٹ گیا

غُل تھا کہ اژدہے سے وہ افعی لپٹ گیا
قاسم نے زور سے جو انی پر رکھی انی
بھاگا شقی کے جسم سے زورِ تہمتنی
جھنجھلا کے چوبِ نیزہ کو لایا وہ فرق پر
قاسمؑ نے ڈانڈ ڈانڈ پہ مارا بچا کے سر
نیزہ بھی دب کے ٹوٹ گیا نا بکار کا
دو انگلیوں سے کام لیا ذوالفقار[1] کا
چمکا کے تیغِ تیز جو قاسم سنبھل گئے
سمجھا جو کچھ فرس کے بھی تیور بدل گئے
میخیں زمیں کی اس کی تگاپو سے ہل گئیں
دونو کنوتیاں بھی کھڑی ہو کے مل گئیں
چھل بل دکھا کے فوج کو دوڑا تھما اُڑا
صُورت بنائی جست کی سمٹا کے جا اُڑا
جن تھا پری تھا سحر تھا آہو شکار تھا
گویا ہوا کے گھوڑے پہ گھوڑا سوار تھا
دونوں طرف سے چلنے لگے وار یک بیک
دو بجلیاں دکھانے لگیں ایک جا چمک
ہر بار جانبین سے ہوتے تھے وار رد
تھا حرب و ضرب میں وہ شقی بھی بلائے بد
لایا جو حرف سخت زباں پر وہ بد خصال

[1] حضرت علی علیہ السّلام کی تلوار ۔

جھپٹا مثالِ شیرِ درندہ حسنؑ کا لال
ادھڑ لگی کہ ہوش اُڑے خود پسند کے
گھوڑے نے پاؤں رکھ دیئے سر پر سمند کے
گھوڑا بھی اس طرف کو اُدھر ہو کے پھر پڑا
مارا کمر پہ ہاتھ کہ دو ہو گئے گر پڑا
غازی نے دی صدا کہ وہ مارا ذلیل کو
بچے نے آج پست کیا مست فیل کو

حضرت میر انیسؔ مرحوم

سوالات

۱۔ اس نظم میں میر انیسؔ نے جس منظر کا نقشہ کھینچا ہے اُسے تم اپنے الفاظ میں بیان کرو۔

۲۔ مفصلہ ذیل سے کون حضرات مراد ہیں:—
شہِ انام۔ دلبرِ حسن۔ دولھا۔ امیرِ عرب۔

۳۔ بتاؤ۔ کہ ارزق پہلوان حضرتِ قاسمؑ سے جنگ کرنے کے لئے کیوں نہیں گیا؟

۴۔ ذیل کے شعر کی ترکیب نحوی کرو۔ اور بتاؤ "حسن کا لال" سے کون مراد ہے؟

لایا جو حرفِ سخت زباں پر وہ بد خصال
جھپٹا مثالِ شیرِ درندہ حسنؑ کا لال

۵۔ لالہ زارِ صبح۔ ذکرِ حق۔ چرخِ اخضری۔ بادِ صبح۔ دامنِ صحرا فریں خوش قدم۔ شبِ دیجور۔ لشکرِ یزید۔ سامانِ قتل شاہ

فوجِ شاہ۔ قواعد کی رُو سے کون کون سے مرکب ہیں؟

۲۴۔ پیسہ کا سفرنامہ

میں تانبے کی کان میں رہتا تھا۔ اور سفر کا نام بھی نہ جانتا تھا۔ لیکن چند آدمیوں نے مجھ کو میری ماں کی گود سے جدا کرکے کان سے باہر نکالا۔ اور بھٹی میں لے جا کر گلایا۔ اُف! اُف!! کیسی سخت آگ تھی جس نے مجھ کو پتلا پانی کر دیا۔ کچھ دیر کے بعد میرے دو مُنہ بنائے گئے۔ اور اُن پر عربی حروف میں "سلطان محمد تغلق" لکھ دیا گیا۔ جب میرا بدن تیار ہو گیا۔ تو کہا گیا۔ اب تجھ کو سفر کرنا ہوگا۔ میں نے پوچھا۔ کہاں کا؟ جواب ملا جہاں تہاں کا۔ یہ کہہ کر مجھ کو ایک تھیلی میں بند کرکے خزانے میں بھیج دیا گیا۔ وہاں سونے چاندی کے بھائی بھی تھے۔ اُن کو بھی میں نے تھیلیوں میں بند دیکھا۔ اور سب کو مغموم پایا۔ تو پوچھا بھائی! تم چُپ کیوں ہو؟ وہ بولے گھر کی جدائی کا رنج ہے اور اس کا صدمہ کہ آزادی چھن گئی۔ اور دوسروں کے غلام بن گئے۔ میں نے کہا۔ غلامی کہاں ہے۔ تم اب

بھی آشنا ہو۔ تمہاری اصل موجود ہے۔ اُنھوں نے جواب دیا۔ بے شک ہم سونا چاندی ہیں۔ مگر چہروں پر نقش جو لگائے گئے ہیں۔ وہ غلامی کا نشان ہے۔ اب ہم کو سونا چاندی کوئی نہیں کہیگا۔ اشرفی روپیہ کہہ کر پکارا جائیگا۔ یہ سُن کر مجھ کو بھی خیال ہوا۔ کہ واقعی یہ حالت تو غلامی کی ہے۔ کہ ہیں کچھ اور کہا کچھ اور جاتا ہے۔ تھوڑی دیر میں بادشاہ کا حکم آیا۔ کہ ایک سو ایک اشرفیاں ایک سو ایک روپئے اور ایک سو ایک پیسے خیرات میں دے دو۔ خزانچی نے ہم کو نکالا۔ اور گن کر دے آیا۔ پیسوں میں مَیں بھی نکلا۔ اور ایک محتاج کو دیا گیا یہ شخص ہم تینوں کو کپڑوں میں باندھ کر گھر لایا۔ اور صبح سے لے کر دوپہر تک ہم کو سامنے رکھ کر دیکھتا اور گنتا رہا۔ اس کے کئی بچے تھے۔ اور وہ سب بھوکے تھے۔ جب وہ بھوک سے رونے لگے۔ تو وہ شخص اُٹھا۔ اشرفیاں روپئے تو دفن کر دیئے۔ اور پانچ پیسے لے کر بازار گیا۔ اور ایک دکان سے اُس نے پکی ہوئی روٹی خریدی۔ ان پانچ پیسوں میں ایک میں بھی تھا۔ نانبائی نے مجھ کو لے کر پانی کے پیالے میں ڈبو دیا۔ آدھی رات تک میں غرقِ آب رہا۔ جب نانبائی نے دوکان بڑھائی۔ تو مجھ کو نکال کر ایک تھیلی میں ڈال دیا۔ دوسرے دن صبح کو قصائی گوشت لے کر آیا۔ تو نانبائی

نے تھیلی میں سے پیسے نکال کر اس کو دیئے۔ تو میں بھی اُس کے ہاتھ میں گیا۔ وہاں بکریاں بک رہی تھیں۔ وہ اُس نے خریدیں۔ اور مجھ کو بکری والوں کے حوالہ کر دیا۔ بکری والے مجھ کو لے کر اپنے گاؤں چلے گئے۔ یہ گاؤں شہر سے ذرا دُور تھا۔ اِس بکری والے کی ایک بڑھیا ماں تھی۔ جو اس وقت نماز پڑھ رہی تھی۔ نماز پڑھ چکی تو بکری والے نے مجھ کو اُس کے حوالے کیا۔ اُس نے ہاتھ بلند کر کے خدا کا شکرانہ بھیجا اور پانچ پیسے الگ رکھ دیئے۔ ان ہی میں ایک میں بھی تھا۔ میں رات بھر اپنے سب بھائیوں سے جدا صرف چار بھائیوں کے ساتھ کونے میں رکھا رہا۔ صبح کو وہ بڑھیا مجھ کو لے کر حضرتِ مخدوم نصیرالدین[1] چراغ دہلی کے پاس گئی۔ اور اُن کے قدموں میں مجھ کو رکھ دیا۔ اُنہوں نے مجھ کو لے کر اپنے داروغۂ لنگر کے حوالے کر دیا۔ تھوڑی دیر لنگری کی جیب میں رہا۔ اتنے میں ایک شخص اودھ کا رہنے والا غریب مسافر مخدوم چراغ دہلی کے پاس آیا۔ اور اُنہوں نے لنگری سے پیسے مانگ کر اُس مسافر کو دے دیئے۔ ان پانچوں میں میں بھی تھا۔ وہ مسافر مجھ کو لے کر اپنے وطن کو چلا۔ اُس کے پاس خرچ تھا اُس نے ہم پانچوں کو حضرتِ مخدوم کا تبرک سمجھ کر

[1] دہلی کے ایک مشہور ولی اللہ۔

الگ رکھ لیا۔ اور راستہ میں خرچ نہ کیا۔ لیکن جب وہ اپنے گھر کے قریب پہنچا۔ تو اُس کا خرچ ختم ہو گیا۔ اور دو وقت کے فاقہ کے بعد ایک سرائے میں اُس نے مجھ کو ایک بھٹیاری کے حوالے کرکے روٹی کھا لی۔ اور چلا گیا۔ یہ بھٹیاری بہت کنجوس تھی۔ اُس نے مجھ کو گڑھا کھود کر دبا دیا۔ جہاں اور بھی اشرفیاں اور روپے پیسے دفن تھے۔ اس گڑھے میں اکیس برس دبا پڑا رہا۔ وہ بھٹیاری مر گئی۔ اور اس کے بیٹے نے کھود کر مجھ کو نکالا۔ اور عیاشی میں خرچ کرنا شروع کیا۔ ایک دن اُس نے شراب فروش سے شراب لی۔ اور مجھ کو اُس کے سپرد کر دیا۔ کلال مجھ کو لے کر گھر آیا۔ اور بہت روز میں اُس کے پاس رہا۔ ایک دن رات کو اُس کے یہاں چور آئے۔ اور میں بھی اُن کے ہاتھوں چوری ہو کر کمر میں باندھا گیا۔ اور گھوڑوں پر جنگل در جنگل پھرتا رہا۔ وہ چور رات کو سوتے تھے۔ کہ بادشاہی فوج نے اُن کو آن گھیرا۔ اور وہ سب مارے گئے۔ فوجی سپاہیوں نے اُن کا اسباب لوٹ لیا۔ اس میں مَیں بھی تھا۔ مگر رات کے سبب میں زمین پر گر پڑا۔ اور کسی نے مجھ کو نہ دیکھا۔ سپاہی چلے گئے۔ اور مجھ کو زمین پر اکیلا چھوڑ گئے۔ اس جنگل میں مجھ کو سات

برس گزر گئے۔ بارش ہوتی۔ تو میں خاک میں دب جاتا۔ آندھی چلتی تو خاک میرے چہرے سے ہٹ جاتی۔ ایک روز گرمی کے موسم میں کوئی سوار اس راستے سے آیا۔ اور درخت کے نیچے دم لینے بیٹھ گیا۔ اُس کی نگاہ مجھ پر پڑی۔ تو اُس نے مجھ کو اُٹھا کر کمر میں باندھ لیا۔ اور اس طرح سات سال کے بعد میں پھر شہر میں آیا۔ یہ سپاہی ہندو تھا۔ اُس نے مجھ کو ایک بھاٹ کے حوالہ کر دیا۔ تین دن بعد بھاٹ کی بیوی مر گئی۔ اور اُس نے کفن خریدنے میں مجھ کو ایک کپڑے والے کے حوالے کیا کپڑے والا مسلمان تھا اُس نے مجھ کو مدّت تک تھیلی میں رکھا۔ اور آخر ایک دن کپڑا بُننے والے جلاہے کو دیا اُس نے مجھ کو اُسی دن سُوت کاتنے والی عورت کے حوالے کر دیا۔ اِس عورت کا بیٹا سبزی فروش تھا۔ صبح وہ ترکاری خریدنے گیا۔ تو عورت نے مجھ کو سبزی فروش کے حوالہ کیا۔ جہاں اور روپے پیسے بھی تھے۔ کچھ دنوں کے بعد اُس نے ایک صرّاف سے اشرفیاں لیں۔ اور میں روپیوں پیسوں کے ساتھ صرّاف کے گھر پہنچا۔ صرّاف نے مجھ کو دفن کر دیا۔ اور میں چار سو برس برابر زمین میں گڑا رہا۔ کیونکہ صرّاف مر گیا تھا۔ اور اُس نے کسی کو اپنے مال کی خبر نہ دی تھی۔ وہ صرّاف پانی پت میں رہتا تھا۔ چار سو سال کے بعد جب نادر شاہ ہندوستان

پر چڑھ کر آیا۔ اور پانی پت کے میدان میں محمد شاہ کی فوج سے اس کا مقابلہ ہؤا۔ تو زمین ہموار کرنے میں بُگچہ نکل آیا۔ جس میں مَیں بند تھا۔ چوبداروں نے یہ روپیہ بانٹ لیا۔ اور میں بھی ایک ایرانی چوبدار کے ہاتھ آیا۔ نادر شاہ دہلی پہنچا۔ چوبداروں نے مجھ کو بازار میں دینا چاہا۔ مگر کسی دوکاندار نے مجھ کو قبول نہ کیا۔ اور کہا یہ پُرانا سکّہ ہے۔ اور اب اس کا چلن بند ہے۔ میں اس کی جیب میں تھا۔ کہ ایک دہلی والے نے چوبدار کو مار ڈالا۔ اور اُس کی جیب میں سے مجھ کو نکال لیا۔ اور اپنے گھر لے گیا۔ دوسرے دن وہ شخص بھی نادری قتل عام میں مارا گیا۔ اور اُس کے گھر میں آگ لگائی گئی۔ جس میں مَیں بھی جل کر کالا ہو گیا۔ اور کئی برس جلے ہوئے انبار میں پڑا رہا۔ آخر ایک شخص نے مکان بنوانا چاہا۔ تو مَیں ایک بیلدار کو مِل گیا۔ اور اُس نے مجھ کو اپنی بیوی کو دے دیا۔ بیوی نے مجھ کو چُولھے کے سامنے دفن کر دیا۔ جہاں اُس کے اور بھی روپے دفن تھے۔ چند روز کے بعد یہ میاں بیوی مر گئے۔ اور مَیں چُولھے کے سامنے سو برس تک دفن رہا۔ اُس کے بعد دہلی میں سپاہیوں کا غدر ہؤا۔ اور اُس کے فرو ہونے کے بعد دہلی کے بعض محلّے کھودے گئے۔ تو مَیں بھی کُھد کر نکل آیا۔ اور ایک مسلمان مزدور

جلنے مجھ کو پایا۔ اُس نے چاندی کے سکتے تو فروخت کر دیئے۔ اور مجھ کو ایک تعویذ سمجھ کر بچّہ کے گلے میں ڈال دیا کیونکہ اُس نے مجھ پر عربی خط دیکھ کر خیال کیا تھا۔ کہ مَیں بہت متبرکِ ہوں۔ دس برس تک میں اُس کے گلے میں رہا۔ اور جب وہ بچّہ ہوشیار ہو گیا۔ تو اُس نے ایک دن مجھے چنے والے کو دے کر چنے خرید لئے۔ چنے والے کے پاس مجھ کو ایک لکھے پڑھے مسلمان نے دیکھا۔ اور ایک روپیہ میں مجھ کو خرید لیا۔ یہ مسلمان گھر میں آیا۔ اور مجھ کو ہاتھ میں لے کر کہنے لگا۔ اے پیسے! ذرا مُنہ سے بول۔ تُو نے دُنیا میں کیا کیا انقلاب دیکھے۔ تو کہاں کہاں رہا۔ تجھ پر ایک اسلامی شہنشاہ کا نام کندہ ہے۔ جو بڑا طاقتور۔ اور شان و شوکت کا جاندار تھا۔ اُس کے نام سے تیری عزّت تھی۔ تُو اسلامی سِکّہ کہلاتا تھا۔ مگر آج وہ تیرا مالک خاک میں پڑا سوتا ہے۔ آج اُس کی حکومت کا کہیں نام و نشان بھی نہیں۔ آہ! مَیں اس تغلق کی اولاد ہوں لیکن نامراد و برباد ہُوں۔ اب تجھ جیسے حرفوں کا چلن نہیں رہا۔ اب تُو ہم لوگوں کی ایک پُرانی نشانی کہلائیگا۔ اب بازار میں مُٹھی بھر چنے بھی تیرے عوض کوئی نہ دیگا۔ دیکھ یہی ہمارا حال ہے۔ کہ نسلِ شاہ ہیں۔ خلف ذی جاہ ہیں۔ مگر انقلاب ایام کے ہاتھوں

تباہ ہیں۔ یہ کہہ کر وہ مسلمان بہت رویا۔ اور مجھ کو چومتا رہا۔ آنکھوں سے لگاتا رہا۔ چند روز میں اُس کے پاس رہا۔ لیکن ایک دن بازار میں اُس نے دیکھا۔ کہ ایک امریکن پرانے سکّے خرید رہا ہے۔ اور بڑی بڑی قیمتیں ان سکوں کی دے رہا ہے۔ میرے مالک نے بھی مجھ کو جیب سے نکال کر اُس کو دکھایا۔ امریکن نے میری خرید منظور کر لی۔ اور دس روپے میرے عوض اُس کو دینے چاہے۔ میرا مالک بہت مفلس تھا۔ اُس کو روپے کی بہت ضرورت تھی۔ مگر اُس نے کہا۔ نہیں میں اپنے مُلک کی یادگار تجھ کو نہ دونگا۔ فاقہ کرونگا۔ اپنے آثارِ قدیمہ کو اپنے پاس سے جُدا نہ ہونے دونگا۔ امریکن یہ جواب سُن کر چُپ ہو گیا۔ وہاں بہت لوگ کھڑے ہوئے تھے۔ اور اِس قصّے کو اُنہوں نے سُنا تھا۔ جب میرا مالک گھر آنے لگا۔ تو ایک جیب کترے نے مجھ کو مالک کی جیب کتر کے نکال لیا۔ اور اُس امریکن کے پاس لے جا کر فروخت کر ڈالا۔ امریکن مجھ کو لے کر اپنے مُلک میں گیا۔ اور ایک عجائب خانہ میں مجھ کو رکھ دیا۔ میں وہاں پانچ برس رکھا رہا۔ اور ہزاروں مردوں اور عورتوں نے آ آ کر مجھ کو دیکھا۔ ایک دن ایک ہندوستانی مسافر بھی وہاں آیا۔ اور اُس نے وہاں سے مجھ کو چرایا۔ اور پھر ہندوستان لے کر آیا۔ اور جے پور کے عجائب خانہ

میں فروخت کر دیا۔ آج میں اُسی جگہ مقیم ہوں۔ اِس کے بعد خبر نہیں۔ کہاں کا سفر پیش آئے۔ لیکن خدا کا شکر ہے۔ کہ اب میں اپنے وطن میں ہوں۔ جس کی یاد مجھے امریکہ میں ستایا کرتی تھی۔ خدا بھلا کرے۔ اُس ہندوستانی کا جس نے اپنا مُلکی فرض محسُوس کیا۔

حضرت خواجہ حَسن نظامی

سوالات

۱۔ مفصلہ ذیل کے متعلق اپنی معلومات مختصر عبارت میں لکھو:۔ حضرت مخدوم نصیرالدین چراغ دہلی۔ سلطان محمدؐ تغلق محمدؐ شاہ۔

۲۔ پیسہ کے سفرنامہ کی طرزِ تحریر کو اچھی طرح ذہن نشین کرکے تم بھی لاہور کے قلعہ کی آپ بیتی کہانی اس کی زبانی لکھو۔ اور اِس ضمن میں ان حالات کو بیان کرو۔

(ا) اس قلعہ کو شہنشاہ اکبر نے تعمیر کیا۔

(ب) شہنشاہ جہانگیر دہلی سے کشمیر اور کشمیر سے دہلی جاتے ہوئے یہاں قیام کرتا تھا۔

(ج) شہنشاہ شاہ جہاں کے عہد میں یہ لاہور کے حاکم کا محل بن گیا۔

(د) شہنشاہ اورنگ زیب کے عہد میں یہ قلعہ پھر شاہی لشکر کی چھاؤنی کے طور پر استعمال ہوا۔

(س) کچھ زمانے کے بعد مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اُسے

اپنی سکونت کے لئے منتخب کیا۔
(و) انگریزی عہدِ حکومت میں بہت دنوں یہ فوجوں کی قیام گاہ رہا۔
۳۔ ذیل کے فقرے کی تحلیل صرفی کرو:۔
"نانبائی نے دوکان بڑھائی"۔
۴۔ پیسہ کس چیز کا بنتا ہے۔ اور اشرفی روپیہ کس چیز کی یہ سب دھاتیں کہاں سے نکلتی ہیں۔ اور دھاتوں کے نام لو۔ تانبا اور کس، کس کام آتا ہے۔

۲۵۔ اندھی پھول والی کا گیت

گود میں مالن کے ہیں ٹوٹے ہوئے ڈالی کے پھول
لو خرید اور یہ اندھی بیچنے والی کے پھول
تم ہو جس دنیا کے ساکن نور کی دنیا ہے وہ
عالمِ ظلمات مجھ مجبور کی دنیا ہے وہ
ہو مبارک تم کو دنیا کے نظارے دیکھنا
دن کو نورِ مہر۔ شب کو چاند تارے دیکھنا
میں وہاں ہوں ہے اندھیرا گھُپ جہاں چھایا ہوا
ہے تصوّر اس سیہ خانہ میں گھبرایا ہوا
تم کو قدرت نے عطا کی قوّتِ نظارگی

اور میں محروم قدرت بندگی بے چارگی
نظمِ دُنیا کا ہے جامِ جم تمہارے واسطے
تم ہو عالم کے لئے عالم تمہارے واسطے
فلسفہ قدرت کا ان پھولوں میں دِکھلاتی ہوں میں
ان میں جو جو خوبیاں ہیں تم کو سمجھاتی ہوں میں
طفلِ غنچہ بڑھ کے یہ آزاد گُل بُوٹے ہوئے
آ گئے ہیں اپنی ماں کی گود سے چھوٹے ہوئے
وہم ہے نقش و نگارِ گُل غلط ہے یہ گماں
عارضِ گُل پر ہیں پیاری ماں کے بوسوں کے نشاں
باعثِ عبرت ہے اُن کا عالمِ افسردگی
مادرِ گیتی سے چُھٹ کر پائی ہے پژمردگی
نازِ پروردِ چمن ہیں یہ جوانانِ چمن
حُسن کی دُنیا کے ساکن ہیں یہ یارانِ چمن
کل کے دن تک تھے یہی سب طُرّہ دستارِ باغ
ان کی رونق دیکھتی تھی نرگسِ بیمارِ باغ
دستِ گلچیں سے حفاظت دل میں سے ٹھانے ہوئے
خارِ گلشن ہر طرف تھے برچھیاں تانے ہوئے
ہمدمِ راحت بھی ہیں اور غمگسارِ غم بھی ہیں
رونقِ شادی۔ شریکِ محفلِ ماتم بھی ہیں
لو خریدارو! چلو یہ بے مزگی اچھی نہیں
رات بھر کی ہے یہ رونق صبح کو کچھ بھی نہیں

خندہ زن ہیں ایک شب کی زندگانی کے لئے
اپنے گھر لے جاؤ ان کو میہمانی کے لئے

جناب احسن

سوالات

۱- ان الفاظ سے کیا مُراد ہے :-
عالم ظلمات۔ طفلِ غنچہ۔ ناز پروردِ چمن۔ مادرِ گیتی۔ طرّۂ دستارِ باغ۔ جامِ جم۔ نرگسِ بیمار ؛

۲- اندھی پھول والی کے خیالات کو جو اس نظم میں لکھے گئے ہیں۔ اپنے الفاظ میں بیان کرو ؛

۳- "تم کو قدرت نے عطا کی قوّتِ نظّارگی" کی ترکیب نحوی کرو ؛

۴- "نظّارگی" کی یٰ کیسی ہے۔ اور یہ کلمہ قواعد میں کیا ہے ؟

۲۶- اخلاقی جُرأت

جُرأت

جُرأت یا دلیری کا بڑا تعلق دل سے ہے۔ اور جُرأت یا دلیری کا وجود اُس خیال پر منحصر ہے۔ جو ہمیں اپنے کام بے کھٹکے جاری رکھنے کی تحریک دیتا ہے۔ جُرأت دو اقسام پر منقسم ہو سکتی ہے :-

جسمانی جرأت

(۱) جسمانی یا قُدرتی جُرأت۔ یہ وہ جُرأت ہے جس کے بغیر سپاہی میدانِ جنگ میں اپنے کرتب اور فن نہیں دکھا سکتا۔ مثال کے طور پر ہم اس جگہ پومپی آئی کے سنتری کا ذکر کرتے ہیں۔ جب کہ کوہ آتش خیز وسوویس انگارے اور جھلسنے والا لاوا اپنے رہِ عدم کے دہانوں سے باہر پھینک رہا تھا۔ لوگ اس آفتِ ناگہانی سے پناہ حاصل کرنے کے لئے اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر نہایت ہی سراسیمگی اور خوف و ہراس کی حالت میں بھاگتے پھرتے تھے۔ اور تمام کوششوں کے باوجود اِس بلائے آسمانی سے چھٹکارا نہ ملتا تھا۔ لیکن واہ رے سنتری! تیری ماں نے تجھ ہی کو جنا تھا۔ تُو اپنی جان کا خوف نہ کھا کر لوگوں کو بچانے میں نہایت ہی سرگرمی سے کام لے رہا ہے۔ اور اپنے فرائضِ منصبی نہایت ہی مستعدی سے ادا کر رہا ہے افسوس! اس جوانمرد اور جری سپاہی نے سینکڑوں مرد و زن پر اپنی جان تصدق کی۔ اور اس کھینچا تانی کی حالت میں اپنی پیاری جان نہایت ہی جوانمردی سے لاوے کی نذر کی۔ اب احمد نگر کی چاند بی بی کی دلیری کو ملاحظہ فرمایئے۔ جس وقت مُغلوں نے شہر کی چار دیواری پر دانت پیس پیس کر حملہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ اور قریب تھا۔ کہ احمد نگر کی فوج اِس حملے

جسمانی جرأت

(۱) جسمانی یا قُدرتی جُرأت۔ یہ وہ جُرأت ہے جس کے بغیر سپاہی میدانِ جنگ میں اپنے کرتب اور فن نہیں دکھا سکتا۔ مثال کے طور پر، ہم اس جگہ پومپی آئی کے سنتری کا ذکر کرتے ہیں۔ جب کہ کوہ آتش خیز وسوویس انگارے اور جُھلسنے والا لاوا اپنے رۂ عدم کے دہانوں سے باہر پھینک رہا تھا۔ لوگ اس آفتِ ناگہانی سے پناہ حاصل کرنے کے لئے اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر نہایت ہی سراسیمگی اور خوف و ہراس کی حالت میں بھاگتے پھرتے تھے۔ اور تمام کوششوں کے باوجود اِس بلائے آسمانی سے چُھٹکارا نہ ملتا تھا۔ لیکن واہ رے سنتری! تیری ماں نے تجھ ہی کو جنا تھا۔ تُو اپنی جان کا خوف نہ کھا کر لوگوں کو بچانے میں نہایت ہی سرگرمی سے کام لے رہا ہے۔ اور اپنے فرائضِ منصبی نہایت ہی مستعدی سے ادا کر رہا ہے افسوس! اس جوانمرد اور جری سپاہی نے سینکڑوں مرد و زن پر اپنی جان تصدّق کی۔ اور اس کھینچا تانی کی حالت میں اپنی پیاری جان نہایت ہی جوانمردی سے لاوے کی نذر کی۔ اب احمدؔ نگر کی چاند بی بی کی دلیری کو ملاحظہ فرمایئے۔ جس وقت مُغلوں نے شہر کی چار دیواری پر دانت پِیس پِیس کر حملہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ اور قریب تھا۔ کہ احمدؔ نگر کی فوج اِس حملے

جسمانی جرأت

(۱) جسمانی یا قُدرتی جُرأت- یہ وہ جُرأت ہے جس کے بغیر سپاہی میدانِ جنگ میں اپنے کرتب اور فن نہیں دکھا سکتا۔ مثال کے طور پر ہم اس جگہ پومپی آئیُ کے سنتری کا ذکر کرتے ہیں۔ جب کہ کوہ آتش خیز وسوویس انگارے اور جُھلسنے والا لاوا اپنے رہِ عدم کے دہانوں سے باہر پھینک رہا تھا۔ لوگ اس آفتِ ناگہانی سے پناہ حاصل کرنے کے لئے اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر نہایت ہی سراسیگی اور خوف و ہراس کی حالت میں بھاگتے پھرتے تھے۔ اور تمام کوششوں کے باوجود اِس بلائے آسمانی سے چھُٹکارا نہ ملتا تھا۔ لیکن واہ رے سنتری! تیری ماں نے تجھ ہی کو جنا تھا۔ تُو اپنی جان کا خوف نہ کھا کر لوگوں کو بچانے میں نہایت ہی سرگرمی سے کام لے رہا ہے۔ اور اپنے فرائضِ منصبی نہایت ہی مستعدی سے ادا کر رہا ہے افسوس! اس جوانمرد اور جری سپاہی نے سینکڑوں مرد و زن پر اپنی جان تصدّق کی۔ اور اس کھینچا تانی کی حالت میں اپنی پیاری جان نہایت ہی جوانمردی سے لاوے کی نذر کی۔ اب احمدؔ نگر کی چاند بی.بی کی دلیری کو ملاحظہ فرمایئے۔ جس وقت مُغلوں نے شہر کی چار دیواری پر دانت پیس پیس کر حملہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ اور قریب تھا۔ کہ احمدؔ نگر کی فوج اِس حملے

کی تاب نہ لا کر ہتھیار ڈال دے۔ ٹھیک اُس دم یہ نیک اور چاند سی بی بی زرہ بکتر پہن آلاتِ حرب سے جسم کو مزین کر ہاتھ میں تلوار پکڑے شگاف پر آ موجود ہوئی۔ اور اپنے سپاہیوں کو جوشیلے الفاظ سے بڑھاوے دینے لگی۔ کہ دشمن کے چھکے چھوٹ گئے۔ لاچار مغلوں کی سپاہ کو منہ کی کھا کر واپس بھاگنا پڑا۔ ہندوستان کی تاریخ میں اس نیک اور پارسا بی بی نے اپنی جسمانی یا قدرتی جرأت کی وجہ سے ایسی لازوال شہرت حاصل کر لی ہے۔ کہ چار دانگِ عالم میں اُس کا نام گونج رہا ہے۔ اور لوگ اِس کو بڑی عزت اور توقیر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ٭

اخلاقی جُرأت

(۲) اخلاقی جرأت کو ہماری عادات سے خاص تعلق ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ جو لوگ جسمانی جُرأت کے مالک ہیں۔ وہ اخلاقی جُرأت سے بھی غلامی کا پٹہ لکھوا لیں۔ بہت سے سپاہی لڑنے میں بیباک ہوتے ہیں۔ لیکن اتنی تاب نہیں لاتے کہ اپنے ہم چشموں کے مزاج اور دِل لگی اور ہنسی کا مقابلہ کر سکیں۔ برعکس اس کے ایسی نازک بدن اور گُل اندام بیبیاں بھی ہیں۔ جن میں انتہا درجے کی اخلاقی جُرأت پائی جاتی ہے۔ اس سے وہ بہادری مراد ہے۔ جو انسان کو ایماندار اور راست گفتار اور قرض سے مُحترز اور

ہوائے نفسانی کا دشمن ہونے اور اپنے فرائض کو باحسن الوجوہ انجام دینے کی تحریک دیتی ہے ؛

اخلاقی کم ہمتی

اخلاقی جُرأت کے نہ ہونے کی وجہ سے انسان کے چال چلن میں بڑا بھاری نقص واقع ہو جاتا ہے۔ اور طاقت ارادی کچھ ایسی کمزور اور قریب قریب باطل پڑ جاتی ہے۔ کہ حالانکہ وہ دیکھتا ہے۔ کہ یہ درست راستہ ہے۔ اور دل سے چاہتا بھی ہے کہ میں ایسی راہِ مستقیم کا رہرو بنوں۔ اور ٹیڑھے راستے کو بُرا سمجھتا ہے اور اُس سے پرہیز کرنا چاہتا ہے۔ لیکن پھر بھی وہی ٹیڑھا راستہ بصد ناز و ادا اس کو اپنی طرف کشاں کشاں لئے جاتا ہے۔ اور اس میں اتنی اخلاقی جُرأت نہیں ہوتی۔ کہ اُس بیجا طریق سے نہایت ہی بہادری کے ساتھ پرے ہٹ جائے۔ یہاں یہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم چند ایک نظیریں اخلاقی جُرأت اور اخلاقی کم ہمتی یا بُزدلی کی ہدیۂ ناظرین کریں ؛

اخلاقی جُرأت کی مثال

پہلے پہل اخلاقی جُرأت کا ظہور یقیناً راست گفتاری میں ہوتا ہے۔ اگر ہم نے کوئی قصور کیا ہو۔ لیکن بغیر کسی شرم یا حجاب کے اُس قصور کا نہایت ہی پاک باطنی سے اعتراف کریں۔ تو یہ اخلاقی جرأت کی ایک بڑی مثال ہے۔ دروغ گوئی اور فریب عموماً نتیجے ہیں بُزدلی کے ؛

اخلاقی کم ہمتی کی مثال

مندرجۂ ذیل مثال اخلاقی کم ہمتی کی ایسی مثال ہے۔ جو عموماً ہندوستان کے ہر قبیلے اور ہر فرقے کی طرزِ معاشرت پر عائد ہو سکتی ہے۔ اور اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اگر قبیلوں کے سرپرست اور بزرگ اخلاقی کم ہمتی کے ہاتھ نہ بِک جائیں۔ تو قرینِ قیاس معلوم ہوتا ہے کہ ان کی حالت میں ایک عظیم اصلاح ہو جائے۔ مثال اخلاقی کم ہمتی کی یہ ہے کہ ایک باپ کو اپنی لڑکی کی شادی عنقریب کرنی ہے۔ اور اس کی ماہواری آمدنی صرف پچاس روپے ہے اور بد قسمتی سے وہ اب تک ایک پائی بھی شادی کے لئے نہیں جمع کر سکا۔ لیکن اُس کی ظاہری حیثیت اِس بات کی مقتضی ہے۔ کہ وہ شادی میں پانسو روپیہ صرف کرے۔ تو پھر اُسے کیا کرنا چاہیئے؟ کیا وہ نہایت ہی دلیری سے یہ کہہ دیتا ہے۔ کہ میرے پاس شادی میں اتنا روپیہ لگانے کو نہیں دھرا ہے۔ اور یہ عین حماقت ہے۔ کہ شادی کے لئے قرض دام لے کر رات دن کی فکر کا شکار بنوں؟ نہیں بلکہ ایسے اعلیٰ خیالات والے چند ہی بندگانِ خدا ہیں۔ ورنہ ایک بڑی تعداد لوگوں کی ایسے موقع پر اپنی ناک ساک کی خاطر بے دھڑک روپیہ قرض لے لیتی ہے۔ اور انجام پر ذرا غور نہیں کی جاتی۔ ایسے لوگ نہایت ہی

بُزدلی اور جہالت سے اپنی گردن قرض کے جُوئے کے نیچے دبا لیتے ہیں۔ ع

بریں عقل و دانش بباید گریست

برخلاف اس کے جس شخص میں اخلاقی جُرأت ہوتی ہے وہ اپنی بساط سے زیادہ خرچ ہرگز نہیں کرتا۔ اور وہ قرض کے وبال سے خود ہی نہیں بچا رہتا۔ بلکہ وہ اپنے مُلکی بھائیوں کے لئے خود ایک زندہ مثال بنتا ہے۔ اور اس طرح اُن کو اخلاقی جُرأت کا سبق سکھاتا ہے ؎

ریفارمر اور اخلاقی جُرأت

ہر زمانے اور ہر وقت میں ریفارمروں کو اخلاقی جرأت کی انتہا درجے کی ضرورت پڑتی رہی ہے۔ بہت دفعہ ایسا اتفاق ہوا ہے کہ ان کو تمام عمر ملزم قرار دیا گیا ہے۔ بعض کو جیلخانوں کی کڑیاں اور مُصیبتیں جھیلنی پڑی ہیں۔ اور بہت سے ریفارمروں نے اپنے ایمان اور عقیدے پر اپنی جانیں نثار کر دی ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں۔ جو دُنیا کی بہبودی کی مشین کے پہیئے ہیں اور دُنیا کی تاریخ میں ان کے نام نہایت ہی عزت کے ساتھ ابدالآباد تک قائم رہینگے اور سخت سے سخت مصیبت اور دُشوار سے دُشوار مہم میں لوگوں کی دستگیری اور رہبری کرینگے ؎

مارٹن لوتھر

اخلاقی جُرأت کے کرشموں کا اثر ناظرین کے دل پر قرار واقعی طور پر جمنے کے لئے ہم

ان کو مارٹن لوتھر کے زمانے کی یاد دلاتے ہیں۔ یہ پراٹسٹنٹ مذہب کا وہ چوٹی کا رفارمر ہے جس کی عظمت کا سکہ یورپ کے ہر گوشے اور ہر طبقے میں بیٹھ گیا ہے۔ لوتھر ۱۰ ار نومبر ۱۴۸۳ء میں بمقام ایسلبن (واقع سکسنی) پیدا ہوا۔ جب بڑا ہوا۔ تو باپ کے حکم کے موافق قانون کے مطالعہ کی جانب رجوع کیا۔ لیکن جب اسی کا ایک عزیز دوست بجلی کے گرنے سے اس کی آنکھوں کے سامنے مرا تو اس کا دل دنیا کی تمام دلچسپیوں سے اُچاٹ ہو گیا اور اس نے بمقام ارفرٹ ایک خانقاہ میں گوشہ نشینی اختیار کی۔ یہاں رہتے ہوئے لوتھر کو بہت عرصہ نہ ہوا تھا۔ کہ ایک دن حسنِ اتفاق سے ارفرٹ کے کتبخانے سے ایک پرانی بائیبل لاطینی زبان کی اس کے ہاتھ لگی۔ اور اس بائیبل کے پڑھنے سے لوتھر کو یہ واضح ہوا۔ کہ رومن کیتھلک مذہب کے تمام طریقے درست نہیں۔ اور پوپ کی حد سے زیادہ عظمت اس کی نگاہ میں بیجا معلوم ہوئی۔ چنانچہ اب وہ پوپ کی شان و شوکت اور جبروت کے مٹانے پر تُل گیا۔ پوپ نے کئی مرتبہ اس کو کبھی نرمی سے اور کبھی غیظ و غضب سے یہ کہا۔ کہ تو ان حرکات سے باز آ۔ اور پھر یہ دھمکی بھی دی۔ کہ میں تجھ کو زندہ جلا کر خاک سیاہ کر ڈالونگا آخر

لوتھر نے ۱۵۲۱ء میں ورمز کے مذہبی مجمع کے روبرو ایک لیکچر نہایت ہی جوشیلے الفاظ میں دیا اور اس عام جلسے میں اپنے نئے مذہب کے اصول حاضرین کو سمجھائے۔ اور آخر میں کہا۔ کہ "جن مذہبی اصول کی میں تلقین کرتا ہوں۔ اُن کا اقتباس میں نے خدا کے پاک کلام یعنی بائبل سے کیا ہے۔ اب میں اپنے ایمان سے ہرگز دست بردار نہیں ہو سکتا۔ چاہے پوپ اور دُنیا کے بادشاہ مجھ کو پا بزنجیر زیر زمین جیلخانوں میں مقید رکھیں۔ خواہ زندہ گاڑیں اور چاہے وہ جیتے جی جلا کر میرا نام و نشان تک باقی نہ رکھیں"۔

ذرا ایک لمحے کے لئے خیال کرو کہ لوتھر کے گرد مخالفین کا ایک انبوہِ کثیر جمع ہے۔ جس میں ہر طبقے کے لوگ موجود ہیں۔ شہنشاہ[1] چارلس پنجم بھی وہاں ہے۔ اور جرمنی کے تمام شہزادے اور پوپ کے قاصد اور بڑے بڑے حکام وقت کی نگاہیں بھی لوتھر کے چہرے پر پڑ رہی ہیں۔ ایسے ذی اقتدار لوگوں کے سامنے مندرجہ بالا کلمات کا لوتھر کی زبان سے نکلنا اُس کی اخلاقی جرأت کا بڑا بھاری ثبوت ہے۔

سائنس اور اخلاقی جرأت

سمائلز لکھتا ہے کہ "دُنیا کی تمام بڑی بڑی مہیں اخلاقی جرأت نے ہی سر

---

[1] ایک تاجدار۔

کی ہیں۔ ہر قوم کی تاریخ پڑھنے سے واضح ہوتا ہے کہ کوشش کے میدان میں ترقی کے قدم ان لوگوں نے ہی بڑھائے ہیں۔ جو دِل کے دلیر تھے۔ اور اخلاقی جرأت اپنے حصّے میں رکھتے تھے۔ سقراط نے نیکی۔ اور حیاتِ جاودانی کی نسبت اپنے شاگردوں اور عوام الناس کو اعلیٰ درجے کی تعلیم دی تھی۔ لیکن یہ تعلیم اُس زمانے کے لوگوں کے خیالات کے خلاف تھی۔ گورنمنٹ نے اُس کو متنبہ کیا۔ کہ اس قسم کی تعلیم سے باز آئے۔ سقراط نے انواع و اقسام کی سختیاں جھیلیں۔ لیکن اپنے اصُول کی تلقین سے نہ پھرا۔ آخر حسب الحکم گورنمنٹ اس دلیر شخص نے زہر ہلاہل کا پیالہ پی کر اپنی جانِ شیریں کو خیر باد کہا۔ لیکن مرتے دم تک شاگردوں سے اپنے عقیدوں اور اُصولوں کا تذکرہ کرتا رہا۔ گلیلیو نے جو اطالیہ کا ایک بلند پایہ منجم گذرا ہے۔ لوگوں میں عام طور پر مشتہر کیا تھا۔ کہ زمین سُورج کے گرد پھرتی ہے ان الفاظ کے عوض جو مظالم اس کو سہنے پڑے تھے۔ اُن سے وہ قریب قریب نیم مُردہ ہو گیا تھا۔ غرض اسی طرح نیوٹن کو بھی جر ثقیل کی دریافت پر کافر قرار دے کر مجرم تصوّر کیا گیا تھا۔ حالانکہ نیوٹن صاف دلی اور پاک باطنی کے لحاظ سے تمام دُنیا میں مشہور ہے لیکن غور کرنے کا مقام ہے۔ کہ اگر یہ سائینس دان

حضرات سائینس کی معلومات کو اپنے سینوں میں دفن کئے ہوئے دفن ہو جاتے۔ تو پھر ہمیں ان نئی معلومات سے محروم رہنا ہوتا۔ اور سائینس کی ایک بڑی شاخ معرضِ ظلمت میں رہ جاتی ۔

ہم اور اخلاقی جُرأت

اپنے طریق و اطوار اور ڈھنگوں کو درست کرنے کے لئے ہمیں اخلاقی جُرأت کی سخت ضرورت رہتی ہے۔ نفسانی خواہشیں انسان کی جانی دشمن ہیں مرتے دم تک ہم اپنی خواہشوں کی کشمکش۔ اور اُلجھنوں میں گرفتار رہتے ہیں۔ اور اگر ہم میں اخلاقی جُرأت موجود ہے۔ تو ضرور ان نفسانی خواہشوں کو نیچا دکھاتے ہیں۔ اور اس طرح سے اپنی تمام زندگی کو اخلاقی عیوب سے مبرا کر لیتے ہیں ۔

اخلاقی جُرأت کے حاصل کرنے کا وسیلہ

اس وقت بار بار جو سوال ہمارے دِل میں پیدا ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ "ہم اخلاقی جُرأت کو کیونکر حاصل کر سکتے ہیں"؟ اگر نفس کا شیطان تمہیں دھوکا دے کر اپنے دامِ گلوگیر میں پھنسانا چاہے۔ اور تم اُس کے دھوکے میں نہ آؤ۔ بلکہ "نہ نہیں" کہہ کر اس کا دِل جلاؤ یہ اخلاقی جُرأت کا پہلا کرشمہ ہوگا۔ جو تمہاری جانب سے ظہور میں آئیگا اب جتنی مرتبہ تم نفس کشی سے اپنے فرائض کے سرانجام دینے کی طرف متوجہ ہوگے۔ اُسی قدر اخلاقی

جرأت تمہارے دل و دماغ میں جگہ پکڑتی جائیگی۔ لیکن نفس کی شرارتوں کو برداشت کرنے سے نتیجہ برعکس پیدا ہوگا۔

ہر کام کے کرتے وقت اور ہر بات کے کہتے وقت اگر ہر شخص مندرجۂ ذیل نصیحت کو اپنے خیال میں رکھے۔ تو پھر کوئی وجہ نہیں۔کہ وہ اپنے ارادوں میں کامیاب نہ ہو۔

"جوانمرد اور مستقل مزاج بنو۔ اور ہر کام صرف خدا سے ڈر کر کرو۔ جو کام تم کرو۔ اور جو بات تم کہو۔ اُس کے کرتے اور اُس کے کہتے وقت اپنے دل سے یہ سوال کرو "کیا جو کچھ میں کرنا چاہتا ہوں یا کہنا چاہتا ہوں۔ درست ہے؟" اگر تمہارا دل جواب میں "ہاں" کہے۔ تو پھر بہر صورت لوگوں کی مخالفت کے باوجود وہ کام کرو۔ اور وہ بات کہو۔ ممکن ہے کہ تمہارے بعض رفقاء تمہارے مخالف ہو جائیں۔ ممکن ہے کہ لوگ تمہیں حسب دستور عزت کی نگاہ سے نہ دیکھیں۔ لیکن تم ان سب باتوں کی کچھ پروا نہ کرو۔ مستقل مزاج رہو۔ اور مرد بنو۔ خدا تمہاری مدد پر ہے۔ تمہیں اس بات کا ذرا خیال نہ کرنا چاہئے۔ کہ لوگوں کا تمہاری نسبت کیا گمان ہے۔ صرف یہ خیال ہمیشہ رکھو۔ کہ تمہارا مدعا ایمانداری پر مبنی ہو۔ اور اپنے

ضمیر کے احکام کی پابندی کو اپنا فرض سمجھو۔ جو دِل دُنیاوی آلائشوں سے پاک ہے۔ وہ جُرأت بھی ضرور رکھتا ہوگا۔ کیونکہ پھر اُسے ڈر کس بات کا ہے؟ اخلاقی جُرأت سے ایسا طریقہ اختیار کرو۔ کہ زندگی کا دشوار گذار سفر آسان ہو جائے۔"

بقول سمائلز بات ساری یہ ہے۔ کہ جوانمرد اور دلیر لوگ ہی خدا کے ایسے بندے ہیں۔ جو اِنسانی زندگی میں جان ڈال دیتے ہیں اور وُہی دُنیا کی حکومت اور رہبری کے قابل ہیں۔ مرنے کے بعد کمزوروں اور ڈرپوکوں کا نام و نشان تک باقی نہیں رہتا۔ لیکن ایک راست گفتار سچے اور صاحب جُرأت شخص کی زندگی اُس کے مرنے کے بعد ایک ایسا روشن رستہ ہے۔ جو دُنیا کے بھولے بھٹکے مسافروں کی رہبری کریگا اور اُس دلاور شخص کی سوانح عمری ایک ایسا دلچسپ سبق ہے۔ جس کو دُنیا کے سب لوگ شوق سے پڑھیں گے۔ اور اُس کے خیالات اور اُس کے جوش اور ولولے اور اُس کی اخلاقی جُرأت اپنے فائدہ بخش اثر سے نسلاً بعد نسلٍ لوگوں کے دلوں کو متاثر کرتی رہیگی ؎

زندہ است نام فرخ نوشیرواں بعدل
گرچہ بسے گزشت کہ نوشیرواں نماند

جناب ڈپٹی لال نگم

سوالات

۱- جسمانی جرأت اور اخلاقی جرأت میں مضمون نگار نے کیا فرق بتایا ہے؟

۲- سمائلز کی رائے میں اخلاقی جرأت کن ترقیوں کی محرک ہوئی ؟

۳- ارادوں میں کامیاب ہونے کے لئے مضمون نگار نے کن نصائح پر عمل پیرا ہونے کی تاکید کی ہے ؟

۴- تحلیل صرفی کرو۔
"اُس نے بمقام ارفرٹ ایک خانقاہ میں گوشہ نشینی اختیار کی"

۵- خانقاہ قواعد میں کیا ہے ؟

۲۷- لڑکیوں کی تعلیم

تعلیم عورتوں کو بھی دینی ضرور ہے
لڑکی جو بے پڑھی ہو تو وہ بے شعور ہے
حسنِ معاشرت میں سراسر فتور ہے
اور اُس کے والدین کا بیشک قصور ہے

اُن پر یہ فرض ہے کہ کریں کوئی بندوبست
چھوڑیں نہ لڑکیوں کو جہالت میں شاد و مست

لیکن ضرور ہے کہ مناسب ہو تربیت
جس سے برادری میں بڑھے قدر و منزلت
آزادیاں مزاج میں آئیں نہ تمکنت
ہو وہ طریق جس میں ہو نیکی و مصلحت

ہر چند ہو علومِ ضروری کی عالمہ
شوہر کی ہو مُرید تو بچّوں کی خادمہ

مذہب کے جو اُصول ہوں اُس کو بتائے جائیں
باقاعدہ طریقِ پرستش سکھائے جائیں
اوہام جو غلط ہوں وہ دِل سے مٹائے جائیں
سکّے خدا کے نام کے دِل میں بٹھائے جائیں

عِصیاں سے محترز ہو خدا سے ڈرا کرے
اور حُسنِ عاقبت کی ہمیشہ دُعا کرے

تعلیم خوب ہو تو نہ آئے گی دام میں
خالق سے لَو لگائیگی وہ اپنے کام میں
خیرات ہی سے ہوگی غرض خاص و عام میں
اس کو سکھایا جائے یہ واضح کلام میں

اچھا بُرا جو کچھ ہے خدا ہی کے ہاتھ ہے
نیکی اگر کرے گی تو فطرت بھی ساتھ ہے

تعلیم ہے حساب کی بھی واجبات سے

دیوار پر نشان تو ہیں واہیات سے
یہ کیا۔ زیادہ گن نہ سکے پانچ سات سے
لازم ہے کام لے وہ قلم اور دوات سے

گھر کا حساب سیکھ لے خود آپ جوڑنا
اچھا نہیں ہے غیر پہ یہ کام چھوڑنا

سینا پرونا عورتوں کا خاص ہے ہُنر
درزی کی چوریوں سے حفاظت پہ ہو نظر
عورت کے دل میں شوق سے اِس بات کا اگر
کپڑوں سے بچے جاتے ہیں گُل کی طرح سنور

کسبِ معاش کو بھی یہ فن ہے کبھی مفید
اک شغل بھی ہے دل کے بہلنے کی بھی اُمید

سب سے زیادہ فکر ہے صحت کی لازمی
صحت نہیں درست تو بے کار زندگی
کھانے بھی بے ضرر ہوں صفا ہو لباس بھی
آفت ہے ہو جو گھر کی صفائی میں کچھ کمی

تعلیم کی طرف ابھی اور اک قدم بڑھیں
صحت کے حفظ کے جو قواعد ہیں وہ پڑھیں

دُنیا میں لذتیں ہیں۔ نمائش ہے شان ہے
اُن کی طلب میں۔ حرص میں سارا جہان ہے
اکبر سے یہ سنو کہ جو اِس کا بیان ہے
دُنیا کی زندگی فقط اک اِمتحان ہے

حد سے جو بڑھ گیا تو ہے اُس کا عمل خراب
آج اُس کا خوشنما ہے مگر ہوگا کل خراب

حضرت اکبر الہ آبادی مرحوم

سوالات

۱- مولانا اکبر نے لڑکیوں کی تعلیم کے متعلق کیا خیالات ظاہر کئے ہیں۔ اُن کو سلیس نثر میں لکھو۔

۲- ان الفاظ کے معانی بتاؤ:-

تمکنت۔ اوہام۔ واجبات۔ حفظِ صحت۔

۳- اِس عنوان پر ایک مختصر جواب مضمون لکھو۔ اور مثالیں دے کر اِس بیان کو ثابت کرو:-

حد سے جو بڑھ گیا تو ہے اُس کا عمل خراب
آج اُس کا خوشنما ہے مگر ہوگا کل خراب

۴- ذیل کے مصرع کی ترکیب نحوی کرو:-

"حد سے جو بڑھ گیا تو ہے اُس کا عمل خراب"

۵- نظم بالا میں سے مرکّب اضافی اور مرکّب توصیفی الگ الگ لکھو۔

۲۸- سائنس کے حیرت انگیز کرشمے

مکالے کا نام ہندوستان میں زبان زدِ خاص و عام ہے۔ اِس کی قابلیتوں کا سب کو اِعتراف ہے مکالے سائنس دان نہیں تھا۔ لیکن سائنس کا جادُو اِس پر چل گیا تھا۔ سائنس نے بنی نوع انسان کو حق پرستی اور حق جوئی کے صِلہ میں جو انعامات عطا کئے ہیں۔ اور جو فوائد ہم کو اپنی روز مرّہ کی زندگی میں عِلمی تحقیقات کی بدولت حاصِل ہیں۔ ان کو مکالے نے نہایت خُوبی کے ساتھ مجمُلاً یُوں بیان کیا ہے :-

سائنس نے زندگی لمبی کر دی ہے۔ تکلیف کو گھٹا دیا ہے۔ بیماریوں کی بیخ کنی کر دی ہے۔ زمین کی پیداوار بڑھا دی ہے۔ ملّاحوں کی زندگی کو خطرہ سے محفوظ کر دیا ہے۔ سپاہیوں کے لئے نئے نئے بازو بنا دئے ہیں۔ بجلی کو مطیع و منقاد بنا لیا ہے۔ رات کی تاریکی کو دن کے اُجالے سے زیادہ روشن بنا دیا ہے۔ آنکھ کی دُور بینی کو وسعت بخشی ہے۔ انسانی طاقتوں کو لا انتہا ترقی دی ہے۔ رفتار تیز کر

دی ہے۔ فاصلہ کم کر دیا ہے۔ میل ملاپ آسان کر دیا ہے۔ اور حضرت انسان کو سمندر کی تہ اور ہوا کی بلندی کی سیر کرا دی ہے۔ یہ سائینس کے اوّلین فوائد میں سے چند ایک ہیں۔ ہزاروں فائدوں سے انسان ابھی متمتع نہیں ہؤا۔ سائینس کا قانون ترقی کرتا ہے۔ جو باتیں کل ہماری نظر سے مخفی تھیں۔ آج ہمارے پیش نظر ہیں۔ اور آئندہ وُہی ہماری تحقیق کی ابتدا ہونگی۔

جو اُمور اس مختصر اقتباس میں بیان کئے گئے ہیں ان میں سے ہر ایک بجائے خود ایک علیحدہ کتاب چاہتا ہے۔ علم دوست اصحاب جو زمانہ سے پیچھے نہیں ہیں۔ خود اس اجمال کی تشریح کر سکینگے۔ اور کسی غلط فہمی میں نہیں پڑینگے۔ اگر سائینس کا یہ دعوےٰ ہے۔ کہ اس کی بدولت زندگی لمبی ہو گئی ہے۔ تو یہ چنداں حیرت انگیز نہیں ہے۔ زندگی لمبی ہونے سے یہ مُراد نہیں ہے۔ کہ فی الحقیقت انسانی عمر میں زیادتی کرنے کے لئے سائینس نے کوئی کیمیائی نسخہ دریافت کر لیا ہے۔ بلکہ یہ مقصُود ہے۔ کہ سائینس کے طفیل ہم اپنی تھوڑی سی عمر میں بہت سے کام کر سکتے ہیں۔ جو صدیوں زندہ رہ کر بھی سرانجام نہیں دے سکتے تھے۔ علیٰ ہٰذا القیاس۔ باقی فقرات بھی سمجھنے کے قابل ہیں۔ صرف مکانے ہی سائینس کے

محاسن میں اتنے جوش سے رطب اللسان نہیں ہوا۔ بلکہ ہر کہ و مہ سائنس کی فضیلت کا معترف ہے،

"نکل کے معدنی کاغذ"

سائنس کے تمام کارنامے اپنی اپنی جگہ مفید ہیں۔ بعض اُن میں سے اتنے ادق اور باریک ہیں۔ کہ معمولی انسان نہ تو انہیں سمجھ سکتے ہیں۔ اور نہ ان سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ لیکن بعض ایسے بھی ہیں۔ کہ ہم اُن سے دُوسروں کی محنت اور عقل کے وسیلہ سے بغیر سمجھے بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ بھاپ اور حرارت کے خواص سے سب آشنا ہیں۔ لیکن ہم بہت کم دُخانی انجنوں کے پُرزوں۔ اور طریقِ عمل سے آگاہ ہونگے۔ گو ریل گاڑی سے سب فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ اسی طرح ایک صدی کے قریب زمانہ گذرا ہے۔ جب ایک انگریز (ڈیوی) نے برقی رَو کے ذریعہ سے کیمیائی مرکّبات پھاڑ کر اُن کے عناصر علیحدہ علیحدہ کرنے کا طریقہ دُنیا کو بتایا تھا۔ اس کے بعد فیراڈے نے اِس عمل کے قوانین دریافت کئے۔ اور آہستہ آہستہ اِس عمل میں ترقی ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ ڈیوی کے اُس

ایک تجربہ سے بڑھتے بڑھتے ہمارے معلومات اِس قدر ترقی کر گئے ہیں۔ کہ بہت سے کارخانے برقی رَو کی مدد سے گِلٹ کر کرکے لکھوکھا روپیہ کما رہے ہیں۔ لیکن حال ہی میں امریکہ کے ماہر سائینس دان ایڈیسن نے جو عملی فائدہ ان اصولوں سے حاصل کیا ہے۔ وہ نہایت حیرت انگیز ہے ؛

ایڈیسن نے نہایت باریک دھات کے کاغذ بنانے میں کامیابی حاصل کر لی ہے۔ جو خاص دھات اُسے کاغذ بنانے کے لئے تجربات کی بنا پر زیادہ مفید ثابت ہوئی ہے۔ نِکل (NICKEL) ہے۔ یہ وہی ہلکی دھات ہے۔ جس کی اکنّی ہندوستان میں رائج ہے۔ ایڈیسن کا دعوے ہے۔ کہ یہ کاغذ ہر حیثیت سے معمولی مروجہ کاغذوں سے فائق۔ زیادہ مضبوط زیادہ دیر پا اور کہیں زیادہ خوشنما اور سستا ہے۔ اور ان سب خوبیوں پر طرّہ یہ ہے۔ کہ ہلکا اور نہایت باریک ہے۔ کیڑا اُس کو نہیں لگ سکیگا۔ اور اُس کی کتابیں کاغذ کی معمولی کتابوں سے زیادہ لوچ دار ہونگی۔ اور شکن پڑنے سے پھٹنے کا اندیشہ بھی کم ہوگا ؛

ایڈیسن کا بیان ہے۔ کہ نِکل کا وہ کاغذ جس کی دبازت ایک انچ کا بیس ہزارواں حصّہ ہو۔ چھپائی

وغیرہ کے لئے بالکل موزون ہے۔ اس حساب سے ایسی کتاب جس میں بیس ہزار صفحے ہوں۔ ایک انچ موٹی ہوگی۔ یہ امر اس قدر حیرت انگیز ہے۔ کہ معمولی آدمی جو سائنس کے دیگر عجائبات سے کماحقہٗ آگاہ نہیں ہیں۔ نہایت مشکل کے ساتھ اُسے صحیح ماننے کے لئے تیار ہونگے۔ اتنا باریک نکل کا کاغذ ایڈیسن کے بیان کے مطابق معمولی باریک کاغذوں سے جو آج کل مروج ہیں۔ کہیں زیادہ مضبوط اور دیرپا ہوگا ایڈیسن کے دل و دماغ کی حالت جس وقت کہ وہ اس حیرت انگیز نتیجہ پر کامیابی سے پہنچا ہوگا۔ مطالعہ کرنے کے قابل ہوگی۔ اس نے نہایت شاندار طریقہ سے اپنی خوشی کو ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے کہ "یہ ایجاد دُنیا کے کاروباری آدمیوں کے لئے حد درجہ کی راحت و آرام کا موجب ہوگی۔ ایک بیرسٹر یا وکیل اپنی قانون کی کتابوں کی ساری لائیبریری اپنے کوٹ کی جیبوں میں ڈال کر کچہری میں جا سکیگا۔ طالب علم بڑی بڑی ڈکشنریوں کی زحمت سے نجات پائیں گے۔ تمام دُنیا کے علمی خزانے ایک معمولی حیثیت کی لائیبریری میں جمع ہو سکیں گے وغیرہ وغیرہ۔" اس کاغذ کے لئے خاص قسم کی سیاہی بنانے کی ضرورت ہوگی۔ گو معمولی چھاپہ کی سیاہی

بھی اس کے لئے کافی عمدہ ہے ؛

"کبوتر اور فوٹو گرافی"

جرمنی میں ایک فوٹو گرافر نے دُنیا کے لئے ایک اور حیرت انگیز تجربہ میں کامیابی حاصل کی ہے لیکن پیشتر اس کے کہ ہم اس کا ذکر کریں۔ فوٹو گرافی کے متعلق چند الفاظ بطورِ تمہید کے بیان کرنے ضروری معلوم ہوتے ہیں۔ فوٹو گرافی روشنی کے ذریعہ سے تصویر کھینچنے کے عمل کا نام ہے۔ اگر آپ ایک تاریک کمرہ میں ایک سوراخ میں سے سُورج کی روشنی اندر آنے دیں۔ تو بیرونی اشیا کی اُلٹی تصویریں سوراخ سے سامنے کی دیوار پر پڑینگی۔ اگر اس سوراخ کے نزدیک ایک اور سوراخ نکال دیا جائے۔ تو ہر ایک چیز کی دو اُلٹی تصویریں دیوار پر پڑیں گی۔ اور اگر بہت سے سوراخ ساتھ ساتھ نکالے جائیں۔ تو اُتنی ہی اُلٹی تصویریں ہر ایک چیز کی حاصل ہونگی سامنے کی دیوار پر روشنی کی مقدار زیادہ ہوگی۔ لیکن تصویریں علیحدہ علیحدہ پہچانی نہیں جا سکیں گی۔ اس لئے کہ مختلف تصویریں ایک دوسرے کے اوپر آ گئی ہونگی جب بہت سے سوراخ ساتھ ساتھ تھوڑی سی جگہ

ہیں نکالے جائیں گے۔ تو ایک بڑا سوراخ بن جائیگا
جس میں روشنی تو زیادہ آئیگی۔ لیکن تصویریں
دُھندلی پڑ جائیں گی۔ اِس نقص کو رفع کرنے کے
لئے اگر اس بڑے سوراخ میں ایک محدّب شیشہ
لگا دیا جائے۔ تو ایک روشن اور صاف اُلٹی تصویر
سامنے کی دیوار پر پڑیگی۔ یہی اصول فوٹو گرافی کی
جان ہیں۔ کیمرا لکڑی کا ایک صندوق ہوتا ہے۔
جس کا اندرونی حِصّہ سیاہی سے رنگا ہوتا ہے۔ اور
جس میں صرف ایک سوراخ ہوتا ہے۔ اِس سوراخ میں
محدّب شیشہ لگا ہوتا ہے۔ محدّب شیشہ کے مقابل
شیشہ کی ایک پلیٹ رکھی ہوتی ہے۔ جس پر ایسے کیمیائی
مرکبّات لگے ہوتے ہیں۔ کہ وہ روشنی کے اثر سے
سیاہ ہو جاتے ہیں۔ محدب شیشہ کے سامنے ایک
پردہ ہوتا ہے۔ جس کو فوٹو گرافر اپنے ہاتھ سے
ہٹاتا ہے۔ اور جس منظر کو کیمرے کی آنکھ دیکھ رہی
ہوتی ہے۔ وُہی منظر سامنے کی پلیٹ پر اُلٹا ثبت
ہو جاتا ہے۔

جرمنی کے فوٹو گرافر نے جن تجارب میں کامیابی
حاصل کی ہے۔ اُن کا ماحصل یہ ہے۔ کہ اُس نے
کبوتروں کو فوٹو گرافر بنا دیا ہے۔ اِس مقصد کے
حصول کے لئے اُس نے ایک طرفہ تو ایسا کیمرا

بنایا ہے۔ جس میں محدب شیشہ کے سامنے کا پردہ اوقاتِ معینہ پر اِس کے آگے سے خود بخود ایک خاص عرصے کے لئے ہٹ جاتا ہے۔ اور جو چیزیں کیمرے کی آنکھ کے سامنے ہوتی ہیں۔ اُن کی تصویر پلیٹ پر ثبت ہو جاتی ہے۔ وہ کیمرا اتنا ہلکا اور چھوٹا ہے۔ کہ ایک کبوتر کے سامنے والے بازوں کے ساتھ باندھا جا سکتا ہے۔ اِس کے بعد سب سے ضروری مسئلہ کبوتروں کا سدھانا ہے۔ تا کہ ایک معین اور یکساں رفتار کے ساتھ اُڑیں۔ اور جس طرف اُن کو اُڑایا جائے۔ اُدھر ہی جائیں۔ اِدھر اُدھر گھومنا شروع نہ کر دیں۔ اس کی تفصیل کے لئے تو ایک دفتر درکار ہے۔ مگر خلاصہ یہ ہے۔ کہ اِس طریقہ سے سدھانے سے لڑائی کے موقعہ پر بہت مدد مل سکتی ہے۔ دشمن کے قلعوں کے اندرونی حصّوں کی تصویریں حاصل ہو سکتی ہیں۔ یہ امر اظہر من الشمس ہے۔ کہ یہ تصویریں خواہ مخواہ بہت چھوٹی ہونگی۔ لیکن اگر ان کو بڑا کر لیا جائے۔ تو ہر ایک چیز کی شناخت آسانی سے ہو سکتی ہے۔ فوٹو گرافر موصوف نے یہ تجربے محض اپنے علمی مذاق کی مدد سے کئے ہیں۔ فی الحال وہ اپنے خاص کیمرے کی مدد سے یہ امر دریافت کر سکتا ہے کہ اِس کے کبوتر کن کن مقامات پر اُڑتے رہے ہیں

ارباب بصیرت اِس معاملہ پر مزید غور کریں اور اِس حیرت انگیز اِنکشاف کے عملی پہلوؤں پر نظر دوڑائیں یورپ والے اپنے تفریح کے سامان میں بھی مفید مطلب بات نکال لیتے ہیں۔ لیکن ہم ہیں۔ کہ ہمارے علمی مشاغل سے بھی آج تک کوئی نتیجہ مترتب نہیں ہوا۔ ع

ببیں تفاوتِ رہ از کجا ست تا بکجا!

"ایک پہیہ کی ریل گاڑی"

ایک عرصہ سے بجلی کے فوائد ثابت ہوچکے ہیں کھانا اِس کی مدد سے پک سکتا ہے۔ نوکر کا کام یہ دے سکتی ہے۔ بستر یہ بچھا دیتی ہے۔ دروازے یہ بند کردیتی ہے۔ کھانا یہ چُن سکتی ہے۔ اور یہ سب کام محض خیالی ہی نہیں ہیں۔ بلکہ یورپ اور امریکہ میں صدہا گھر ایسے ہیں۔ جن میں بجلی کی مدد سے سارے کام کئے جاتے ہیں۔ ٹریموے تو بجلی سے چلتی ہے عنقریب ریل گاڑیاں بھی اس کی مدد سے چلا کرینگی۔ ایک پہیہ کی ریل کا اصُول یہ ہے۔ کہ گھومتی ہوئی اشیا اپنا مرکز ثقل قائم رکھتی ہیں۔ آپ نے بچّوں کو دیکھا ہوگا۔ کس مزہ سے لٹّو گھماتے ہیں؟ اگر لٹو

ساکن ہو جائے۔ تو زمین پر گر پڑتا ہے۔ لیکن گھُومتے ہوئے نہ صرف بغیر ہمارے سہارے کے مستقل طور پر کھڑا رہتا ہے۔ بلکہ حرکت بھی کر سکتا ہے۔ برینسن نے جو ایک پہیہ کی ریل گاڑی کا مُوجِد ہے اسی لٹو کی مثال سے حضرتِ انسان کے لئے ایک پہیہ والی گاڑی بنائی ہے۔ گاڑی کے پہیوں میں بڑے بڑے لٹو بجلی کی طاقت سے گھُومتے رہتے ہیں۔ اور بجلی کی طاقت سے گاڑی بھی حرکت کرتی جاتی ہے۔ جب تک لٹو گھُومتے ہیں۔ گاڑی کے گرنے کا کوئی اندیشہ نہیں ہو سکتا۔

بجلی کی مدد سے اوجھل اشیا کو دیکھنا

بجلی کی روشنی سے سب واقف ہیں۔ ٹیلیفون جس کے ذریعے سے آواز ایک جگہ سے دُوسری جگہ پہنچائی جاتی ہے۔ بجلی کی مدد سے کام کرتا ہے اُس کے ذریعے سے انسان گھر بیٹھے لکچر اور تقریریں سُن سکتا ہے۔ اور دُوسرے شہر کے آدمیوں سے بات چیت بھی کر سکتا ہے۔ تین سال کا عرصہ ہؤا۔ ایک سائینسدان کو انوکھا خیال پیدا ہؤا۔ کہ جس طرح ہم اپنے کمرے میں بیٹھے ہوئے دُور دُور

کی باتیں سُن سکتے ہیں۔ کیا اُسی طرح یہ ممکن نہیں ہے۔ کہ ہم اپنی کُرسی پر بیٹھے اپنے غائب دوستوں کی شکل دیکھ سکیں۔ کوشش کرتے کرتے آخر اُسے کامیابی حاصل ہوئی۔ اب وہ بجلی کی مدد سے تھوڑے فاصلہ پر (جو ایک دو میل سے زیادہ نہ ہو) چھوٹی چھوٹی تصویریں دیکھ سکتا ہے۔ اور اسی طرح ہم بھی کسی غائب دوست کا چہرہ اپنے کمرہ میں بیٹھے ہوئے بجلی کی مدد سے دیکھ سکینگے۔ میں ایک امرِ واقعہ کو بیان کر رہا ہوں۔ ابھی ان باتوں کا ہندوستان میں چرچا نہیں ہوا۔ لیکن جن ممالک میں لوگوں کو تحصیلِ علم کا شوق ہے۔ وہاں ان باتوں کی طرف دن بدن زیادہ توجہ منعطف ہو رہی ہے۔ یہ کہنا نہایت مشکل ہے کہ یہ انکشافات عوام کی دسترس میں کب آئیں۔ لیکن یہ امر یقینی ہے۔ کہ جہاں کہیں برقی پیغام رسانی کے لئے تاریں لگی ہیں۔ وہاں یہ سب باتیں حاصل ہو سکتی ہیں چونکہ اس مسئلہ کو ذہن نشین کرانے کے لئے بہت سی ابتدائی باتوں کا سمجھانا لازمی ہے۔ میں نے عمداً اس مسئلہ کا فلسفہ سمجھانے سے چشم پوشی کی ہے۔ اور نتائج کے اظہارِ محض پر اکتفا کیا ہے۔ دوربین صرف اُن دُور کی چیزوں کو دکھا

سکتی ہے۔ جن کے اور ہمارے درمیان کوئی رُوکاوٹ نہیں ہوتی۔ اوجھل اشیاء کو ہم دُوربین کی مدد سے نہیں دیکھ سکتے۔ مگر مذکورہ بالا ایجاد کا مطلب یہ ہے۔ کہ گھر بیٹھے دُوسرے گھروں کی چیزیں باوجُود رُکاوٹوں کے دیکھ سکتے ہیں +

فاصلہ سے دل کی حرکت کا امتحان کرنے کا برقی آلہ

بجلی کے عجائبات کی فہرست بہت لمبی ہے۔ اور اس کی ترقی اتنی تیز رفتار ہے۔ کہ اس کا پیچھا کرنا کچھ آسان بات نہیں ہے۔ آپ نے اکثر سُنا ہوگا۔ کہ بجلی بہت سے امراض کے لئے نہایت مُفید ہے۔ بجلی کا چرچا تو اب گئے گذرے ہندوستان میں بھی عام ہے۔ لیکن حال ہی میں جو فائدہ ایک ڈاکٹر نے بجلی سے حاصل کیا ہے۔ وہ اتنا اہم ہے۔ کہ ہم اس کا ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ آپ نے انگریزی ڈاکٹروں کو دیکھا ہوگا۔ کہ دل کی حرکت ایک خاص قسم کا آلہ لگا کر دریافت کرتے ہیں۔ جسے اصطلاح میں سٹیتھسکوپ کہتے ہیں۔ ڈاکٹر موصوف نے بجلی کی مدد سے ایک ایسا سٹیتھسکوپ[1] ایجاد کیا ہے۔ کہ اس کے ذریعہ سے وُہ دُور دراز کے

[1] STETHOSCOPE

مریضوں کی دل کی حرکت کا معائنہ کر کے مرض کی تشخیص کر لیتا ہے۔ یُوں کہنا چاہیئے۔ کہ دِل کی دھیمی سی آواز کوسوں کے فاصلہ پر ڈاکٹر صاحب کے کان میں چلی جاتی ہے۔ اُور ایسی صفائی سے سُنائی دیتی ہے۔ گویا مریض ڈاکٹر کے قریب ہی لیٹا ہُوا ہے۔ اِس ایجاد میں کوئی نیا اُصول نہیں دریافت کیا گیا۔ صرف ٹیلیفون اور سٹیتھسکوپ کے باہمی تناسب میں سے ایک نہایت ہی مفید چیز انسان کے قبضہ میں آ گئی ہے۔ اگر کوئی چیز اِس ایجاد میں قابلِ تعریف ہے۔ تو وہ ڈاکٹر کا اصلی خیال ہے۔ جو ٹیلیفون اور سٹیتھسکوپ کے باہم ملانے کا محرک ہوا۔ ہم نے عِلمی اخباروں میں پڑھا ہے۔ کہ اِسے سَو میل سے زیادہ فاصلہ پر بھی کامیابی ہُوئی ہے۔ اگر یہ ایجاد پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی۔ تہذّب ممالک میں جہاں برقی پیغام کے لئے تاریں شہر بہ شہر اور خانہ بخانہ لگی ہوتی ہیں لائق ڈاکٹر اپنے مکان میں بیٹھ کر دُور کے مریضوں کا علاج بخوبی کر سکیں گے +

باتیں کرنے والی متحرک تصویریں

اِسی طرح بجلی کی مدد سے ایڈیسن نے حیات نما یعنی بائیسکوپ (BISCOPE) کی متحرک تصویر میں جو کمی آواز کی تھی۔ وہ پوری کر دی ہے۔ اُس نے بائیسکوپ اور آواز نگار فونو گراف (PHONO-GRAPH) کو ایک مناسب طریقہ سے ملا لیا ہے۔ اور اب تھوڑے عرصہ کے بعد نہ صرف آپ دُور و دراز کے واقعات کو ہوبہو جس طرح کہ وہ وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ بائیسکوپ کے پردے پر دیکھ سکیں گے۔ بلکہ ان واقعات کے ساتھ جو آوازیں شامل ہیں وہ بھی اسی طریقہ سے آپ کے کانوں میں پڑیں گی۔ ہم اِس اجمال کی تفصیل نہایت آسانی کے ساتھ سادہ الفاظ میں کر سکتے ہیں۔ کیمرے کا اصول آپ نے سمجھ لیا ہے۔ اگر ایک چھوٹی سی پلیٹ کی بجائے ایک بہت بڑی اور لمبی پلیٹ جو لوچدار ہونے کی وجہ سے کسی گول چیز پر لپٹی ہو (اصطلاح میں اُسے فلم (FILM) کہتے ہیں) کسی طریقہ سے کیمرے کے اندر داخل کی جائے۔

اَور بجائے ایک دفعہ تھوڑی دیر کے لئے محدّب شیشہ کے آگے کا پردہ ہٹانے کے کئی لمحوں تک وہ پردہ ہٹتا رہے۔ اور اس اثنا میں کوئی چیز کیمرے کے سامنے مختلف حرکات کرتی ہے اَور فلم بھی آہستہ آہستہ ایک معیّن تیزی کے ساتھ کھولی جائے۔ تو اُس چیز کی بہت سی تصاویر فلم کے مختلف حصّوں پر ثبت ہو جائینگی۔ حقیقت میں یہ تصاویر ایک دوسرے سے بالکل علیحدہ ہونگی۔ مثلاً فرض کیجئے۔ کہ کیمرے کے سامنے ایک آدمی کھڑا ہو کر لیکچر دے رہا ہے۔ ایک ثانیہ میں اُس کا ہاتھ کئی دفعہ ہلتا ہے۔ ہونٹ مختلف شکلیں اختیار کرتے ہیں۔ اَور تمام جسم الفاظ کی مناسبت کے ساتھ ہلتا جُلتا ہے۔ اب اگر ان تصاویر کو صحیح بنا کر میجک لینٹرن کے سامنے رکھا جائے۔ اور ایک ایک تصویر آہستہ آہستہ روشنی کے راستہ میں لائی جائے۔ تو ہم کو علیحدہ علیحدہ تصاویر سامنے کے سفید پردہ پر نظر آئیں گی۔ لیکن اگر مختلف تصاویر پے درپے ایک خاص تیزی کے ساتھ روشنی کے راستہ میں لائی جائیں۔ تو بجائے علیحدہ علیحدہ تصاویر دکھائی دینے کے پردہ پر ہمیں لیکچرار صاحب ہُوبہُو

لیکچر دیتے ہوئے مُنہ سے بولتے ہوئے ہاتھوں کو اُوپر نیچے کرتے ہوئے دکھائی دینگے۔ اس کی وجہ ہماری آنکھ کی کمزوری ہے۔ بچے عام طور پر شرارةً یا کھیل کے لئے لکڑی کے ایک ٹکڑے کو ایک طرف سے آگ لگا کر اپنی آنکھ کے سامنے گھُماتے ہیں۔ اور متعجب ہوتے ہیں۔ کہ روشنی کا ایک دائرہ کس طرح بن جاتا ہے۔ اگر گھُمانے کی رفتار آہستہ ہو۔ تو ہم کو لکڑی کی نوک مختلف اوقات میں مختلف مواقع پر دکھائی دے گی۔ لیکن ایک خاص تیزی کے ساتھ گھُمانے پر آنکھ اس کا پیچھا کرنے سے عاجز آ جاتی ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ نور کا ایک حلقہ حرکت میں ہے۔ بات یہ ہے۔ کہ بیرونی اثرات کو آنکھ کے ریٹینا (RATINA) اور نورانی رگ (OPTICAL NERVE) کے ذریعہ دماغ تک پہنچنے اور وہاں محسوس ہونے کے لئے ایک خاص وقفہ چاہیئے۔ اس طرح اگر ایک ثانیہ میں بیس سے زیادہ اثرات دماغ میں آنکھ کے راستہ سے پہنچیں۔ تو مختلف اثرات کی حِس ایک دوسرے سے مل جاتی ہے۔ اور سب مِل کر ایک بڑا اثر محسوس ہوتے ہیں۔ بائیسکوپ

فلم کی ماہیت اور طریقِ عمل مختصراً یہی ہے۔ گو اِس کے متعلق اور بہت سے امور ضروری ہیں۔ لیکن ایک ابتدائی تشریح میں ان کا حذف کرنا ذکر کرنے سے افضل ہے۔ اب آپ خیال فرمائیے کہ جہاں کیمرے کی مدد سے لیکچرار کی تصاویر لی جا رہی ہیں۔ وہیں اِس کی آواز کے (فونو گراف کے لئے) ریکارڈ بھرے جا رہے ہیں۔ کہنے کو تو یہ بات آسان معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اصلی مشکل جو تامّل کے بعد معلوم ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ جس تیزی کے ساتھ تصاویر لی جا رہی ہوں۔ اُسی تیزی کے ساتھ آواز کی تصویر بھی اُتاری جانی چاہیے۔ تاکہ جس وقت پردہ پر لیکچرار اپنا بازو زور سے پیچھے لا رہا ہو۔ اور کسی ضروری معاملہ کے متعلق تاکید اور جوش سے تقریر کر رہا ہو۔ اُس وقت گراموفون سے ہنسی کی آواز نہ آئے۔ یہ دِقّت نہ صرف تصویریں لینے اور ریکارڈ بھرنے کے وقت محسوس ہوتی ہے۔ بلکہ تصویروں کو پردہ پر ڈالنے اور گراموفون بجانے کے وقت بھی محسوس ہوتی ہے۔ ہاتھ سے یہ کام کرنا نہایت مشکل ہے۔ اس واسطے کہ انسانی ہاتھ یکساں تیزی کے ساتھ زیادہ دیر

کے لئے کوئی کام نہیں کر سکتا۔ اس مشکل کا حل ایڈیسن کے خدا داد ذہن رسا نے بجلی کی طاقت پر پورا اقتدار حاصل کرنے کے بعد کر لیا ہے۔ خاص قسم کے موٹر کی مدد سے فلم اور ریکارڈ بنائے جاتے ہیں۔ اور پھر تماشے کے وقت اسی کی مدد سے دکھائے جاتے ہیں +

"سمندر کے پانی سے سونا نکالنا"

امریکہ کے ایک کیمسٹ (عالم کیمیا) نے ایک اور مژدہ حال ہی میں شائع کیا ہے۔ اس کا بیان ہے۔ کہ اس نے سمندر کے پانی سے سونا نکالنے کی ایک ایسی آسان ترکیب دریافت کی ہے۔ جس سے سونا دُنیا میں نہایت ارزاں ہو جائیگا۔ اور کام کرنے والوں کو بھی کثیر نفع ہوگا۔ سمندر کے بیس کروڑ حصّے پانی میں ایک حصّہ سونا ہوتا ہے۔ جب ہم سونے کی اس قلیل مقدار پر اور سمندر کے پانی کی کثرت پر خیال کرتے ہیں۔ تو طبیعت میں ایک قسم کی مایوسی پیدا ہوتی ہے۔ اور پہلا خیال یہی ہوتا ہے۔ کہ سمندر کے پانی میں سے سونا نکالنا سُود مند نہیں ہو سکتا۔ بلکہ

جتنی محنت اور زحمت تھوڑا سا سونا نکالنے میں صرف ہوگی۔ اتنی محنت سے اور بہت سے مفید کام ہو سکیں گے۔ ہم ان یاس آمیز خیالات کے متعلق سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہہ سکتے۔ کہ جس سائنیس دان کی یہ دریافت ہے۔ اُس کا دعوےٰ ہے۔ کہ اگر سو روپیہ صرف کیا جائے۔ تو ہر روز ہزار روپیہ نفع حاصل ہوگا۔ ہاں یہ بات ضروری ہے۔ کہ شروع میں بہت سا روپیہ مشینوں وغیرہ میں صرف کرنا پڑے گا۔ اور جب کام چل نکلے گا۔ تب کہیں فائدہ کی صورت نظر آئے گی۔ کیمسٹ موصوف نے فی الحال دُنیا کو صرف اِس بات سے مطلع کیا ہے۔ کہ اِس کام کے لئے ساحل سمندر کے نزدیک بڑے بڑے تالاب بنانے پڑینگے۔ جن میں پمپوں کی مدد سے سمندر کا پانی بھرا جائے گا۔ تالابوں کی تہ پر خاص خاص کیمیائی مرکبات ڈالے جائیں گے۔ جن کے اثر سے سونا سمندر کے پانی سے علیحدہ ہو کر تہ میں بیٹھ جائے گا۔ تالابوں میں سے پانی نکالنے کے لئے بھی زبردست پمپ (مخراج الماء) لگائے جائینگے اور اِس طرح تقریباً سوا سات لاکھ روپیہ شروع

میں خرچ کرنے سے ساڑھے تین کروڑ روپیہ سالانہ کا سونا دستیاب ہو سکتا ہے۔ ہمارے پاس تالابوں کے حجم۔ پمپوں کی طاقت اور کیمیائی مرکبات وغیرہ کے خواص کے متعلق مکمل اعداد و شمار موجود ہیں۔ لیکن ناظرین کو ان سے پریشان کرنا مناسب نہیں سمجھتے۔ عنقریب کیمسٹ موصوف امریکہ کے سائنس دانوں کی سوسائٹی میں اپنے طریقہ کو پیش کرینگے۔ اور اس کے بعد شاید عملی طور پر یہ کارروائی شروع ہو۔ بہر حال اگر یہ بات سچ ہے۔ کہ سمندر کے پانی سے اتنی سہولت کے ساتھ ہم اتنا سونا نکال سکتے ہیں۔ تو سونے کے زیورات بنانے والوں کو سونے کی خرید میں ذرا توقف کرنا چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ سونا بہت سستا ہو جائے۔ اور زیورات کی قیمت گھٹ جائے ٭

"انسانی پتنگیں"

ہندوستان میں پتنگ بازی کا بہت چرچا ہے۔ چھوٹے بڑے امیر غریب سب اپنا عزیز وقت اور محنت سے کمایا ہوا روپیہ اس تفریح

میں ایک فضول طریقہ پر ضائع کرتے ہیں۔ کم از کم ہمارے کانوں میں پتنگ بازی کے خلاف ہزاروں شکایتیں پہنچی ہیں۔ لیکن ہم نے ہندوستان میں کسی کو پتنگ سے کوئی فائدہ حاصل کرتے نہیں دیکھا۔ خیال کیا جاتا ہے۔ کہ دُور کی چیزوں کو دیکھنے سے انسانی آنکھ کوتاہ بینی کا شکار نہیں ہوتی۔ لیکن ہم تو پتنگ بازی سے یہ فائدہ بھی حاصل نہیں کرتے۔ سو سال سے زیادہ گزرے ہیں۔ جب فرینکلن نے امریکہ میں اپنے ریشمی رومال کی پتنگ بنا کر بارش کے وقت اُڑائی تھی۔ اور اس جلیل القدر مسئلہ کا ثبوت بہم پہنچایا تھا۔ کہ آسمانی بجلی اور وہ بجلی جو ہم رگڑ سے یا برقی مورچہ وغیرہ کی مدد سے اپنے دار التجارب (LABORTARY) میں حاصل کرتے ہیں۔ دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ آج بھی یورپ میں جہاں ہر ایک چیز سے فائدہ اخذ کیا جاتا ہے۔ پتنگیں نئے نئے کاموں کے لئے استعمال کی جاتی ہیں۔ فرانس کے ایک شہر بولون میں ایک فوجی کپتان پتنگوں کی مدد سے سپاہی کو ہوا میں اُڑانے کی کوشش کر رہا ہے۔ تاکہ اس طریقہ سے

جنگ کے موقعہ پر دشمن کی افواج اور قلعوں کا معائنہ کیا جا سکے۔ اِس فرانسیسی کپتان کا خیال ہے۔ کہ اِنسانی پتنگیں غباروں یا ہوائی جہازوں سے بدرجہا زیادہ مفید ہیں اِس لئے کہ یہ اُن سے نہ صرف زیادہ محفوظ ہیں۔ بلکہ نہایت زور کی آندھی اور طوفان میں بھی کام آ سکتی ہیں۔ جب کہ غبارے۔ اور ہوائی جہاز بالکل ناکارہ ہوتے ہیں۔ یہ امر توضیح کا محتاج نہیں ہے۔ کہ جس پتنگ کے ساتھ ایک آدمی آرام کے ساتھ بیٹھ کر ہوا میں اُڑ سکے۔ اُس کا جسم بہت بڑا ہوگا۔ اور وہ مشینوں کی مدد سے اُڑائی جاتی ہوگی +

ہوا میں تین میل بلندی پر گولہ پھینکنے والی توپ

قاعدہ کی بات ہے۔ کہ دُنیا میں ترقی بتدریج ہوتی ہے۔ لیکن جس وقت اِنسانی دماغ قدرت سے اِصرار کے ساتھ سوال کرنے اور جواب

باصواب حاصل کرنے کا عادی ہو جاتا ہے۔ تو اس کی ترقی کی رفتار دن بدن بڑھتی جاتی ہے۔ خیال فرمایئے۔ تار کے بغیر پیغام رسانی کا مسئلہ حل ہوا۔ تو اُس سے فائدہ اُٹھانے کے لئے سوائے جہازوں کے اور کوئی میدان کھلا ہوا نہیں تھا۔ لیکن جب سے ہوائی جہاز تشریف لائے ہیں۔ بغیر تاروں کے برقی پیغام رسانی کا علم ان کی جان بن گیا ہے۔ اس ملاپ کے متعلق یہاں تک غلو کیا جاتا ہے۔ کہ بعض آدمیوں کے نزدیک اگر ہوائی جہازوں کی دریافت سے پہلے بغیر تار کے برقی پیغام پہنچانے کا علم ہم کو حاصل نہ ہوتا۔ تو ہوائی جہازوں کے استعمال کی قدر و قیمت آدھی رہ جاتی۔ اب مزید غور فرمایئے۔ توپیں دُنیا میں عرصۂ دراز سے استعمال ہو رہی ہیں۔ لیکن آج تک چُونکہ کسی کو بلندی میں توپ کے گولے پھینکنے کی ضرورت محسُوس نہیں ہُوئی تھی۔ اِس لئے کسی خاص قسم کی توپ اِس کام کے لئے نہیں بنائی گئی تھی۔ اب ہوائی جہازوں کا زمانہ ہے۔ بدطینت اشخاص ہوائی جہازوں میں بیٹھ کر خلقِ خدا کے امن میں خلل ڈال سکتے ہیں۔ اِن خیالات سے

متاثر ہو کر اب مہذّب اقوام میں اِس امر کی جستجو ہے۔ کہ ہوائی جہاز کا مقابلہ کرنے کے لئے ایسی توپیں بنائی جائیں۔ جو اُن کا پُورے طور پر مقابلہ کر سکیں۔ چنانچہ ان دنوں امریکہ کے ایک فوجی افسر نے ایک ایسی توپ تیّار کی ہے۔ جو علاوہ اتنی ہلکی ہونے کے ایک آدمی اُسے چلا سکتا ہے۔ ہوا میں تین میل کی بلندی تک مار کر سکتی ہے۔ زندہ قوموں کا تجسّس اِس پر قانع نہیں ہے۔ بلکہ کوشش کی جا رہی ہے۔ کہ سات میل تک مار کرنے والی ہلکی توپیں بنائی جا سکیں +

زمین کی کشش اور دائمی حرکت

اِس ترقّی کے زمانے میں کسی معقول آدمی کی نسبت یہ شُبہ کرنا۔ کہ وہ چیزوں کے بوجھ اور زمین کی کشش سے ناواقف ہے اپنے تئیں معرضِ خطر میں ڈالنا ہے۔ یہ امر مشاہدات میں سے ہے۔ کہ تمام چیزیں زمین کی طرف گرتی ہیں چیزوں کے بوجھل ہونے کا سبب یہ بتلایا جاتا ہے کہ زمین کی کشش جسے ہم آئندہ تجاذب مادّی

کے نام سے موسوم کرینگے۔ ہر ایک چیز کو نیچے کی طرف کھینچتی ہے۔ اگر زمین ہمیں اپنی طرف نہ کھینچتی ہو۔ تو ہوا میں اُڑنا اور گولی کی رفتار کے ساتھ دوڑنا ممکن ہوتا۔ یہ ایک نہایت ہی حیرت انگیز واقعہ ہے۔ کہ جہاں اللہ تعالیٰ نے انسان کو ہر ایک قوت کے اثر سے بچنے کی سمجھ دی ہے۔ ابھی تک تجاذب مادّی سے نجات حاصل کرنے کا کوئی طریقہ اِس کی سمجھ میں نہیں آیا۔ بجلی کی قوت سے ہم لوہے کے پنجرہ میں بند ہو کر بالکل محفوظ ہو جاتے ہیں۔ گرمی کے اثر سے درمیان میں خاص خاص اشیاء کے پردے حائل کرنے سے بچ جاتے ہیں۔ روشنی بہت سی چیزوں میں سے نہیں گزر سکتی۔ لیکن تجاذب مادّی سب چیزوں میں اپنا اثر دکھاتا ہے۔ ہم کسی چیز کا وزن گھٹا بڑھا نہیں سکتے۔ اُمید ہے کہ سمجھ دار ناظرین اُڑنے والی چیزوں کے مغالطہ میں نہیں پڑیں گے۔ جب سے دُنیا قائم ہوئی ہے۔ اور ہمیں گذشتہ واقعات کی اطلاع ہے۔ اِنسانی دماغ کیمیا اور حرکت دائمی کی گتھی کو نہیں سُلجھا سکا۔ تانبے سے سونا بنانا ہنوز کو آج تک کبھی نصیب نہیں ہوا۔ اور نہ دائمی حرکت

ہی کا عُقدہ تجاذبِ مادّی کے مخالف سے حل ہو سکا ہے۔ دائمی حرکت کا مفہوم آسانی کے ساتھ آپ کی سمجھ میں اِس طرح آ جائے گا - ریل کے انجن میں کوئلہ ڈالا جاتا ہے۔ بھاپ بنتی ہے۔ اور خاص پُرزوں کی مدد سے انجن کام کرتا ہے - حرکتِ دائمی کے مفتون اِس امر محال کی کوشش کرتے ہیں۔ کہ انجن میں کوئلہ صرف ایک دفعہ ڈالا جائے۔ یا کبھی کبھی ڈالا جائے۔ اور انجن مُدت العمر کام کرتا رہے۔ اگر یہ مثال واضح نہ ہو۔ تو یُوں خیال فرمایئے۔ کہ گرمی میں پنکھا قلی تو سو رہے۔ اور پنکھا بغیر کسی قسم کی بیرونی مدد کے اپنے آپ ہلتا رہے۔ اگر حرکتِ دائمی کا مسئلہ حل ہو جائے۔ تو آج ہی نظامِ عالم درہم برہم ہو جائے۔ ذرا سے غور کے بعد معلوم ہوتا ہے۔ کہ حرکتِ دائمی اور تجاذبِ مادّی کا بذاتہٖ زائل کر دینا ایک ہی تصویر کے دو پہلو ہیں ؛

چیزوں کا بوجھ زائل کر سکتے ہیں

اگر کوئی ایسی چیز دریافت ہو سکے۔ کہ اِس کو زمین کے اور اپنے درمیان حائل کرنے سے

ہمارا بوجھ بالکل زائل ہو جائے۔ تو تمام عالم کی سیر کرنا بائیں ہاتھ کا کھیل ہو جائے۔ اِس چیز کی کرسی بنا لو۔ اور جب جی میں آیا۔ کرسی پر بیٹھ کر ہوا میں اُڑ گئے۔ اِسی موضوع پر ایک انگریز مصنّف (H. G. WELL) نے ایک کتاب (FIRST MAN IN THE MOON) لکھی ہے۔ جس کا مطالعہ انگریزی دان اصحاب کے لئے خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ اس وقت تک ہم تجاذب مادّی کے متعلق عالمِ خیال کی باتیں کرتے رہے ہیں۔ جن سے سوائے مایوسی کے اور کوئی نتیجہ مترتب نہیں ہوتا۔ لیکن بہت زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔ جب ایک محقق مسٹر فیروؔ نے تجربۃً یہ بات ثابت کی ہے۔ کہ چیزوں کا وزن مناسب اسباب کے عمل سے گھٹایا جا سکتا ہے۔ فیرو کا تجربہ یہ ہے۔ اُنہوں نے ایک کتاب کو ایک صحیح ترازو میں تولا۔ اس کا وزن اٹھارہ اونس نکلا۔ اِس کے بعد انہوں نے ایک کتاب کے نزدیک مستطیل چھوٹا سا صندوق جسے وہ کنڈنسنگ ڈائنمو (CONDENSING DYNAMO) کہتے ہیں رکھا۔ ابھی تک ترازو کتاب کا وزن ۱۸ اونس بتا رہی تھی۔ لیکن جب اِس مستطیل صندوق میں برقی رَو

گذاری گئی۔ تو ترازو نے کتاب کا وزن ۱۵ اونس بتایا۔ گویا بجلی کے اثر سے جب وہ اثر ایک خاص طریقے سے عمل میں لایا گیا۔ کتاب کا بوجھ تین اونس گھٹ گیا۔ جس کے معنی دُوسرے الفاظ میں یہ ہیں۔ کہ تجاذبِ مادّی کے چھٹے حصّے کو اس طریقہ سے معطّل کر لیا گیا۔ اِس تازہ ترین دریافت کے متعلق رائے زنی کرنا قبل از وقت ہے۔ جب تک دُنیا کے مستند اور مسلّم سائنس دان اِس دریافت کی صداقت کا اِعتراف نہ کریں۔ ہمیں اپنے دِلوں میں آئندہ کے لئے موہوم اُمیدیں نہیں باندھنی چاہئیں۔ ہاں اگر اس تجربہ میں فی الواقع کوئی نقص نہیں ہے۔ اور فی الحقیقت زمین کی کشش مغلوب ہو گئی ہے۔ تو آئندہ زمانہ میں وہ باتیں ممکن ہونگی جن کا ذکر کرنا اِس زمانہ میں معجزوں سے زیادہ مشکل ہے +

جناب فیروزالدین مراد ایم۔ ایس۔ سی

سوالات

۱۔ سائنس (علم طبیعات) کے متعلق میکالے نے کن خیالات کا اظہار کیا؟

۲۔ رنگل کے معدنی کاغذ کی ایجاد کے متعلق وہ معلومات

صاف اور سلیس عبارت میں لکھو۔ جو اِس مضمون میں بہم پہنچائی گئی ہیں +

۳۔ مفصلۂ ذیل میں سے کسی ایجاد کے متعلق معلومات فراہم کرکے اس کی درجہ وار ترقی پر ایک جواب مضمون لکھو:۔
ریل۔ ہوائی جہاز۔ گراموفون۔ ٹیلیفون +

۴۔ ان واحد لفظوں کی جمع بناؤ:۔
فوج۔ حرکت۔ تجربہ۔ انکشاف۔ امیر۔ غریب۔ ایجاد +

۵۔ 'کر رہا ہے' کون سا فعل ہے؟ اس کا صیغہ جمع متکلم مؤنث منفی لکھو +

۲۹۔ کنارِ راوی

سکوتِ شام میں محوِ سرود ہے راوی
نہ پُوچھ مجھ سے جو ہے کیفیت مرے دل کی
پیام سجدہ کا یہ زیر و بم ہوا مجھ کو
جہاں تمام سوادِ حرم ہوا مجھ کو
سرِ کنارۂ آبِ رواں کھڑا ہوں میں
خبر نہیں مجھے لیکن کہاں کھڑا ہوں میں
شرابِ سُرخ سے رنگیں ہوا ہے دامنِ شام
لئے ہے پیرِ فلک دستِ رعشہ دار میں جام

عدم کو قافلۂ روز تیز گام چلا
شفق نہیں ہے یہ سُورج کے پھُول ہیں گویا
کھڑے ہیں دُور وہ عظمت فزائے تنہائی
منارِ خوابگہِ شہسوارِ چغتائی[1]
فسانۂ ستمِ انقلاب ہے یہ محل
کوئی زمانِ سلف کی کتاب ہے یہ محل
مقام کیا ہے سرودِ خموش ہے گویا
شجر یہ انجمنِ بے خروش ہے گویا
نمازِ شام کی خاطر یہ اہلِ دل ہیں کھڑے
مری نگاہ میں انسان یا رِبگل ہیں کھڑے
رواں ہے سینۂ دریا پہ اِک سفینۂ تیز
ہُوا ہے موج سے ملّاح جس کا گرم ستیز
سبک روی میں ہے مثلِ نگاہ یہ کشتی
نکل کے حلقۂ حدِّ نظر سے دُور گئی
جہازِ زندگیٔ آدمی رواں ہے یونہیں
ابد کے بحر میں پیدا یونہیں نہاں ہے یونہیں
شکست سے یہ کبھی آشنا نہیں ہوتا
نظر سے چھُپتا ہے۔ لیکن فنا نہیں ہوتا

جناب ڈاکٹر سر محمّد اقبال

[1] مقبرۂ جہانگیر +

سوالات

۱- ان الفاظ کے معانی بتاؤ :-

سرور - رعشہ - زیر و بم - سوادِ حرم - سفینہ - گرم ستیز ۔

۲- اس نظم میں منفصلۂ ذیل سے کیا مراد ہے :-

شراب سُرخ - پیرِ فلک - سُورج کے پھُول - شہسوارِ چینائی

۳- اس شعر کا مطلب تشبیہات کو صاف کرکے بتاؤ :-

نمازِ شام کی خاطر یہ اہلِ دل ہیں کھڑے
مری نگاہ میں انسان یا بگلے ہیں کھڑے

۴- ترکیب نحوی کرو :-

شرابِ سُرخ سے رنگیں ہوا ہے دامنِ شام

۵- "شرابِ سُرخ" اور "دامنِ شام" کیسے مرکب ہیں اور ان سے کیا مراد ہے ؟

۳۰- خدائی فوجدار

یلانِ جہان کے سردار خدائی فوجدار کئی دن کے بعد اپنے گھر میں میٹھی نیند سوئے۔ پلنگ عمدہ بستر صاف ستھرا - خدمت کو آدمی نوکر چاکر - نہ کہ سرائے کی تکلیف کہ معاذ اللہ! دو گھنٹے پہرا دیا - ٹانگیں ٹوٹیں - اُونٹ والے سے جھگڑے - گولا لاٹھی

کے شکنجے میں کسے گئے۔ اُن کو اب کئی دن کے بعد آرام کرنے دیجئے۔ اور اِدھر ان کے گھر کا حال سُنئے۔ کہ پادری صاحب اور خلیفۂ حجّام اور وہ کسان جس کی بدولت اُن کو یہ آرام گھر آنا نصیب ہُوا۔ کتب خانے میں داخل ہوئے۔ تو ایک سَو کئی کتب ان کو وہاں ملیں۔ جن میں بھُوتوں۔ اور پریتوں اور اجنّہ اور دیو زاد اور دریائی آدمیوں اور گھوڑ مُوہے آدمیوں اور ایسے انسانوں کا ذکر تھا۔ جن کا دھڑ مچھلی کا اور بدن انسانی یا بدن ریچھ کا اور سر اُونٹ کا یا سر اور دُم ہاتھی کی سی اور دھڑ گدھے کا۔ یا کان۔ آنکھ۔ ناک سب چُوہے کی سی۔ اور دھڑ سانپ کا سا۔ کِسی کِسی کتاب میں جادُو گروں کا ذکر۔ کہ منتر پڑھ کے کِسی پر پھینکا۔ اور وہ چوپایہ بن گیا۔ اشارہ کِیا اور جادُو کے زور سے انسان کو بیل بنا دِیا۔ بیل کو گدھا بنا دِیا۔ گدھے کے سر پر سینگ آ گئے۔ جس کِتاب کو دیکھا۔ اس میں اسی قِسم کی حماقت کی باتیں۔ ماما بڑی ضعیف الاعتقاد عورت تھی۔ وہ جا کے پانی لے آئی۔ اور پادری صاحب سے کہا۔ حضور یہ پانی حاضر ہے۔ کچھ پڑھ کے اِس کمرے میں چھڑک دیجئے تو بہتر ہے۔

ایسا نہ ہو۔ کہ جن دیوں اور بھوتوں کا اس
میں تذکرہ ہے۔ وہ ہم پر عتاب کریں۔ پادری
صاحب کو اس کی سادگی پر ہنسی آئی۔ کہا تم
بھی کتنی سیدھی ہو۔ اور ہوا ہی چاہو۔ آخر ہو
کس کی نوکر۔ یہ کہہ کر پادری صاحب نے خلیفہ
کو حکم دیا۔ کہ تم ایک ایک کتاب مجھ کو
دیتے جاؤ۔ میں دیکھونگا۔ کہ کون رکھنے کے قابل
ہے۔ اور کون اس قابل ہے۔ کہ جلا دی جائے۔ مگر
بھتیجی نے صلاح دی۔ کہ سب کو پھونک دو۔ ان
میں کوئی جلد ایسی نہیں ہے۔ جو رکھنے کے قابل
ہو۔ بلکہ بہتر ہو۔ کہ اس کتب خانے کی کھڑکی
سے سب کی سب کتابیں باہر پھینک دی
جائیں۔ یا صحن میں ڈھیر کرکے آگ لگا دی جائے۔
دُھواں بھی دُور تک نہ جائیگا۔ سب یہیں جل
بھن کے خاک ہو جائیگی۔ ماما نے بھی یہی رائے
دی۔ خلیفہ نے بھی اتفاق کر لیا۔ مگر پادری نے
کسی کی نہ سُنی۔ اور ایک ایک کتاب پڑھنے
لگا۔ پہلی کتاب کا نام پڑھتے ہی سب ہنس
پڑے۔ دکتاب جس میں ایک جادُو گر کا بیان
ہے۔ جو سانپ کو موم بناتا اور اُس سے لکھوکھہا
آدمیوں کی فوج کو شکست دیتا تھا، اور سب

تو ہنسنے لگے۔ مگر ماما کانپ اُٹھی۔ کہا ہمیں کیا معلوم تھا۔ کہ اِس مکان میں سانپ بچھو بھرے ہیں۔ دوسری کتاب پڑھی۔ تو اُس کی لوح پر یہ لکھا تھا۔ (سیاہ دیمک اور گنگا دین اوجھا کی لڑائی) اس پر بھی قہقہہ پڑا۔ کہ کجا دیمک اور کجا انسان۔ تیسری کتاب کا نام تھا (دُھما شاہ کے ہاتھی کے پاٹھے کی کھال) اِس کتاب کو ذرا پڑھا۔ تو معلوم ہُوا۔ کہ کوئی دُھما شاہ تھے۔ اِن کی ہتھنی کے بچّہ ہُوا۔ اور وہ پاٹھا اِن شاہ جی کی دُعا سے عالم اور فاضل ہو گیا۔ صبح کو مناجات پڑھتا تھا۔ دوپہر کو تصوّف کا کلام اور شام کو بہرام گور کے حالات۔ اِس کتاب کی پُشت پر خدائی فوجدار کے ہاتھ کا لکھا ہُوا تھا۔ کہ (انشاء اللّٰہ ایں جانب اِسی پاٹھے پر دیووں کے سردار سے لڑیں گے۔ اور ملک فرنچنیوں میں جا کے دس لاکھ کی فوج کا ستھراؤ کر دیں گے) اس فقرے پر بھی دیر تک ہنسی رہی اِس کے بعد ایک اور کتاب آئی۔ سُرخ رنگ کی جلد۔ شنجرف سے سُرخ کاغذ پر لکھی ہوئی۔ (دیو سُرخ پوش اور میاں قرمز شاہ کی جنگِ احمر) پادری صاحب نے کہا۔ یہ تو سُرخا سُرخ معاملہ

ہے۔ زمین سُرخ۔ آسمان سُرخ۔ مکین سُرخ۔ مکان سُرخ۔ اِس کے بعد ایک اور کتاب کھولی +
پادری نے کہا۔ سب سے پہلے اِسی کو پھُونکنا چاہیئے۔ کیونکہ قلم کا اثر نیزے سے کہیں زیادہ پہنچتا ہے۔ اِس کو جلد جلا دو۔ اِس کے بعد ایک کتاب نظر سے گذری۔ یہ دو حِصّوں میں تھی۔ اور ذکر اِس میں یہ تھا۔ کہ ایک روز غلباف بن چقماق بن قاز پاژندی کو راہ میں تین اژدھے ہاتھیوں پر سوار ملے اور غلباف کو ڈانٹا۔ کہ اگر خاندانِ قاز پاژندی سے ہے۔ تو ہم سے مقابلہ کر۔ غلباف بن چقماق نے کہا۔ اے اژدھو! تم کو اور تمہارے ان ہاتھیوں کو دم کے دم میں نیچا دکھا سکتا ہُوں۔ مگر اِس وقت ایک دیو سے کُشتی بدی ہے۔ اس کو سر کرکے آؤں۔ تو اِس کا جواب دُوں اژدہوں نے کہا۔ او بُزدل! اور او بودے! تجھ ایسے حقیر اور نام کے بہادروں کی یہی باتیں ہُوا کرتی ہیں۔ بس اتنا کہنا تھا۔ کہ غلباف کو طیش آ گیا۔ اور ایک پھُونک جو مارتا ہے۔ تو تینوں ہاتھی مع اژدھوں کے انٹا غفیل ہو گئے۔ اِس پر سب کو بے اختیار ہنسی آئی۔ پادری نے کہا۔ واہ

رہے غلباف تو نے۔ اپنے باپ چقماق کی بڑی
عزت رکھ لی اور اپنے دادا طماز پاژندی پر بڑا
احسان کیا۔ اِس کے بعد ایک چھوٹا سا رسالہ
دیکھا۔ جس کا نام "گرٹ پٹر دھیٹر" اوّل تو اِس نام
ہی پر قہقہہ پڑتے ہی خلیفہ نے پادری صاحب
سے کہا۔ آپ نے جو غلباف کی کتاب دی ہے۔
اِس میں بھی سُرخ پنسل سے ہماری سرکار نے
کچھ لکھا ہے۔ پادری نے پڑھا تو ہنس دیا۔
کیا فرماتے ہیں۔ کہ (انشاء اللہ ہم بھی خاندان
طماز پاژندی کی طرح مثل غلباف اژدھوں کو ایک
پھونک میں مع اُن کے ہاتھیوں اور ہاوتوں
کے جہنّم واصل کریں گے) بھتیجی بولی۔ بس ایسی
ہی کتابوں سے ان کے دماغ کو یہ خلل ہو گیا۔
کہ اب کسی کی مانتے ہی نہیں۔ اژدھوں کو ایک
پھونک میں مار ڈالا۔ اور میاں قرمز شاہ کی
جنگِ احمر اور آلا اُودل کی گھوڑیا کی دُم۔ خلیفہ
افسوس کرنے لگا۔ کہ ایسا پڑھا لکھا آدمی۔ اور
یہ خبط۔ اس قدر ان فضول بے معنی۔ اور لاطائل
کہانیوں کا معتقد ہو جائے۔ کہ اپنے آپ کو
اضحوکہ روزگار بنائے +

پادری نے کچھ دِل لگی دیکھنے کے لئے اور کچھ

اِس غرض سے کہ ان کے جوشِ جنون کا حال دریافت کریں۔ خدائی فوجدار کے کمرے کے دروازے باہر سے بند کر لیئے تاکہ باہر نہ نکل سکیں۔ اور چُپکے سے تلوار اور بھالا بھی لے لیا۔ اور بڑے جوش کے ساتھ کہا۔ او بہادروں کے سردار! تیرا سرکوب آ گیا +

خدائی فوجدار سمجھ گئے۔ کہ کوئی بڑا نامی گرامی جرنیل لڑنے بھڑنے آیا ہے۔ اِس سے لڑنے میں ایک لُطفِ مزید حاصل ہوگا۔ ایک دفعہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور وردی ڈانٹی اور سرکنڈے والا خود سر پر رکھا۔ اور اِدھر اُدھر تلوار اور نیزہ ڈھونڈنے لگے۔ مگر تلوار ندارد۔ نیزہ غائب۔ دروازہ کھولنے چلے۔ مگر ہر در کو بند پایا۔ اِس پر بہت ہی جھلّائے۔ بہت بگڑے۔ اور غل مچا کر کہنا شروع کیا۔ او بہادر! او یلِ نامور! یہ بات آئینِ جنگ اور قوانینِ نبرد سے بہت بعید ہے۔ کہ ایک پہلوان کو للکارے۔ اور سامنے نہ آئے۔ یہ بزدلوں اور بودوں کا کام ہے۔ ایسے بزدلوں سے جنگ آزما ہونا اہلِ آبرو کی وضع کے خلاف ہے۔ اگر مردِ میدان ہے۔ تو بسم اللہ ایک گرزہ تیرے سر کے دس ٹکڑے کر دے۔ اور تمام زمین

تیرے خون سے بھر دے۔ ہم شیرانِ شیر ہیں۔ جری اور دلیر ہیں +

پادری صاحب نے جواب دیا۔ اے یل نامی گرامی - دروازہ بند ہونا بھی کوئی پہلوانوں کے لئے بھاگ جانے کی دلیل ہے۔ لاحول ولا قوۃ۔ اگر بہادر ہے تو سامنے آ +

خدائی فوجدار نے یہ سُنا۔ تو آگ ہی ہو گئے۔ اور اس زور سے دروازوں کو دھمدھایا۔ کہ ایک دروازہ کھٹ سے الگ ہو گیا۔ اور آپ برآمد ہوئے +

پادری صاحب نے کہا۔ خدا خیر کرے۔ اب کس بلا کا سامنا ہے۔ اس سودائی کو کون روک سکیگا۔ بھتیجی نے آگے بڑھ کر کہا۔ چچا جان! کہاں جاتے ہو۔ سو رہو۔ ذرا دیر آرام کرو۔ ابھی ابھی سوئے تھے۔ اُنہوں نے ہٹ کرکے کہا۔ فنِ جنگ میں یہ امور و اصول جائز اور روا نہیں۔ اگر ٹوکا ہے۔ تو آ جا - ان کے غصّے کی کوئی حد و پایان نہ تھی۔ تتو تھمبو کرکے اُن کو سمجھایا۔ اور بہزار خرابی اُن کے کمرے میں پھر لے جا کے لٹایا۔ مگر اب اُن کی نیند اُچٹ گئی۔ ع۔ سونا سوگند ہو گیا ہے بارد اب! جب بعد خرابیِ بصرہ نیند آئی۔ تو اور کتابوں کا

جائزہ لیا گیا۔ (قاچڑنند پرژند غطلیف قربنوق) یا الہٰی نام ہے یا یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ کوئی ہماچل پربت کی چوٹی پر بیٹھا ہُوا پتھر لُڑھکا رہا ہے۔ سَو بار پڑھئے۔ مگر پھر کورے کے کورے۔ اِس میں سات چوروں کا ذکر تھا۔ جن کو لوگ ساتاروہن کہتے تھے۔ یہ سات چور سات بھائی تھے۔ اور ڈاکہ زنی میں جگت اُستاد۔ آواز پر تیر مارتے تھے۔ اور نشانہ خالی نہیں جانے پاتا تھا۔ ان ساتوں کو ایک جن نے یہ سب سکھایا تھا۔ مگر ایک اور جن نے جس کا نام بلیجت تھا۔ ان ساتوں کو زیر کیا۔ اور کسی کو بلّی۔ کسی کو بکرا۔ کسی کو بیل کسی کو بھینس بنا دیا +

ایک اور کتاب کھولی گئی۔ جس میں گھوڑوں کی بیماریوں اور علاج کا ذکر تھا۔ پادری صاحب نے کہا۔ اِس کتاب کا جلانا فضول ہے۔ اس کو رہنے دو۔ اِس کے بعد ایک اور کتاب کھولی۔ اِس میں گڈریوں کو ہدایت تھی۔ کہ جنگل میں مویشی کی یُوں خبرداری کریں۔ یوں پالیں۔ اور فلاں فلاں بیماریوں میں فلاں بُوٹی دیں۔ پادری صاحب نے اس کتاب کو بھی جلانے کی سزا سے بچایا۔ مگر خدائی فوجدار کی بھتیجی نے اِصرار بلیغ کیا۔ کہ از برائے خدا ان کُل

کتابوں کو جلا دو۔ ورنہ ایسا نہ ہو کہ اِس مرض سے چنگے ہو کر اِن کا میلانِ طبع گھوڑوں کی طرف ہو۔ اور سالوتری بن جائیں اور اصطبل روز جھانکتے پھریں۔ اور گھوڑوں کی لید اُٹھائیں۔ کسی کو کرگری بتائیں۔ اور کسی کو بوٹما بتائیں۔ یا اگر گڈریئے بن کی سُوجھی۔ تو یہ غضب ڈھائیں۔ کہ جنگل کی راہ لیں۔ بھیڑ بھیڑی۔ بکرے بکری کی جان عذاب میں کریں۔ اِن میں کوئی کتاب اِس قابل نہیں ہے۔ کہ جلائی نہ جائے۔ اور اُس کو آگ نہ دکھائی جائے +

اِس کے بعد خلیفہ نے ایک اور کتاب پادری صاحب کو دی۔ اُنھوں نے کہا۔ یہ کتابیں تو جلانے کے قابل نہیں ہیں۔ ان میں صرف گڈریوں کا ذکر مذکور ہے۔ مگر ان کی بھتیجی کی رائے تھی۔ کہ ان کو بھی جلا دیں۔ بھتیجی بولی ضرور۔ یہ ضرور ضرور جلا دی جائیں۔ ورنہ ممکن ہے۔ کہ ان کے دماغ میں یہ سودا ہو جائے۔ کہ جنگل میں جا کے گڈریئے بن جائیں۔ اور بگل بجائیں اور بھیڑوں اور بھیڑیوں کو بلائیں۔ ایک بلا سے چھٹکارا ملتے ہی دوسری بلا سے دو چار ہوں +

الغرض کُل کتابوں کا تھوڑا جائزہ لے کر

پادری صاحب نے ماما کے حوالے کیں۔ اور صحن میں ان کا ڈھیر لگایا گیا۔ اور جلا دی گئیں۔ اور سب کو ایک قسم کی تسلی ہوئی۔ کہ اسباب وحشت خدا خدا کر کے دور ہوا۔ جس نے اس بیچارے اچھے خاصے بھلے چنگے کو دیوانہ بنا دیا تھا۔ خلیفہ نے شعلوں کو دیکھ کر کہا۔ (اگر ہمارے حضور اس وقت اپنے اس لاانتہاہی خزانے کو جلتا دیکھ لیں۔ تو غضب ہی ہو جائے۔ خود آگ بھبھوکا ہو جائیں اور خدا جانے کس کس سے بگڑیں اور کیا کریں) بھتیجی نے کہا۔ غضب ہی ہو جائے۔ ان کو یقین ہو جائے۔ کہ کوئی دیو ان کو آگ سے ڈراتا ہے۔ یا کوئی جن کسی زیر دست کو ستاتا اور آگ جلاتا ہے۔ اس سے انتقام نہ لیا۔ تو بہادری میں بٹہ لگ گیا۔ نام ہی ڈوب گیا۔ آگ میں پھاند پڑیں تو عجب نہیں +

جب سب کتابیں خوب اچھی طرح سے جل کے خاک ہو گئیں۔ تو ماما نے کل کے ذریعہ سے پانی ڈالا۔ اور سب خاک بہ گئی۔ اور صحن پھر بدستور صاف ہو گیا۔ خلیفہ بھی رخصت ہوئے۔ ماما نے بھی آرام کیا۔ بھتیجی بھی سو گئی۔ سحر کاذب کے وقت خدائی فوجدار صاحب بیدار ہوئے۔ ٹھنڈا ٹھنڈا پانی

پیا۔ اَور ذرا دیر کے لئے اپنے آپے میں آ کے سوچنے لگے۔ کہ میری یہ کیا حالت ہو گئی ہے۔

صبح کو بھتیجی اُٹھی۔ تو اُس نے ماما سے کہا۔ کہ جا کے چائے پلا آؤ۔ ماما بولی۔ حضور آج بُدھ کا دن ہے۔ آج تو پانی تک نہ پئیں گے۔ اِتنے میں پادری صاحب بھی آئے۔ اُنہوں نے کہا۔ اب ان کو اتنا خیال کہاں۔ کہ آج بُدھ ہے۔ اَور کل جمعرات اَور پرسوں جمعہ۔ اَور کِس دن یہ کیا کھاتے ہیں۔ ان کے کمرے میں گئے۔ تو دیکھا تلوار ہاتھ میں لے کر اُچھل کوُد رہے ہیں۔ پادری صاحب سے کہا۔ شب کو ایک دیو نے ہمیں للکارا۔ دروازے سب بند کر دِیئے۔ اَور تلوار اَور بھالا اُٹھا لے گیا۔ ہم نے جادوُ کے زور سے دروازہ کھولا اَور دیو کو قتل کِیا۔ اَور تلوار چھین لی۔ اب سویرے سویرے دو ساحروں کو مارا۔ پادری صاحب نے ان کی جوانمردی اَور کارِ نمایاں کی بڑی تعریف کی۔ اَور کہا۔ کہ اب آپ تھوڑی چائے پی لیجئے۔ کہ اِس مہم صعب میں کِسی قدر شل آپ ضرور ہو گئے ہونگے۔ اُنہوں نے جواب دیا۔ اچھّا لاؤ۔ پادری نے اشارہ کِیا۔ ماما نے پہلے مُرغ کا شوربا اَور چپاتیاں کھلائیں۔ اِس کے بعد شِیر مال

کے ٹکڑے کھلائے۔ اور پھر چائے پلائی۔ تو ذرا ڈھارس ہوئی۔ کیونکہ چار بجے سے تلوار گھماتے اور بکتے بکتے شل ہو گئے تھے۔ شوربے سے ذرا قلب کو تقویت ہوئی۔ تو شمشیر بکف حضور کمرے سے برآمد ہوئے۔ اور صحن میں ٹہلنے لگے۔ اب سُنیئے کہ بھتیجی نے پادری کی صلاح سے ایک رات کو معماروں اور مزدوروں کے ذریعے سے اس کمرے کو چنوا دیا تھا۔ جہاں کتابیں رہا کرتی تھیں اور باہم صلاح ہو گئی تھی۔ کہ اگر یہ سوال کریں۔ تو یہ جواب دیں گے۔ اور کمرے کی نسبت دریافت کریں گے تو یہ کہیں گے۔ کچھ دیر کے بعد ان کو اپنا کتب خانہ یاد آیا۔ دیکھا تو ندارد۔ اِدھر گئے اُدھر گئے۔ اِس کمرے میں جا۔ اُس کمرے میں جا۔ ایں! کتابیں کہاں ہیں؟ کتابوں تک تو خیریت تھی۔ کتب خانہ کہاں ہے؟ اُس کا پتہ نہیں۔ "ایں گلِ دیگر شگفت۔" اب ان کو کچھ خیال ہوا۔ کہ کسی ساحر کا کام ہے۔ اور یہاں تو پہلے ہی سے وہ پیش بندی ہو گئی تھی۔ ماما سے پوچھا۔ کتب خانہ کیا ہوا؟ اُس نے کہا۔ میاں اِس کا حال کچھ نہ پوچھو۔ تم تو چھوڑ چھاڑ کے چلے جاتے ہو۔ اور یہاں ہماری جان پر بن آتی

ہے۔ ایک روز گھڑگھڑاہٹ کی سی آواز ہوئی۔ جیسے بادل گرجتے ہیں۔ ہم لوگ کانپ گئے۔ کہ یا اللہ! بچائیو۔ اتنے میں دُھواں سا نمودار ہُوا۔ اور سارے گھر بھر میں پھیل گیا۔ میں تو مارے خوف کے اچھی طرح دیکھ نہ سکی۔ مگر حضور کی بھتیجی نے سب دیکھا۔ بھتیجی کو بُلایا۔ اس نے کہا۔ پہلے تو معلوم ہُوا۔ کہ جیسے بادل گرجتے ہیں۔ اور میں ڈرنے لگی۔ ماما کے دل پر بھی خوف طاری ہُوا۔ کہ یا اللہ یہ کیسی عجیب آواز ہے۔ اتنے میں ایک ساحر سانپ پر سوار آسمان سے آتا ہُوا نظر آیا۔ سانپ سے اُترا۔ اور اُس کمرے میں گھُس گیا۔ اور وہاں خدا جانے اِس نے کیا کیا۔ تھوڑی دیر میں ہم نے دیکھا۔ کہ چھت میں سے اُڑ کے نکل گیا۔ اور گھر میں اِدھر اُدھر چوطرفہ دُھواں چھا گیا۔ اور ایک آواز آئی۔ کہ "جو ہم سے دُشمنی کریگا۔ اُس کے ہاں ہم اس کی غیبت میں چوری کرینگے۔ اور اُس کی بھتیجی کو جادو کے زور سے اُٹھا لے جائیں گے۔" پُوچھا "اُس کا نام تو نہیں معلوم ہے؟ بھتیجی نے کہا "شاید قرچاچ ثدفرثف بتا گیا ہے۔" غور کرکے آپ نے فرمایا۔ قرچاچ ثرفرثف

نہیں - غزنو غاف ژفرژف کہا ہوگا- وہ ہمارا بڑا دشمن ہے - ہم نے اُس کو کئی ذکیں دی ہیں- ماما اور بھتیجی دونو نے کہا- ہاں کچھ ایسا ہی نام بتایا ہے- اچھی طرح یاد نہیں- مگر آخر میں ژفرژف ضرور تھا - فرمایا کیا کتب خانہ اٹھا لے گیا؟ بھتیجی نے کہا کتب خانہ تو کتب خانہ وہ تو کتب خانے کا کمرہ تک لے گیا- اور کہ گیا ایک دن اُس کی بھتیجی کو بھی لے جاؤنگا- میں عورت ذات اُس کا کیا کر لونگی- تم اب کبھی چار چار پانچ دن کے لئے باہر نہ غائب ہو جانا اللہ کے لئے- اُنھوں نے تلوار لی- اور جس مقام پر کتب خانہ تھا- وہاں کھڑے ہو کر کوئی سَو ہاتھ مارے ہونگے- یہاں تک کہ تلوار خم ہو گئی - اور اُنھوں نے ہانک لگائی - اے غزنو غاف ژفرژف تو بھلا مردوں اور بہادروں کا کیا مقابلہ کریگا- اے لاحول ! جب بہادروں کی غیبت میں تُو اُن کے ہاں چوری کرنے لگا- تو اب تیری کیا اصل و حقیقت ہے- ڈاکو- چور- گرہ کٹ کو پہلوانی اور جوانمردی سے کیا سروکار ہے ؟

اس میں کون بہادری ہے- کہ بے بس عورتوں

پر شیر ہو گیا۔ اگر مرد ہے۔ تو ہم سے لڑ۔ اگر عہدہ برآ ہو جائے۔ تو اِس فن کو ترک کر دُوں۔ پھر اِس کا نام نہ لُوں۔ گُرز سے سرِ اعدا کُچل دُوں۔ یہ گستاخی کہ ہزار ہا برس کا آباؤ اجداد کے وقت کا کتب خانہ لے اُڑا۔ دھمکا گیا۔ کہ عورت سے بدلہ لیگا۔ اے لعنت ہے تیری بہادری پر۔ عورت سے جو شخص انتقام لے۔ وہ بُزدل۔ بودا۔ ہاں اگر ہم سے انتقام لینا ہو۔ تو آ (خم ٹھوک کر) ابھی ابھی آ (پھر خم ٹھوک کر) ابلے آتا ہے یا نہیں آتا۔ بڑا مرد ہے۔ تو آ جا۔ دیکھنا تجھ کو مع تیرے سانپ کے ایک پھُونک میں اُڑا دیتا ہوں یا نہیں +

اِتنے میں خلیفہ آیا۔ تو یہ سمجھے کہ زُفرشِف آ گیا۔ اور پینترے بدل کر تلوار تول کر جھپٹنے ہی کو تھے۔ کہ معاً پادری صاحب اُن کو لپٹ گئے اور کہا۔ یہ تو تمہارا نوکر حجّام ہے۔ دوست اور دُشمن میں فرق نہیں کر سکتے۔ ایسے خود رفتہ ہو گئے ہو۔ تم دیوؤں اور جنّوں کا کیا مقابلہ کروگے۔ اپنوں ہی کو قتل کر ڈالوگے۔ خدائی فوجدار نے جو پادری کو پکڑے ہوئے دیکھا۔ تو سہولت کے ساتھ سمجھایا۔ کہ بھائی تم

پادری آدمی انجیل اور توریت کی باتیں جانو۔ تم کو اِس کوچے میں کیا دخل ہے۔ یہ ساحر لوگ باپ کی شکل بنا کے آئیں اور مار ڈالیں۔ دادا چچا بنیں اور زک دیں۔ اِن کا کوئی اعتبار تھوڑا ہی ہے۔ اچھا میں اس کی آزمائش کرتا ہوں۔ امتحان لیتا ہوں۔ اگر یہ وہی ساحر ہے۔ تو میرے اِس کے لڑائی ہو جائیگی۔ اور اگر ساحر نہیں ہے۔ تو صورت دیکھ کے بیوقوف کی طرح چپ چاپ کھڑا رہیگا۔ اور بولیگا نہ چالیگا۔ اب میں اِس سے کچھ گفتگو کرتا ہوں۔" اچی نفانو بن چاق بے وطن شوئ۔ سو کہدے پہشرنی کہ ساہو شوئی۔ دڑ دڑ اغشنی رڑا رڑ۔ بیوطن شوئ۔ سو کہدے پاڑندی وهوق" خلیفہ کو بے اختیار ہنسی آئی اور خدائی فوجدار نے پادری سے کہا۔ ہم نے اجنّہ کی زبان میں جس سے سب ساحر واقف ہوتے ہیں۔ اس کو گالیاں دیں۔ مگر یہ خاک بھی نہ سمجھا۔ اِس سے یقین ہو گیا۔ کہ ناواقف آدمی ہے۔ ورنہ واقف کار آدمی تو اگر مٹّی کا بھی ہوتا۔ تو کٹ مرتا۔ اور جان دے دیتا۔ بھتیجی نے ماما سے کہا۔ ذری جا کے دروازے کی کنڈی تو لگا دو۔ جب ان کو ژنرشت سمجھے اور تلوار لے کے

دوڑے ۔ تو اسی طرح اور جو کوئی یہاں آئیگا۔ اُس کو بھی غرجاچ یا شرشاف یا منقوطیف بجھ کر دوڑ پڑیں گے +

خدائی فوجدار نے کہا ۔ بات یہ ہے کہ اس ساحر کو مجھ سے بڑی دشمنی ہے ۔ کیونکہ ایک نامی بہادر سے اور مجھ سے لاگ ڈانٹ ہے ۔ اور وہ اِس ساحر کا چیلہ ہے ۔ اور ساحر یہ خوب جانتا ہے ۔ کہ میں اُس کے چیلے کی کساد بازاری کر دُونگا ۔ اِسی سبب سے وہ جلتا ہے ۔ اور میں یہاں تک کہتا ہوں ۔ کہ دونو کو میں اکیلا مار کے گرا دُونگا ۔ اور یُوں یُوں (چٹکی بجاتے ہوئے) یُوں نیچا دِکھا دُونگا ۔ یُوں وہ لاکھ دُشمنی کرے ۔ جو قسمت کا نوشتہ ہے ۔ وہ مِٹ نہیں سکتا ۔ ایک دن میرا خنجر ہے ۔ اور اُس کا سر ہے ۔ ان کی بھتیجی نے کہا ۔ یہ جو آپ فرماتے ہیں ۔ یہ تو سب سچ ہے ۔ مگر اس رہ نوردی اور جنگل بیابانوں میں پھرنے سے کیا فائدہ ؟ اپنے گھر میں بیٹھو ۔ جو رُوکھی سُوکھی ملے ۔ وہ کھاؤ ۔ اور چین سے زندگی بسر کرو ۔ اس سے کیا فائدہ ۔ کہ کہیں سر پھُوٹا ۔ اور کہیں ناک ٹُوٹی اور کہیں کان کٹا ۔ دو دو دن تک کھانا پینا حرام ہو ۔ نیک نامی در کنار اور

مُفت میں انسان بدنام ہو۔ عقلمندی کے یہ معنے ہیں۔ کہ کم کھائے۔ مگر غم نہ کھائے۔ آدھی کو چھوڑ کے پُوری کو دوڑنا دانشمندی کے خلاف ہے۔ خدائی فوجدار نے کہا۔ بیٹا تم بھی کتنی نادان ہو۔ یہ باتیں تم کیا جانو۔ بھلا مجال ہے کہ کوئی میرا بال بیکا کر سکے۔ کھال کھینچ لوُں۔ اور بھُس بھر دُوں۔ وجہ یہ کہ کوئی ہمارا نقطۂ مقابل نہیں +

اِس گفتگو سے اِن کا جوشِ جنوں اور بھی تیز ہو گیا۔ اور خوُن آنکھوں سے ٹپکنے لگا۔ اور مارے غصّے کے کانپنے لگے۔ یہ کیفیت دیکھ کر سب خاموش ہو رہے۔ کہ اب چھیڑنا۔ اور نصیحت کرنا فضول ہے۔ ایسا نہ ہو کہ بگڑ جائیں اور جنون کی آگ اور بھی بھڑکنے لگے +

پندرہ دن تک خدائی فوجدار نے اپنے گھر پر قیام کیا۔ اور حرکات و سکنات و خُوبُو گفتگو وضع قطع بات چیت سے یہ نہیں پایا جاتا تھا۔ کہ کسی زمانے میں پھر ان کا یہ میلانِ طبع ہوگا۔ کہ گھر بار کو خیر باد کہہ کر جنگل کو سدھاریں اور روز بروز ذرا ذرا جنون اور جوش میں بھی کمی تھی۔ ہاں اتنا ہوتا تھا۔ کہ ان کے جو دوست

تھے خلیفہ اور پادری۔ اُن سے اور ان سے روز بحث ہوا کرتی تھی۔ مگر دوستانہ طور پر۔ ہنس ہنس کے۔ پادری صاحب کبھی اختلاف رائے کرتے تھے۔ اور کبھی اتفاق۔ اتفاق کبھی کبھی اس وجہ سے کرنا پڑتا تھا۔ کہ اگر بالکل اختلاف ہی کرتے۔ تو **خدائی فوجدار** بگڑ جاتے۔ مصلحتِ وقت تھی۔ "دروغِ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز"

اب سُنئے کہ بُدھو نفر نامی ایک غریب مزدور ان کے پڑوس میں رہتا تھا۔ اُس کو یہ ہر روز دو چار گھڑی تلقین کیا کرتے تھے۔ کہ ہم یوں مُلک سر کرینگے۔ اور تاج بخشی کرتے ہوئے آگے بڑھیں گے۔ اور کروڑوں کوس کے رستے میں ہماری رعایا ہوگی۔ اور زُفرشُف دیو اور عزناقوف جن اور غزچاچ عفریت کو نیچا دکھائیں گے۔ مگر ہمارے ساتھ ایک نفر ضرور ہونا چاہیئے۔ اگر تم چلو۔ تو دُنیا بھر میں تمہارا نام ہو۔ ورنہ عمر بھر مزدوری کرتے کرتے مروگے۔ اگر خوش نصیبی اور نیک نامی کے خواہاں ہو۔ تو ہمارے ساتھ چلو۔ اور ہمارے ساتھ تم بھی نام کرو۔ ورنہ ہم کوئی اور ڈھونڈ لینگے۔ صدہا آدمی ہمارا نام سُنتے ہی شریک

ہونگے اور ہمراہ رکاب ظفر انتساب چلینگے۔ اور تم پچھتاؤگے۔ اور روؤگے۔ یہ بچارا بڑا سیدھا سادہ آدمی تھا۔ جس وقت خدا نے اپنے بندوں کو عقل بانٹی تھی۔ یہ غیر حاضر تھے۔ کہیں پتہ ہی نہیں تھا۔ ہرچند فرشتوں نے پکارا۔ مگر یہ بھوسلے نہ بولے خدائی فوجدار کی تلقین نے ان کے دل میں بڑی جگہ کی۔ یہاں تک انہوں نے ٹھان لی۔ کہ نہ کسی سے بولو۔ نہ چالو۔ بس کان دبا کے چلے ہی چلو۔ خدا کا نام لو اور بسم اللہ کہہ کے چلو۔ چلے ایک سے دو ہوئے۔ ع۔ خوب گذرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو"۔ یہ بھی سوچے۔ کہ اگر خدائی فوجدار نے اکیلے اکیلے لطف حاصل کیا۔ تو کیا فائدہ ہوا۔ بہتر یہ ہے کہ تم بھی ان کی نیک نامی کا ایک حصہ حاصل کرو۔ اور خدائی فوجدار کو اکیلے نہ چھوڑ دو۔ دل ہی دل میں سوچنے لگے جب یہ شہنشاہ ہونگے۔ تو وہاں ان کے وطن کا اور تو کوئی ہوگا نہیں۔ بس ہمیں ہم ہونگے۔ اور ظاہر ہے۔ کہ ہموطن کے سوا ایرے غیروں کو کون پوچھتا ہے۔ کوئی اپنوں کو چھوڑ کے پرایوں کی طرف مخاطب ہوتا ہے۔ اور بیگانوں کا یگانوں کے سامنے اعتبار کیا۔ مطلق نہیں۔ ڈگر ڈگر ہے۔ جگر جگر

ہے۔ یہ بھی سوچے۔ کہ ہم سونے کی دیواریں چڑھا لیں گے۔ الغرض شیخ چلّی کے سے منصوبے گانٹھنے لگے۔ کہ یہ ہوگا۔ اور وہ ہوگا گھر گئے۔ تو اُنہوں نے اپنی بی بی سے کہا۔ وہ بولی ایسی قسمت کہاں۔ اُنہوں نے جواب دیا۔ بی بی ہم نے تپّہ لڑایا ہے۔ دیکھو تو کیا ہوتا ہے۔ تیمور کون تھے۔ پھر کتنے بڑے شہنشاہ گزر گئے۔ کہ آج تک مشہور ہیں۔ پیادوں ہی سے سوار ہو جاتے ہیں۔ خدا کی خدائی میں کس کو دخل ہے۔ بُدّھو نفر کو لیس کر کے میاں خدائی فوجدار نے کچھ زیور۔ کچھ اسباب کچھ مکانات کچھ دُکانیں بیچ ڈالیں۔ اور کوڑے کر کے نقدی جمع کر لی۔ اور عمدہ عمدہ قمیصیں کئی قسم کی بنوائیں۔ آلاتِ حرب کو بھی درست کر لیا۔ اور آٹھوں گانٹھ کمیت ہو گئے۔ بُدّھو نفر نے ایک دن ان سے آ کے پُوچھا۔ کہ ہمارے لئے کونسی سواری تجویزی ہے؟ دو چار دس پانچ دن کی بات ہو۔ تو پیدل چلے چلیں۔ مگر یہ لمبے سامان ہیں۔ خدا جانے کتنے دن تک مسافرت رہے۔ خدائی فوجدار سوچے۔ کہ ہم ایسے بہادروں کے ساتھ جو مصاحب رفیق خدمتگار رہتے تھے۔ ان کی نسبت نہیں سُننے میں آیا۔ کہ گھوڑے یا اُونٹ

یا قاطر پر سوار ہوتے ہوں۔ اور نہ کسی کتاب میں پڑھا۔ سوچتے سوچتے اُٹھے۔ کہ کتابوں میں دیکھیں شاید اس کا ذکر ہو۔ مگر فوراً یاد آیا۔ کہ کتاب کہاں۔ کہ کتب خانہ اور اس کا کمرہ دونوں اُس ساحرِ کامل فن نے غائب کر دیئے۔ اِس وقت ان کو اپنے بیش بہا کُتب خانے کے گُم ہو جانے کا سخت افسوس ہوُا۔ ہاتھ مَل کے رہ گئے۔ پادری صاحب کو بُلوایا۔ خلیفہ آئے۔ دونو سے کہا۔ کہ ہمیں اس وقت بڑا صدمہ ہوُا۔ کہ وہ نابکار ناہنجار نامعقول نالائق ساحر ہمارا کتب خانہ چُرا لے گیا۔ ایک امر کی نسبت پُرانے مُصنّفوں سے کچھ مشورہ کرنا تھا۔ اگر اِس گاؤں میں کوئی بڑا کتب خانہ ہو۔ تو بڑا مطلب نکلے۔ ورنہ خیر۔" قہرِ درویش بر جانِ درویش۔" پادری اور خلیفہ تو اِن کی کتابیں جلا چُکے تھے۔ کتب خانے کا کمرہ چنوا چُکے تھے۔ یہ بھلا ایسی کتابوں کی ان کو کب چھاؤں دکھاتے۔ دونو نے کہا۔ کہ اِس گاؤں میں کُتب خانہ کُجا۔ پڑھنے لکھنے ہی کا لوگوں کو شوق نہیں۔ کتب خانہ کُجا۔ یہ بولے۔ کہ ہم سے کئی سَو علما اور فضلا اور کئی جِنّوں اور دیووں نے کہا تھا۔ کہ اتنا بڑا کُتب خانہ ہفت اقلیم میں

نہیں ہے۔ پادری نے کہا۔ اِس میں کیا شک ہے۔ جب تو یہ نوبت آئی۔ کہ کتب خانے اور کمرے تک کی چوری ہو گئی۔ آپ نے فرمایا چوری ہو گئی! آپ کو کچھ خبر بھی ہے۔ دو جادُو گروں نے جا کر چین کے بادشاہ سے کہا۔ کہ حضُور فلاں شخص کے پاس ایسا کُتب خانہ ہے۔ کہ رُوئے زمین پر نہیں۔ بس سُنتے ہی حکم دیا۔ کہ مع مکان کے لے آؤ۔ وہ تو بڑی خیریت یہ گذری کہ ماما اور یہ لڑکی بچ گئی کُتب خانے ہی کے ساتھ گئی۔ بھتیجی نے مُسکرا کر کہا۔ چچا جان پھر وہاں سے کسی ترکیب سے منگوائیے۔ جواب دیا۔ بیٹا چین والوں سے اور ہم سے ایک دِلی محبّت ہے۔ بادشاہ کا فعل اور ساحر کا فعل اور ہوتا ہے۔ اور ہم بہادر دلاور اور ہی ڈھب کے لوگ ہوتے ہیں۔ وہاں کے دیو ہمارے یار ہیں۔ ابھی چاہوں۔ تو چین کے بادشاہ کی کُل سلطنت اُڑا لاؤں۔ مگر دیووں کو اس میں بڑی پریشانی اور دِقت اُٹھانی پڑیگی۔ اچھّا خیر۔ اب ہم ذرا کچھ دِل سے مشورہ کرتے ہیں۔ تم لوگ چلے جاؤ دن بھر تنہا رہونگا۔ یہ کہہ کر اپنے کمرے کے دروازے

بند کر لئے۔ اور غور کرنے لگے۔ کہ بُدّھو نفر
کی سواری کی کیا تجویز کی جائے۔ انجام کار
رائے یہ قرار پائی۔ کہ جس طرح ممکن ہو۔
بُدّھو نفر کو ایک گدھا خرید دیں۔ خود تو اپنے
رشکِ حمار راہوار باد رفتار پر متمکّن ہوں۔
اور بُدّھو نفر گدھے پر ٹخٹخاتے چلیں۔ بس ٹھان
لی۔ کہ ایسا ہی ہوگا۔ دوسرے دن بُدّھو نفر
کو بُلا کے دس روپے دئے۔ اور کہا۔ تم
اپنے لئے ایک گدھا خریدو۔ اور کاٹھی ہم
دیں گے۔ کیل کانٹے سے لیس ہو کر ایک
شب کو **خدائی فوجدار** چپ چپاتے اُٹھے۔ اور
اپنے عراقی کو کسا۔ وردی ڈانٹی۔ جرنیل بنے۔ ہتھیار
لگائے۔ نیزہ ہاتھ میں لیا۔ کپڑے باندھ کے ساتھ
لئے۔ اور جھینکتے ہوئے پشتِ توسن پر سوار ہوئے
اور چلے۔ بُدّھو نفر سے صلاح ہو گئی تھی۔ کوئی
سَو قدم کے فاصلے پر وہ بھی ملے۔ گدھے پر
سوار۔ چہرہ مارے خوشی کے گلنار۔ آگے آگے **خدائی
فوجدار**۔ اُن کے پیچھے بُدّھو نفر خدمتگار۔ اب
دل لگی دیکھئے۔ کہ ان کا ٹٹو کانا اور اُن کا
گدھا ایک ٹانگ سے ذرا لنگ کرتا تھا۔ دونو اچھے
رہے۔ چلتے چلتے تڑکا ہو گیا۔ تو گاؤں سے دُور

نکل گئے تھے - بُدھو نفر نے کہا - اب ہماری جان میں جان آئی - اب کوئی ہم سے مواخذہ کرنے والا نہیں ہے - نہ لڑکے دوڑے آئینگے - کہ ابّا جان کہاں بھاگے جاتے ہو - نہ جورو طعنے دے گی - کھانے بھر کو اللہ ان سب کے لیئے کچھ جمع کر دیگا - دو لڑکے ہیں - دن بھر میں دو آنے بھی پیٹ لائینگے - تو کھانے بھر کو بہت ہے - بی بی اگر دو سیر غلّہ بھی دن بھر میں لائیگی - تو چین ہی لکھتا ہے - خدا نے چاہا - تو ایک سال کے اندر ہی اندر حضور کے مکان جواہرات کے اور ہمارے سونے کے ہو جائینگے - دونو وندنائینگے - خدائی فوجدار نے کہا - بس صرف یہی دعا مانگو - کہ اللہ کرے - روز جنّوں اور دیووں اور غنیم سے مقابلہ ہو - اور ہمارے ذریعے سے - ہمارے رُعب سے ہمارے جلال کی ہیبت سے ظلم کا نام تک باقی نہ رہے - تعدّی منزلوں دُور - جور کافورُ ہو جائے - جب تو ہم خدائی فوجدار اور تم ہمارے رفیق اور خدمتگار - اِدھر خدائی فوجدار وعظ کر رہے تھے - اور اُدھر بُدّھو نفر دل ہی دل میں دُعا مانگ رہے تھے - کہ یا خدا وہ دن جلد دکھا - کہ ہمارے آقا ٹاپو کے بادشاہ ہو جائیں - اور ہم کو وزیر بنائیں - خدائی

فوجدار اب کے بھی اُسی ڈھرّے پر چلنے لگے۔ مگر اب کی مرتبہ دُھوپ تیز نہ تھی۔ اور سویرا بھی تھا۔ بُدھو نفر نے آقا کی طرف مخاطب ہو کر عرض کی۔ پیر و مرشد! دیکھئے غلام نے حضور ہی کے سبب سے گھر بار چھوڑا رشتہ داروں سے مُنہ موڑا۔ صرف اِس طمع سے کہ اگر کوئی جزیرہ حضور فتح کریں۔ تو خانہ زاد کو اس کا گورنر مقرّر فرمائیں۔ اس وعدے کو بھُول نہ جایئے گا۔ اُنھوں نے بہ کشادہ پیشانی جواب دیا۔ بھئی یہ تو ہوتی ہی آئی ہے۔ ہمارے پیشے کے لوگ ہمیشہ سے یہی کرتے آئے ہیں۔ کہ اِدھر کسی ٹاپو پر فتح کا ڈنکا بجایا۔ اور اُدھر اپنے مصاحِب کو گورنر مقرّر کیا۔ بُدّھو نے مقرّر ہونے سے پہلے ہی جُھک کے سلام کیا۔ اور اپنے نزدیک گورنر مقرّر ہو گیا۔ خدائی فوجدار نے پھر ان کی طرف خطاب کرکے کہا۔ بُدھو میاں! تم کو ابھی ہم لوگوں کے اختیارات کا حال نہیں معلوم ہے۔ کہ ہم کس بلا کے لوگ ہیں۔ اور کیا کچھ کر سکتے ہیں۔ اگر کوئی جزیرہ یا بادشاہت فتح کی۔ تو سب کے پہلے تمہارا حق اُس کی گورنری کا ہوگا۔ ہم لوگ گورنروں کو اکثر راجہ اور نوّاب کا خطاب دیتے ہیں۔ گو ابھی تو درجہ بہت چھوٹا

ہے- مگر ممکن ہے- کہ کسی روز ایک جزیرے کا
جزیرہ ٹاپو کا ٹاپو تمہارے زیرِ نگیں ہو جائے- اور
ہم خطاب عطا کرنے میں بڑے فیّاض ہیں- عجب
نہیں- کہ تم سے ایسے خوش ہوں- کہ بادشاہ کا
خطاب دے دیں- بُدھو اِس قدر خوش ہوئے- کہ
بیان سے باہر- پُوچھا کیوں جناب بھلا کب تک
اس فتح کی اُمید ہے- فوجدار نے جواب دیا-
بھائی صاحب یہ کوئی اختیاری امر نہیں ہے- مگر
اتنا یاد رکھنا- کہ چھ دن کے اندر ہی اندر اگر
فتح نہ حاصل کی تو نام بدل ڈالونگا- اور خدا نے چاہا-
تو تم نوّاب ہو جاؤگے- اور عجب نہیں- کہ بادشاہ
کا خطاب ہم تم کو دے دیں- بُدھو بولے- کیوں حضور!
جو ہم بادشاہ ہو جائینگے- تو ہماری زوجہ مخدومہ کیا
ہونگی؟ فوجدار کو اِس سوال پر ہنسی آئی- اور
کئی برس کے بعد یہ محرّمی پیدائش آج ہنسے- اُنہوں
نے کہا- یہ تو بنی بنائی بات ہے- تم بادشاہ اور تمہاری
بی بی بادشاہ بیگم- بُدھو اور بھی خوش ہوئے- اور
دل ہی دل میں سوچنے لگے- کہ اپنی کبڑی بی بی کو
بادشاہ بیگم نہ بنایا- تو نہ سہی- کُبڑا محل نام رکھونگا-
اور پیش خدمتیں- خواصیں- مامائیں- اصیلیں- محل دار-
دواجی- آبدار خانے والی- الغرض جتنی خادمہ ہونگی سب کُبڑی

کوزہ پُشت اور یہ اُن کی سرتاج ہونگی۔ اور چین کرینگی۔ مگر درد دُکھ تکلیف زحمت تو ہم اُٹھائیںگے۔ اور لُطف وہ اُٹھائیں گی۔ اُن کو ہمارے کارناموں اور معرکہ آرائیوں کی بھلا کیا خبر ہوگی +

فوجدار نے کہا۔ بُدھو اگر چھ دن کے اندر ہی اندر بادشاہ نہ ہو جاؤ۔ تو جب ہی کہنا۔ انشاء اللہ تعالےٰ +

سوالات

۱۔ خدائی فوجدار کی بھتیجی اور پادری صاحب نے مل کر کیوں خدائی فوجدار کا کتب خانہ جلانے کا ارادہ کیا؟

۲۔ خدائی فوجدار نے جب کتب خانہ کی تباہی کا حال سُنا۔ تو اُسے کیا وہم ہُوا۔ اور اُس نے اُس کو دوبارہ حاصل کرنے کی کیا تدبیر کی؟

۳۔ بدّھو نفر اور خدائی فوجدار کی گفتگو غور سے پڑھو۔ اور اُسے اپنی یاد کی مدد سے لکھنے کی کوشش کرو۔ جہاں تک ممکن ہو سکے۔ زبان کا انداز وُہی رہے۔ جو اصل عبارت کا ہے +

۴۔ معاذ اللہ کی تشریح کرو۔ اور بتاؤ۔ قواعد کی رُو سے کون سا کلمہ ہے؟

۵ صفحہ ۲۵۱ پر لفظ چچا جان سے پہلے کیا محذوف ہے۔ اس محذوف لفظ کے لحاظ سے چچا جان کو کیا کہیں گے؟

۳۱- زمین کی فرسودگی یعنی "ڈھا"

اور

اُس کی روک تھام

"ڈھا" کیا ہے؟ اس کے معنی ہیں "آہستہ آہستہ کٹنا یا گھسنا"۔ زمین کے ڈھا سے مراد ہے کسی قدرتی طریقہ سے سطحی مٹی کا اپنی جگہ سے ہٹ جانا۔ زمین کی سطح کی مٹی کو بارش بہا لے جاتی ہے۔ اور آندھی اُڑا دیتی ہے۔ برف کے تودے جو پہاڑوں سے لڑکتے ہیں۔ اور یخ کے انبار جن کا کام کچلنا اور پیس ڈالنا ہے۔ سمندر کی لہروں کا زور جو ساحل سے ٹکراتی ہیں اور پانی جو شکم دریا سے کٹتا ہے گہری مٹی تو کیا چٹانوں تک کا یہ ہی حال کر دیتے ہیں۔ در اصل یہ قدرت کی حکمت ہے۔ جس سے پہاڑ رفتہ رفتہ گھس رہے ہیں۔ اور مٹی کے ریزوں کو بہا کر سمندر میں ڈال رہے

ہیں۔ تاکہ زمین کی بناوٹ کی نئی دریائی تہیں سمندر کے اندر تیار ہوں +

۲۔ زمین کی فرسودگی یعنی ڈھا کی رفتار ہماری آنکھیں دیکھ نہیں سکتیں۔ اس کی رفتار نہایت دھیمی ہے۔ اس کا اثر پودوں پر جو زمین کی سطح کو ڈھانپے ہوتے ہیں بالکل نہیں ہوتا اور قدرت کے انتظام میں فرق نہیں آتا جب حضرت انسان کھیتوں میں ہل چلا کر۔ جنگلوں اور گھاس کو آگ لگا کر یا ڈھور ڈانگر کثرت سے رکھ کر قدرت کے انتظام میں دخل دیتا ہے تو پودوں کا غلاف بے بس ہو کر زمین کی حفاظت کے قابل نہیں رہتا۔ اور مٹی بہت جلد بہ جاتی ہے پس زمین کے معمولی ڈھا میں جو بے معلوم طرح پر نہایت آہستگی سے ہوتا ہے۔ اور تیز ڈھا میں بہت فرق ہے۔ اس وقت ہم تیز رو ڈھا پر بحث کریں گے۔ اور یہ مضمون اہل پنجاب کے لئے نہایت ضروری ہے +

۳۔ اگر پودے اس قدر ہیں کہ وہ زمین کو بالکل ڈھانپ لیں۔ تو وہ نہ صرف بارش کے پانی کو جو سیلاب بن کر پہاڑوں سے گرے روک سکتے ہیں۔ بلکہ ان کے پتے اور جڑیں گل اور سڑ کر نئی

تہ زمین پر بناتے ہیں۔ کاشتکار کے لئے یہ نہایت مفید زمین کا وہ بالائی چند انچ حصّہ ہے۔ جو کچھ تو پودوں کے گل سڑ جانے سے ان کے اجزا سے یا پتھروں کے ریزوں یا کنکروں سے بنا ہے بیشک کئی سال درکار ہیں تا کہ قدرت جنگلوں کے پودوں کے گلے سڑے اجزا اور سبزہ زار سے زرخیز زمین تیار کرے۔ زمین کی نچلی تہ پودوں کا سامان پتھروں کے درمیان نہیں ہوتا اس لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ جہاں کہیں کاشت یا چراگاہ کے لئے زمین درکار ہے۔ وہاں اوپر کے چند حصّہ کی بہت حفاظت کی جائے تاکہ بارش کا پانی اُسے برُد نہ کر دے۔

۴۔ کھیتوں کی زمین دو طرح سے کمزور یا بے جان ہو جاتی ہے۔ یعنی ایک تو کیمیاوی نمک کے خرچ ہو جانے سے۔ یہ نمک ہر فصل کے پکنے کے لئے اس کی خوراک ہے۔ دوسرے اوپر کی مٹی بہ جاتی ہے تو صرف نیچے کی تہ رہ جاتی ہے۔ اور چنداں زرخیز نہیں ہوتی۔ پہلی قسم کے نقصان کی تلافی کھاد کے بکثرت استعمال سے اور اجناس کی قسموں کو بدل بدل کر بولنے سے ہو اگر ایک قسم کی جنس کے کاٹنے کے بعد دوسری

قسم کی جنس بوئی جائے تو زمین کو آرام مل جاتا ہے۔ لیکن بالائی تہ کے برُد ہو جانے سے جو دوسری قسم کا نقصان ہوتا ہے۔ اس کی کمی پوری نہیں ہو سکتی۔ اس لئے لازم ہے کہ جب یہ حالت دیکھی جائے تو فوراً اس کا انسداد ان چند طریقوں سے کیا جائے۔ جن پر پارا نمبر ۱۰ میں بحث کی گئی ہے۔

۵۔ چراگاہوں اور ایسے کھیتوں میں جو ریز کاشت نہیں ہیں۔ ہل نہیں چلایا جاتا۔ اس لئے کیا تم اُمید کر سکتے ہو کہ ان کو ڈھا سے نقصان نہیں پہنچے گا۔ بد قسمتی سے چراگاہ کی زمین کو مال مویشی کے لئے اپنی قابلیت سے زیادہ چارہ مہیا کرنا پڑتا ہے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ خشک سالی میں مویشی بھوکے رہتے ہیں اور بھوک سے مجبور ہو کر جہاں کہیں پودا دکھائی دیتا ہے اُسے توڑ مروڑ کر صفایا کر دیتے ہیں۔ اور وقت پر قدرتی پودے کمزور ہو کر زمین کی حفاظت نہیں کر سکتے۔

زمین جب اس طرح پر برہنہ ہو جاتی ہے۔ یعنی خالی ہو جاتی ہے تو اوپر کی نشیبوں کا پانی کسی طرح نہیں رُکتا۔ اور بارش کے پانی

ہیں بڑی مقدار میں مٹی کے ذرّے شامل ہو جاتے ہیں - اور پودوں کے نہ ہونے کی وجہ سے پانی کی روک تھام نہیں ہو سکتی - اور بارش کا پانی بے شمار چھوٹے چھوٹے نالے ریتیلے کاغذ کی طرح کھُرچ کر صاف کر دیتا ہے اس مرحلہ کو چادری ڈھا کہتے ہیں - کیونکہ تمام سطح کو یکساں نقصان پہنچتا ہے - ہل چلائے ہوئے کھیتوں میں یہ نالے ہل سے ہموار ہو جاتے ہیں - لیکن چراگاہوں میں وہ گہری کاٹ کرتے ہیں - اور پھر چھوٹے چھوٹے نالے فوراً مل کر بڑے نالے بن جاتے اور زمین کے نیچے چٹان تک جا پہنچتے ہیں - اس قسم کی فرسودگی کو نالا ڈھا کہتے ہیں ۔

۴ - چراگاہوں اور افتادہ کھیتوں میں ایک اور ذریعہ نقصان کا یہ ہے کہ چادری ڈھا سب سے پہلے وہ ذرّے ہلاتا ہے جو بہت زیادہ ہلکے ہیں - پھر جب یہ اکٹھے ہو کر چکنی باریک مٹی بن جاتے ہیں تو مٹی ایک قسم کی کھال زمین پر بن جاتی ہے - جس کے اندر پانی نہیں جا سکتا - تاکہ زمین کی تہ کو سیراب کرے - یہ بالکل وہی صورت ہوتی ہے کہ جب ہمارے بدن کی جلد پہ مٹی جم جائے

تو مسام بند ہو جاتے ہیں۔ اگر زمین اپنی طبعی حالت میں ہو اور اس پر عمدہ جنگل اور گھاس کا پردہ ہو تو وہ اسفنج کی طرح بہت سا پانی جذب کر لیتی ہے۔ اور یہ پانی آخرکار زمین کی تہ میں پہنچ کر پانی کے اُن گہرے ذخیروں میں جا ملتا ہے جن کی بدولت ہمارے بہترین چشمے سال بھر جاری رہتے ہیں۔ لیکن جب ایک بار ڈھاہا تیزی کے ساتھ شروع ہو جاتے تو بہت تھوڑا پانی زمین کے نیچے جاتا ہے۔ کیونکہ وہ خالی نشیبوں سے بڑی تیزی کے ساتھ بہ نکلتا ہے۔ اور ساتھ ہی ذرّے زمین کے قدرتی مسام بند کر دیتے ہیں۔

۷۔ شاید تمہارا یہ خیال ہو کہ ڈھا سے بہت بڑا نقصان ڈھالو زمین اور نشیبوں پر ہوتا ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ ایسا ہو۔ نشیب کے مقابلہ میں پودے کے پردہ کا اثر زیادہ ہوتا ہے۔ مثلاً اگر ڈھالو زمین پر عمدہ گھاس اور گھنا جنگل ہے تو اس سے زمین بالکل محفوظ رہے گی۔ اور اگر چراگاہ یا ہل چلائی ہوئی زمین میں معمولی نشیب کی موجودگی بھی ہو۔ تو بہت سی مٹی ضائع ہو جائیگی البتہ گہری ڈھلوانوں میں بہ نسبت کم ڈھلوانوں کے زیادہ نقصان ہوگا۔ اگر ایک سی قسم کا پردہ پودوں

کا دونوں پر ہے۔ ریتلی مٹی کا عموماً چکنی مٹی سے زیادہ نقصان ہوتا ہے۔ لیکن کاشت کے لئے زمین کی تیاری یعنی تردّد کے طریقہ کا بہت زیادہ اثر ہوتا ہے۔ مثلاً اگر کلبہ رانی کے وقت ہل کی لکیروں کا رُخ پہاڑ کے نشیب کی طرف ہو اور ساتھ ساتھ ساتھ نہ ہو۔ تو بارش کے پانی کا بہاؤ زیادہ تیز ہوگا۔ اور پانی بہت سی مٹی لے جائے گا*

۸۔ کٹھا کا عمل صرف چراگاہوں اور کھیتوں کی مٹی ہٹانے تک محدود نہیں ہے۔ اس سے کئی اور باتیں ظہور میں آتی ہیں:۔

(الف) زمین کی نچلی تہ میں نیز چٹان تک پانی جانا رُک جاتا ہے اور چشمے تک خشک ہونے لگتے ہیں۔ اس سے نشیبی چراگاہوں کی زمین کو خصوصاً زیادہ نقصان پہنچتا ہے۔ کیونکہ طوفانِ باراں جو گھنی گھاس سے زمین کے نیچے تک رطوبت لے جا سکتا ہے۔ ایسی زمین کے جو مویشی چرنے سے سخت ہو گئی ہے۔ صرف بالائی دو تین انچ حصّہ کو تر کر سکے گا*

(ب) پودوں کی جڑیں زمین کے نمک جو حل ہو سکتے سکتے ہیں۔ خوراک کی طرح چوس لیتی ہیں۔

لیکن جب یہ نمک ڈھا کی وجہ سے برد ہو جاتے ہیں تو اس کے یہ معنی ہیں کہ پودوں کی خوراک چوری ہو گئی ۔ پس اس خوراک کو ضائع ہونے سے روکنا بہتر ہے ۔ بہ نسبت اُس کے کہ اُس کے ضائع ہو جانے سے جو کمی ہو گئی ہے ۔ اس کو کھاد ڈال کر پورا کیا جائے ◆

(ج) زمین کی سطح کے اوپر کے چند انچوں میں بہ نسبت نچلی تہوں کے زیادہ بیش قیمت غذا پودوں کے لئے موجود ہوتی ہے ۔ اور اگر یہ بالائی تہ فرسودگی سے ضائع ہو جائے ۔ تو چاہے کھیت میں کتنا ہی کھاد ڈالو ۔ وہ اصلی حالت پر کبھی نہیں آئے گا ◆

(د) جہاں نہایت باریک مٹی جمع ہو جائے ۔ وہاں کھلے مقامات گہرے نالے بن جاتے ہیں ۔ اور اس طرح سے بڑے کھیت چھوٹے چھوٹے حصوں میں منقسم ہو جاتے ہیں ۔ اور ان میں ہل چلانا مشکل ہو جاتا ہے ۔ ان گہرے نالوں کے آس پاس کی زمین اونچی اور خشک اور استادہ فصل گئی گذری ہو جاتی ہے ◆

(ھ) ڈھا کے مقام سے جب پانی تیزی سے بہتا ہے ۔

تو نیچے کے چشموں اور دریاؤں میں سیلاب یعنی طغیانی آ جاتی ہے۔ اور خواہ وہ مقام پہاڑوں سے سو میل کے فاصلہ پر ہو آس پاس کی فصلیں برباد ہو جاتی ہیں۔ مکان گر پڑتے ہیں۔ راستے بند۔ ریل کی سڑک مسدود ہو جاتی ہے۔ اور انسان اور مویشی ڈوب مرتے ہیں۔

(۵) ڈھال سے جو مٹی بُرد ہوتی ہے۔ اُسے کہیں نہ کہیں سمانا ہوتا ہے۔ پھر بڑے بڑے دریاؤں میں جن میں جہاز چلتے ہیں۔ یہ ریت سے بنے ہوئے نئے کنارے جہازوں کے لئے خطرہ کا سامان اور تباہی کا سبب جاتے ہیں۔ بلکہ اس مٹی اور ریت سے بندرگاہیں تک ناقابل استعمال ہو جاتی ہیں۔ ساتھ ہی نہروں کے ناکوں کو بھی نقصان پہنچ سکتا ہے +

۹۔ سوال یہ ہے کہ اس سبق میں جنگلوں کو کیوں لیا جائے۔ جب کہ زیادہ تر اس کا تعلق اراضی زیر کاشت اور چراگاہوں سے ہے ؟

اس کا جواب یہ ہے کہ صرف اس وجہ سے کہ جنگل بہترین قدرتی غلاف زمین کی حفاظت کے لئے ہیں۔ اگر تمہاری سمجھ میں یہ آ جائے کہ قدرت

زمین کی فرسودگی کو کس طرح روکتی ہے تو تم کھیتوں
کی زمین کی ضروریات بہتر سمجھ سکو گے۔ سب سے
زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے
زمین میں جذب کرنے کی قوت برقرار رہے
اور یہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ زمین پر پودوں
کا پردہ اُگتا رہے۔ اور کھیتوں کی اچھی طرح دیکھ
بھال ہوا کرے۔

۱۰۔ کلبہ رانی کا التوا ناممکن ہے۔ اگر ہل نہ چلایا
جائے تو غلہ کیسے ہو اور لوگ کیا کھائیں؟ اس لئے
کھیتوں کو دھان کے کھیتوں کی طرح چپٹا رکھنا
چاہیئے۔ اور درست طور پر چبوترے بنانے چاہییں
ڈھالو زمین میں پتھروں کے چبوترے بن سکتے
ہیں۔ یا زمین میں کھرچ کر اس میں وٹ بندی
ہو سکتی ہے۔ سخت اور ڈھالو زمین میں جس
میں وٹ بندی نہ ہو سکے۔ ہل کبھی نہ چلاؤ۔ بعض قسم
کے پودے مثلاً دال۔ ماش۔ سن پٹوا وغیرہ جو مٹروں
کے خاندان سے ہیں اس قابل ہیں۔ کہ زمین
میں نائٹروجن کی مقدار بڑھا کر فصل کی
قیمت بڑھا دیں۔ اس قسم کے پودوں کو جہاں
تک ہو سکے۔ زیادہ قیمتی فصلوں مثلاً گیہوں۔ مکئی
کپاس۔ آلو وغیرہ کے درمیان باری باری

سے بونا چاہیئے۔اس قسم کی کاشت کو کسان فصل کی باقاعدہ باری کہتے ہیں۔ اس کام کے لئے یا تو سالم کھیت ایک ہی وقت میں بونا چاہیئے۔یا کھیت کو پٹیوں میں تقسیم کرکے ان میں دیگر اجناس کے درمیان زمین کی حیثیت بڑھانے والے پودے اگانے چاہئیں۔گھنی پیداوار کی یہ پٹیاں موسلا دھار بارش میں پانی کے بہاؤ کی تیزی کو روکتی ہیں۔

۱۱۔ تمام چراگاہوں میں خواہ ان میں بہت کم نشیب ہو۔زمین کا ڈھا جب تک مویشی کی تعداد جو وہاں چرتے ہیں کم نہ کی جائے بڑھتا رہتا ہے۔ بارہا ایسا ہوا ہے کہ گوجر اور گاڈی باہر کی بھینسیں اور گلے لاکر وہ چارہ جو صرف لوگوں کے اپنے مقامی مویشیوں کے لئے رہنا چاہیئے ان کو چراتے ہیں۔ڈھا جو چرائی کی وجہ سے ہو۔ اس کا علاج صرف یہ ہے کہ یا تو مویشی کی تعداد کم کرکے حد سے زیادہ اور متواتر چرائی روکی جائے۔یا چند مہینے چراگاہ بند کرکے زمین کو آرام دیا جائے۔اچھے بیل جو ہل چلاتے ہیں۔ اور دودھ دینے والی گائیں مستحق ہیں کہ اُن کو زیادہ گھاس کاٹ کر دی جائے۔ اور ایسے مویشی

جو بے کار ہیں - یا تو فروخت کر دیئے جائیں - یا اُن سے چھٹکارا پا لیا جائے - اگر کچھ حصّہ زمین کا گھاس کاٹنے کے لئے چھوڑا جائے - تو اس سے بجائے اس کے کہ اس پر مویشی چرائے جائیں بہتر چارہ مہیا ہو سکے گا - اور گھاس کا غلاف زمین کی زیادہ اچھی حفاظت کرے گا - اس سے بھی بہتر یہ ہے کہ چرائی بالکل موقوف کر دی جائے - اور مویشی کو کٹی ہوئی گھاس کا چارہ دیا جائے - بہت سا نقصان بکریاں کرتی ہیں - وہ نہ صرف ہر قسم کے پودوں کو ٹکڑے ٹکڑے اور فنا کر دیتی ہیں - بلکہ بڑے بڑے درختوں کو بھی تباہ کر دیتی ہیں - بہت سے ملکوں میں بکریاں رکھنا اگر ان کو ہاتھ سے چارہ نہ دیا جائے خلاف قانون ہے ◆

بعض اوقات چرائی کی زمین کی ترقی، حیثیت اس طرح ہو سکتی ہے - کہ اسے دو یا تین حصّوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے - جن کا نصف یا دو تہائی حِصّہ بند اور باقی کھلا رہتا ہے - کھلا حِصّہ ہر سال بدل دیا جاتا ہے - تاکہ باری باری ہر حصّہ بند رہے - اور اس میں گھاس اُگنے کا موقع ملے - کئی مقام موسمی ہواؤں کے ایام میں بند کر دیئے جاتے ہیں - اور ایسے پودوں کو اصلی طاقت حاصل

کرنے اور تندرست ہو جانے کا موقعہ مل جاتا ہے۔
لیکن جب بعد ازاں بہت سے مویشی چرائے جائیں تو نوعمر پودے جو اُگ رہے ہوں ضائع ہو جاتے ہیں۔ اور ڈھا پھر شروع ہو جاتا ہے۔

۱۲۔ جہاں کہیں نالیاں بن جائیں۔ ان کو گہرا کاٹنے سے روکا جا سکتا ہے۔ سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ بڑے بڑے پتھر اینٹیں یا ٹہنیوں کے گٹھے استعمال کئے جائیں۔ یا چھوٹے چھوٹے بند نلے کی تہ کے ساتھ باندھ دیئے جائیں۔ یہ بند اونچے نہ ہوں۔ کیونکہ ان کا مطلب یہ نہیں ہے۔ کہ بہت سا پانی روکا جائے یا پیچھے کی طرف ہٹا دیا جائے۔ بلکہ یہ مطلب ہے کہ پانی کے بہاؤ کی تیزی جاتی رہے۔ تاکہ نقصان کم ہو۔ بندوں کے کنارے پانی کو چپٹے یا ہموار چونتروں پر پھیلا دیں گے۔ اور اس سے V شکل کی گلی یا نالی میں گہرا کٹاؤ نہ ہوگا۔ اس کے ساتھ چراگاہ کے رقبہ میں اگر مویشی چرتے ہیں۔ تو ان کا چرنا بند کر دینا چاہیئے اور ہر ممکن کوشش ہونی چاہیئے۔ تاکہ تمام گرد و نواح کی زمین پر بہتر غلاف پودوں کا اُگایا جائے اور یہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ درخت لگائے جائیں اور گھاس اور جھاڑوں کے بیج

۱۳۔ بہتر تو یہ ہے کہ ہر گاؤں میں کچھ زمین ذخیرے کے لئے مخصوص کی جائے۔ جس میں ایسے درخت ہوں کہ ان سے عمارتی اور جلانے کی لکڑی اور مویشی کے لئے پتے اور چارہ میسر ہو جائے۔ اگر کہیں ایسی گہری ڈھلوانیں ہیں کہ جہاں مویشی چرانے سے بڑے قسم کا ڈھا واقع ہوتا ہے۔ تو بے شک ان میں درخت لگا دو۔ تاکہ ڈھا کی پریشانی اور اس میں چٹانوں کے گرنے اور سیلاب کا خطرہ جاتا رہے۔ اور وہ واقعی مفید بن کر گاؤں کی باقی زمین کو محفوظ رکھیں۔ جہاں زمین بہت ڈھالو ہے وہاں جنگل کا ذخیرہ پناہ کے لئے اور طوفانوں کے خشک کر دینے والے اثر کو زائل کرنے کے لئے بہت مفید ہے۔ کئی قسم کے درخت مثلاً کھرک توت۔ اور ارجن جو میدانوں میں ہوتے ہیں اور بن اور دراوی جو پہاڑوں میں ملتے ہیں بیش بہا چارہ مہیا کرتے ہیں۔ اور ان کے پتے جب گھاس کا کال ہو۔ کاٹ کر مویشی کو کھلائے جاتے ہیں +

پنجاب آرٹ پریس سرکلر روڈ بیرون موری گیٹ لاہور میں باہتمام لالہ گلاب چند کپور چھپا

اور

لالہ گلاب چند کپور پروپرائیٹر گلاب چند کپور اینڈ سنز لاہور نے شائع کیا

۳۲- برسات کی بہاریں

ہیں اِس ہوا میں کیا کیا برسات کی بہاریں
سبزوں کی لہلہاہٹ - باغات کی بہاریں
بوندوں کی جھمجھاوٹ - قطرات کی بہاریں
ہر بات کے تماشے ہر گھات کی بہاریں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

بادل ہوا کے اُوپر ہو مست چھا رہے ہیں
جھڑیوں کی مستیوں سے دُھومیں مچا رہے ہیں
پڑتے ہیں پانی ہر جا جل تھل بنا رہے ہیں
گلزار بھیگتے ہیں - سبزے نہا رہے ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

مارے ہیں موج ڈابر دریا ڈونڈ رہے ہیں
مور و پپیہے کوئل کیا کیا رمنڈ رہے ہیں
جھڑ کر رہی ہیں جھڑیاں نالے اُمنڈ رہے ہیں
برسے ہے مینہ جھڑا جھڑ بادل گھمنڈ رہے ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جنگل سب اپنے تن پر ہریالی سج رہے ہیں
گُل پھول جھاڑ بُوٹے کر اپنی دھج رہے ہیں

بجلی چمک رہی ہے بادل گرج رہے ہیں
اللہ کے نقارے نوبت کے بج رہے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

ہر جا بچھا رہا ہے سبزہ ہرے بچھونے
قدرت کے بچھ رہے ہیں ہر جا ہرے بچھونے
جنگلوں میں ہو رہے ہیں پیدا ہرے بچھونے
بچھوا دیئے ہیں حق نے کیا کیا ہرے بچھونے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

سبزوں کی لہلہاہٹ۔ کچھ ابر کی سیاہی
اور چھا رہی گھٹائیں سُرخ اور سفید کاہی
سب بھیگتے ہیں گھر گھر لے ماہ تا بہ ماہی
یہ رنگ کون رنگے تیرے سوا الٰہی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کیا کیا رکھے ہے یا رب سامان تیری قدرت
بدلے ہے رنگ کیا کیا ہر آن تیری قدرت
سب مست ہو رہے ہیں پہچان تیری قدرت
تیتر پکارتے ہیں سبحان تیری قدرت

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

بولیں بئے بٹیریں۔ قمری پکارے کوکو
پی پی کرے پپیہا۔ بگلے پکارے تو تو
کیا ہدہدوں کی حق حق کیا فاختوں کی ہوہو

سب رٹ رہے ہیں تجھ کو کیا پنکھ کیا پکھیرو

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جو مست ہوں اُدھر کے کر شور ناچتے ہیں
پیاروں کا نام لے کر کیا زور ناچتے ہیں
بادل ہوا سے گھر گھر گھنگھور ناچتے ہیں
مینڈک اُچھل رہے ہیں اور مور ناچتے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنوں کو محلوں اندر ہے عیش کا نظارا
یا سائبان ستھرا یا بانس کا اسارا
کرتا ہے سیر کوئی کوٹھے کا لے سہارا
مفلس بھی کر رہا ہے پولے تلے گزارا

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

چھت گرنے کا کسی جا غل شور ہو رہا ہے
دیوار کا بھی دھڑکا کچھ ہوش کھو رہا ہے
ڈر ڈر حویلی والا۔ ہر آن رو رہا ہے
مفلس تو جھونپڑے میں دلشاد سو رہا ہے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جو اس ہوا میں یارو دولت میں کچھ بڑھے ہیں
ہے اُن کے سر پہ چھتری ہاتھی پہ وہ چڑھے ہیں
ہم سے غریب غربا کیچڑ میں گر پڑے ہیں
ہاتھوں میں جوتیاں اور پائینچے چڑھے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

ہے جن کنے مہیّا پکا پکایا کھانا
اُن کو پلنگ پہ بیٹھے جھڑیوں کا حظ اُٹھانا
ہے جن کو اپنے گھر میں یاں نوُن تیل لانا
ہے سر پہ اُن کے پنکھا یا چھاج ہے پُرانا

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کیچڑ سے ہو رہی ہے جس جا زمیں پھسلنی
مشکل ہوئی ہے واں سے ہر اک کو راہ چلنی
پھسلا جو پاؤں۔ پگڑی مشکل ہے پھر سنبھلنی
جُوتی گڑی تو واں سے کیا تاب پھر نکلنی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنے تو کیچڑوں کی دلدل میں پھنس رہے ہیں
کپڑے تمام گندے دلدل میں پس رہے ہیں
کتنے اُٹھے ہیں مرمر۔ کتنے اُکس رہے ہیں
وہ دُکھ میں پھنس رہے ہیں اور لوگ ہنس رہے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

حضرت نظیر اکبر آبادی

سوالات

۱- ان الفاظ کے معانی لکھو:-

جھمجھماوٹ - ڈابر - گھمنڈ - دمچ - کاہی - اُسارا ۔

۲- برسات کے مختلف نظاروں کا بیان جو تم نے اس نظم میں پڑھا ہے۔ نثر میں لکھو۔ اور جو الفاظ اس میں مستعمل ہوئے ہیں۔ اُن کو برمحل استعمال کرو ۔

۳- ترکیب نحوی کرو:-

"مینڈک اُچھل رہے ہیں ۔"

۴- ناچنا کا متعدی بناؤ۔ اور بناؤ کس عمل سے بنتا ہے؟

۵ اس سبق میں اسمائے صوت کون کون سے ہیں؟

ضمیمہ

فرہنگ

صفحہ	الفاظ و معانی	صفحہ	الفاظ و معانی
۱	**معرفت** - عربی مصدر - بمعنی پہچاننا پہچان +		**پشیمان ہونا** - کئے پر پچھتانا +
	پرتو - عکس - سایہ +		**عیاں** - ظاہر +
	جلوہ - اپنے تئیں طرزِ خاص سے لوگوں کو دکھانا +		**انقلاب** - مصدر عربی - باب انفعال سے بمعنی حالت کا بدلنا زمانہ کا الٹ پلٹ
	ضیاء - روشنی +	۱۰	**باصفا** - اسم فاعل جیسے باحیا - باوفا بمعنی صفائی والا - صاف باطن +
	عبرت - نصیحت پکڑنا - زمانے کے واقعات سے نصیحت حاصل کرنا +		**مہ لقا** - اسم فاعل - چاند کے سے چہرے والا - خوبصورت - چاند کا ٹکڑا
	نظام - انتظام - آراستگی - بنیاد		**خاک کا پیوند ہونا** - زمین میں دفن ہونا - خاک میں مل جانا - مثلاً مدت ہوئی وہ خاک کا پیوند ہو چکا ہے - یعنی مر گیا ہے +
	دیدنی - دیکھنے کے لائق - ی یائے قابلیت ہے +		
	شاداب - سیراب تر و تازہ +		
	حباب آسا - بمعنی بلبلہ جیسا - آسا کلمہ تشبیہ ہے - بمعنی مثل مانند یعنی بلبلہ کی طرح +	۱۱	**نغمہ** - راگ - سرود +
			ہکا - رونا - گریہ +
	سفینہ - کشتی +		**ہوک** - درد - وہ درد جو دل یا سینہ میں ٹھہر کر یا ایکا ایکی ہو +

صفحہ	الفاظ و معانی
۱۱	طلسم ۔ جادو ۔ عجیب و غریب بات ۔ حیرت انگیز بات +
	نیرنگ ۔ شعبدہ ۔ جادو طلسم ۔ چالاکی +
	ابتدا ۔ آغاز ۔ شروع +
	انتہا ۔ انجام ۔ اخیر +
	آرزو و تمنا ۔ اُمید کا پورا نہ ہونا +
۱۲	جائز ۔ جائز ہونا ۔ درست ہونا +
	تشبیہ ۔ ایک چیز کو کسی خاص وصف میں دوسری جیسی کہنا ۔ مثلاً ایک بہادر انسان کو بہادری میں شیر جیسا کہنا +
	’احمد شیر جیسا بہادر ہے‘۔
	۱۔ احمد مشبہ
	۲۔ شیر مشبہ بہ
	۳۔ جیسا کلمہ تشبیہ
	۴۔ بہادری غرض تشبیہ
	دار المحن ۔ اسم ظرف ۔ دار (عربی) بمعنی گھر ۔ محن جمع محنت کی بمعنی تکلیف ۔ تکلیفوں کا گھر ۔ اس لفظ کی مثال دار الشفا (ہسپتال)، دار الضرب (ٹکسال) ہیں +
	عملاً ۔ عملی طور پر +
	خدا رسیدہ ۔ اسم مفعول ۔ خدا تک پہنچا ہوا ۔ یعنی خدا کا نیک بندہ +
	نظرِ غائر ۔ مرکبِ توصیفی ۔ گہری نظر ۔ غائر اسم فاعل لفظ غور سے معنی غور کرنے والا یا والی +
	اُلجھن ۔ پیچیدگی ۔ مشکل کام +
	غفلت کیش ۔ اسم فاعل ترکیبی ۔ غافل ۔ لفظ کیش کے معنی خو ۔ عادت +
۱۳	قیود ۔ جمع قید کی معنی پابندی +
	مذاہب ۔ جمع مذہب کی +
	کھلے بندوں ۔ کھلے طور پر ۔ کھلم کھلا ۔ بے دھڑک ۔ آزادانہ +
	مفہوم ۔ اسم مفعول ۔ لفظ فہم سے معنی مطلب +
	نسیان ۔ دماغی عارضہ ہے جس سے انسان کو کوئی بات یاد نہیں رہتی ۔ بھول +
	گھُٹی ۔ وہ دست آور دوا جو نوزائیدہ بچے کا پیٹ صاف کرنے کے واسطے دودھ پلانے سے پہلے جوش دے کر اُس کے منہ میں ٹپکاتے ہیں ۔ اس لئے جو چیز کسی کی سرشت میں بیٹھ جائے

صفحہ	الفاظ و معانی
۱۳	اس کی نسبت بولتے ہیں "جھوٹ تو اُس کی گھُٹی میں پڑا ہُوا ہے" +
	اٹکھیلیاں ۔ شوخیاں +
۱۴	زخّار ۔ پانی سے میالب بھرا ہُوا +
	زمرّدین ۔ زمرد کے رنگ کی چیز ۔ سبز رنگ ۔ زمرد سبز رنگ کا ایک جواہر ہے +
	خوشہ ۔ گچھّا +
	خوش نوائی ۔ خوش آوازی +
	فردوس ۔ بہشت +
	مناظر ۔ جمع منظر کی ۔ اسم ظرف معنی نظارے ۔ سین +
	مراتع ۔ جنگل +
	غزال ۔ ہرن +
	جامع اوصاف ۔ جامع بروزن فاعل ۔ اسم فاعل جمع کرنے والا ۔ اوصاف جمع وصف مرکب کے معنے اوصاف کا جمع کرنے والا ۔ جس میں اوصاف جمع ہوں ۔ مجمع اوصاف +
	باریک بین نگاہ ۔ باریکی دیکھنے والی نظر ۔ نکتہ شناس +
۱۵	لق و دق ۔ ویران جنگل +

صفحہ	الفاظ و معانی
۱۵	یکّہ تاز ۔ وہ سوار جو گھوڑا دوڑانے میں بے مثل ہو +
	حرماں نصیب ۔ بے نصیب ۔ بدنصیب +
	مونس ۔ اسم فاعل ۔ اُنس کرنے والا ۔ رفیق ۔ غمخوار ۔ دوست +
	حُسنِ دلفریب ۔ دل کو فریفتہ کرنے والا حُسن ۔ دلفریب ۔ اسم فاعل معنی دل کو موہ لینے والا +
	مذہباً ۔ مذہبی طور پر ۔ مذہبی لحاظ سے ۔
	حُسن کی پُتلی ۔ بہت خوبصورت مثلاً یہ گھوڑا ایسا خوبصورت ہے ۔ گویا حُسن کی پُتلی ہے +
	ملاحت ۔ خوبصورتی +
	موسیقی ۔ راگ کا علم +
	چنگ ۔ سارنگی +
	اصوات ۔ جمع صوت کی معنی آوازیں
	درد آشنا ۔ تکلیف سے واقف ۔ تکلیف کو محسوس کرنے والا +
	اہلِ دِل ۔ وہ لوگ جن کو اپنے دل پر قابو ہو ۔ نیک آدمی +
	ارگن ۔ ایک انگریزی باجا ہے ۔

صفحہ	الفاظ و معانی
۱۵	ارغنون بھی کہتے ہیں +
۱٦	قبیح - صفت مشبّہ کا صیغہ ہے - قباحت والی چیز - بُری - خراب +
	متن - کتاب کا اصل مضمون +
	خسخانہ - خس کی ٹٹیوں والا مکان - سرد خانہ +
	برفاب - ٹھنڈا پانی +
	گرمابہ - حمام - وہ مکان جہاں سردیوں میں گرم پانی نہانے کے لئے گرم ہوتا ہے - مرکّب - گرم آبہ سے +
	قہوہ خانہ - اسم ظرف - وہ مکان جہاں تمام قہوہ باز جمع ہوکر قہوہ پیتے ہیں اور گپ شپ اُڑاتے ہیں +
	سمور - لومڑی کی قسم کے ایک جانور کی پوستین جو بہت گرم ہوتی ہے +
	جوت دینا - کام میں لگا دینا - مصروف کرنا +
	دخانی - جو کل یا مشین بھاپ کے زور سے چلے +
	برق - بجلی جو چمکتی ہے جو گرجتی ہے - وہ رعد - جو گرتی ہے وہ صاعقہ
۱۸	آنِ واحد - ایک پل +
	سرِ تسلیم خم کرنا - حکم ماننا - فرماں برداری کرنا - بلا چون و چرا حکم ماننا - راضی برضا ہونا +
	پیام بری - پیغام پہنچانا - قاصدی
۱۹	تمتّع - فائدہ اٹھانا - عربی مصدر ہے +
	مرغوب - اسم مفعول - رغبت کیا گیا - پسندیدہ - پسند +
	کھونڈا - نکمّا - خراب +
	تخیّل - خیال میں لانا - خیالی مضمون +
	تفریحِ قلب - دل کی خوشی +
	منّ و سلویٰ - منّ ترنجبین جو حضرت موسیٰ کی قوم پر برستی تھی اور سلویٰ ایک جانور جس کو ہندی میں لوا کہتے ہیں - شام کو حضرت موسیٰ کے لشکر کے گرد ہزاروں جمع ہوتے اور وہ انہیں پکڑ کر کباب کر کے کھاتے
	مائدہ - دسترخوان +
۲۰	رقعہ دوزی - چیتھڑے سینا - مختلف چیزوں کو یکجا جمع کرنا +

صفحہ	الفاظ و معانی
٢٠	**بقلها و قثائها** - دونو لفظوں میں ہا ضمیر مؤنث عربی کی ہے۔ بقل سگ پات +
	قثا - ککڑی جس کو پنجاب میں تر کہتے ہیں +
	فطرتِ انسانی - انسانی نیچر یا طبیعت +
	شامہ - سونگھنے کی قوت +
	مشام - دماغ - یہ اسم ظرف ہے۔ اس کے معنے قوتِ شامہ کی جگہ +
	باچھیں کھل جانا - خوش ہو جانا خوشی کے مارے ہنس پڑنا +
	فسردہ - مرجھایا ہوا غمگین +
	جنون انگیز - جنون پیدا کرنے والی چیز - اسم فاعل +
	جانفزا - جان کو بڑھانے والی چیز - یعنی رُوح کو خوش کرنے والی +
	دھانی رنگ - ہلکا سبز رنگ زردی مائل +
	ابجد - آغاز شروع +
	استعارہ - کسی لفظ کے حقیقی اور مجازی معنوں میں تشبیہ کا تعلق

صفحہ	الفاظ و معانی
٢٢	ہونا - مثلاً شبنم کے حقیقی معنے بخارات آبی کے قطرے جو رات کو گھاس اور پتوں پر پڑتے ہیں - مجازی معنے موتیوں کے دانے دونو میں مشابہت ہے +
٢٣	**حسنِ مطلق** - حُسنِ حقیقی جو خداوند تعالےٰ کا ہے +
	بصیرت - دل کی بینائی اور بصارت - ظاہری بینائی +
	آنکھ کا خیرہ ہونا - چندھیا جانا کسی چیز کی طرف دیکھ نہ سکنا +
	مناظرِ قدرت - قدرتی نظارے
	متاثر - اسم فاعل - اثر قبول کرنے والا +
	پھاندنا - کُودنا - اچھلنا +
	رسوم - جمع رسم کی +
	قوانین - جمع قانون کی +
	طالب - عاشق - اسم فاعل طلب سے جس کے معنی چاہنا تلاش کرنا - طالب کے معنے چاہنے والا +
	مطلوب - معشوق جس کے معنی چاہا ہوا - اسم مفعول طلب کیا ہوا -

صفحہ	الفاظ و معانی
۲۵	والہ و شیدا - فریفتہ - عاشق
	ممنوعات - جمع ممنوع کی - معنی منع کی گئی چیز جس سے روکا گیا ہو +
	مکروہات - جمع مکروہ کی - معنی کراہت کی گئی چیز وہ چیز جس سے کراہت اور نفرت ہو +
	یاس - نا اُمیدی +
	حرمان - محروم رہنا - مایوسی +
	اِفلاس - مصدر عربی - تنگ دست ہونا - مفلس ہونا +
	خونریزی - حاصل مصدر اسمی - لڑائی - کشت و خون +
	خرمن - غلّہ کا تودہ - ڈھیر - انبار +
	حق بجانب ہونا - راستی پر ہونا - سچا ہونا - مثلاً وہ اِس معاملہ میں حق بجانب ہے +
	اضداد - جمع ضد - وہ چیزیں جو ایک دوسرے کے برخلاف ہوں - مثلاً گرم ضد ہے - سردی کی +
	متقاضی - تقاضا کرنے والا - چاہنے والا +
۲۶	اِحساس - محسوس کرنا +
	لازم و ملزوم - ایک دوسرے سے وابستہ وہ دو چیزیں جو ایک دوسرے کے بغیر بیکار ہوں مثلاً علم و عمل لازم و ملزوم ہیں - یعنی علم بغیر عمل بیکار - عمل بغیر علم ہو نہیں سکتا +
	حکمتِ بالغہ - پوری پوری دانائی - حکمتِ کامل +
	عمق - گہرائی +
	ہم آہنگ - ہم آواز ہونا - متفق ہونا +
	فرمانروا - بادشاہ +
	نسیم و صبا - دونو لفظ ہواؤں کے نام ہیں - جو صبح کے وقت چلتی ہیں +
	جاں بلب - جان لبوں پر - قریب المرگ +
۲۷	کسی چیز سے ہاتھ دھونا - مایوس ہونا - نا اُمید ہونا +
	مسیح دم - کامل طبیب -

صفحہ	الفاظ و معانی
۲۷	حکیم حاذق +
	بحسبِ طبع - طبیعت کے موافق یا مطابق +
۲۸	نوبت نقارہ - نقارہ +
	سخاوت مآب - سخاوت کے لوٹنے کی جگہ - سخی +
	بحرِ کرم - سخاوت کا سمندر - بڑا سخی +
	سحاب - بادل +
	تہنیت - مبارک باد +
	سیماب - پارہ +
	عزّ و جاہ - عزّت مرتبہ +
	شاد کام - خوش - کامیاب - بامراد +
۲۹	ذوی الامتیاز - امتیاز والے [illegible] - معزّز +
	بیم - خوف +
	کارگر - کاری - مؤثر +
۳۰	ذی الحجہ - قمری مہینوں میں سے بارہواں مہینہ جس کی دسویں تاریخ بڑی عید یعنی عیدِ قربان ہوتی ہے +

صفحہ	الفاظ و معانی
	یکتا - بے مثل - بے نظیر +
	کامل و بیل - پوری ڈیل +
۳۱	مامور - صیغہ اسم مفعول امر سے حکم دیا گیا - مقرّر کیا گیا +
۳۲	خندق - کھائی جو قلعہ کے گرد ہوتی ہے +
	لبریز - پُر - لبالب +
	نامی - مشہور +
۳۳	نشیمن - آرام گاہ - جانوروں کا گھونسلہ +
	ظلِّ الٰہی - خدا کا سایہ بادشاہ کو کہتے ہیں +
	کرسی - سطح زمین سے مکان کے فرش کی اونچائی +
	پچیکاری - جڑاؤ کام +
	حمّام - وہ مکان جہاں لوگوں کے نہانے کے لئے پانی گرم ہوتا ہے +
	منبّت کاری - ایسی نقّاشی جو اپنی زمین سے ابھری ہوئی ہو - جیسے سکّوں کے حروف و نقوش +

صفحہ	الفاظ و معانی
۳۵	خوش قطع - خوش وضع +
	شہ نشین - بادشاہ کے بیٹھنے کی جگہ - وہ برآمدہ جو آگے نکلا ہوا ہو - جس پر اکثر بادشاہ بیٹھ کر لوگوں کو اپنی زیارت کرایا کرتے تھے +
۳۷	جور - سختی - ظلم +
	خوش خصال - اچھی خصلتوں والا - خصال جمع ہے خصلت کی +
	خستہ حال - بدحال +
	سکتہ - ایک بیماری کا نام ہے - جس میں مریض بے حس و حرکت ہو جاتا ہے - یہاں تک کہ لوگ اس کو مردہ خیال کرنے لگتے ہیں - بہت خاموشی کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے +
	نورِ نظر - بیٹا - نورِ چشم +
۳۸	اسیرِ یاس - ناامیدی کا قیدی - مایوس +
	شد آمد - اصل آمد و شد حاصل مصدر - آمد و رفت +
۳۸	محن - جمع محنت کی بمعنی تکلیفیں +
	مظالم - جمع مظلمہ بمعنی ظلم - سختیاں +
	صرفِ بیاں ہونا - کسی چیز کے بیان کرنے میں مصروف ہونا +
	راج دلارا - شہزادہ +
	لہو سفید ہونا - محبت نہ رہنا - سرد مہری - ظفر سرخرو ہوں اے ظفر یکساں عزیزاں سے بمروت ہے زمانہ ہو گئے لوہو (لہو) سفید
	حیاتِ ابد - ہمیشہ کی زندگی +
۳۹	جال پھیلانا - (محاورہ) مکر و فریب کا ڈھنگ ڈالنا +
	ریاضت - محنت مشقت +
	جوگ لینا - جوگی بننا - فقیر ہونا - تارک الدنیا ہونا +
	نخلِ تمنا - خواہش کا پودا +
	منجدھار - درمیانی دھار - دریا کا بیچ - جہاں پانی کا بہت زور ہوتا ہے +
۴۰	بحل کرنا - معاف کرنا +

صفحہ	الفاظ و معانی
۴۰	فریادِ دردخیز - درد پیدا کرنے والی فریاد +
	خستہ جان - دکھیا +
	اشک ریز - آنسو گرانے والی - اسم فاعل سماعی - اسم اور امر کی ترکیب سے +
	وفور - زیادتی - کثرت +
	شاق - سخت تکلیف دہ +
	جعل - جعلسازی، مکر و فریب +
۴۱	انتشار - پریشانی +
	نیرنگِ روزگار - زمانے کا طلسم - حیرت میں ڈالنے والا حادثہ +
	ماتم کدہ - اسم ظرف - ماتم کی جگہ +
	سوگوار - ماتم کرنے والا - ماتمی +
	کڑی اُٹھانا - سختی جھیلنا +
	سوزِ دروں - دل کی جلن - دل کا دکھ +
	دردِ ہجر - جدائی کی تکلیف +
۴۲	نوحہ و ماتم - رونا پیٹنا +
	امرِ رضا - خدا کی مرضی - مشیّتِ

صفحہ	الفاظ و معانی
	ایزدی +
	مفر - فرار سے، اسم ظرف - بھاگنے کی جگہ گریز +
	ریاض کرنا - محنت کرنا +
	رائگاں - ضائع +
۴۳	دستِ یاس ملنا - نا اُمید ہونا +
	چمن آرائے روزگار - زمانے کا چمن آراستہ کرنے والا خدا تعالے +
	موجِ سموم - لُو کی لہر - یعنی جھونکا - سموم وہ ہوا جو دوپہر کو چلتی ہے +
	کارساز - کام بنانے والا - اسم فاعل معنی خدا تعالے +
۴۴	زہے نصیب - خوش قسمتی +
	فرشتہ صفت - فرشتہ سیرت - نیک خصلت +
	خیرباد کہنا - کسی چیز کو چھوڑ دینا +
	ناخنِ فکر - اضافتِ استعارہ یعنی فکر جو ناخنوں کی طرح مشکل

صفحہ	الفاظ و معانی
۴۴	کام کی گرہ کو کھولتی ہے +
	گتھیاں سلجھانا - مشکلات کو حل کرنا +
	مبذول - مصروف +
	سایۂ عاطفت - مہربانی کا سایہ +
	انسٹی ٹیوٹ - انگریزی لفظ - مدرسہ - مکتب +
	محققین - جمع محقق کی +
	امتحاناً - آزمائش کے طور پر - بطور امتحان +
	جودت - نیکی - خوبی - ذہانت +
	زُود فہمی - مطلب کو جلد سمجھ جانا - ی مصدری - زُود فہم - اسم فاعل +
	ذکاوت - طبیعت کا تیز ہونا - ذہانت +
	حاضر جوابی - کسی بات کا فوراً جواب دینا +
	حرف بحرف - تمام سب +
۴۵	ہمہ دانی - سب کچھ جاننا - تمام علوم و فنون میں دسترس ہونا
	شُہرہ - شہرت +

صفحہ	الفاظ و معانی
۴۶	صرفہ - خرچ ہونا +
	آرزو کا خون ہونا - آرزو کا مٹنا - پورا نہ ہونا - خواہش پوری نہ ہونا +
	صریحی - صاف صاف - ظاہر طور پر - کھلی ہوئی بات +
	عشق کے درجے تک - بہت محبت اور شوق +
	طبّاعی - تیز طبیعت ہونا - عالی طبعی +
۴۷	منزلت افزائی - قدر افزائی - کسی کی قدر بڑھانا +
	عہدۂ جلیلہ - بڑا مرتبہ - جلیل صفت مشبّہ کے بعد ہ تانیث کی ہے -
	بانی مبانی - بنیاد ڈالنے والا کسی کام کو شروع کرنے والا +
	سائنٹیفک سوسائٹی - انجمن علوم طبعی +
	ایسوسی ایشن - انجمن - سبھا +
	جمنیزیم - ورزش گاہ - وہ بڑا کمرہ جہاں تمام ورزش کے

صفحہ	الفاظ و معانی
	سامان ہوتے ہیں +
۴۸	سوشل - تمدنی - وہ باتیں جو تمدن سے تعلق رکھتی ہوں +
	ایڈیٹوریل - کسی اخبار کے ایڈیٹر کا اپنا مضمون +
۴۹	مسائل - جمع مسئلہ کی - سوالات اُمور +
	اکتفا کرنا - کافی سمجھنا +
۵۰	مشاغل - جمع مشغلہ - کام دھندے +
	علیٰ قدر حیثیت - حیثیت کے مطابق +
	حبّہ - دانہ - رتی - یا جو بھر وزن مجازی معنی نہایت کم قیمت سکّہ مثلاً کوڑی - دمڑی وغیرہ +
۵۱	مدارالمہام - وہ شخص جس پر سلطنت کے کاروبار کا دارومدار ہو - وزیر اعظم +
	درپئے آزار ہونا - کسی کو ستانا -
	سیاہ و سفید - مجازاً نیک و بد
۵۲	کارپوریشن - انجمن +
	ایڈیشنل - زائد - فالتو +

صفحہ	الفاظ و معانی
۵۲	ووٹ - رائے جو انتخاب کے وقت دیتے ہیں +
	دقیقہ اُٹھا نہ رکھنا - کوئی کسر نہ چھوڑنی - بہت کوشش کرنی +
۵۳	عبور ہونا - واقف ہونا - باخبر ہونا +
	موجزن - لہر مارنے والا +
	قیام پذیر - اسم فاعل - قیام قبول کرنے والا - قیام کرنے والا - مقیم +
۵۴	خصائل ستودہ - قابل تعریف خصلتیں +
	قلق - رنج +
	ساعی - اسم فاعل - سعی کرنے والا - کوشش کرنے والا +
	مطلع تاباں - مطلع - طلوع کرنے کی جگہ - آسمان کو کہتے ہیں - تاباں چمکدار، منور آسمان +
	بقعۂ نور - نور کی جگہ - بہت روشن مقام +
	مستانہ - مستوں کی طرح +

صفحہ	الفاظ و معانی
۵۵	**جانانہ** - معشوق کی طرح - جاناں یعنی معشوق - ہ زائد ہے +
	جلوۂ طور - کوہِ طور پر جو روشنی خدا کی تجلّی کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دکھائی دی تھی +
	مِضراب - بجانے کا آلہ جس چیز سے ساز بجاتے ہیں +
	رباب - سارنگی - ایک ساز کا نام +
	شمشاد و چنار - درختوں کے نام ہیں +
	سرو و سمن - یہ بھی درختوں کے نام ہیں - سرو وہ درخت جو سیدھا چلا جاتا ہے - اس سے سیدھے قد کو تشبیہ دیا کرتے ہیں - سمن یعنی چنبیلی +
	طنبور - ساز کا نام - طنبورہ +
	عرفان - معرفت +
	وجد - حالتِ ذوق و شوق +
	سماعِ طیور - پرندوں کا گانا +
	بساط - بچھونا +
	سنجاب و سمور - دونوں جانوروں
۵۵	کے نام ہیں - ان کی پوستین کو بھی جو بہت نرم اور خوبصورت چمکدار ہوتی ہے - انہیں ناموں سے پکارتے ہیں +
	جبل - پہاڑ +
۵۶	**بیراگی** - تارک الدنیا - فقیر یا سادھو جو جنگل یا پہاڑ میں ڈیرا لگائے اور کسی سے نہ ملے +
	جُٹ - بالوں کی لمبی لمبی لٹیں جو سادھوؤں کے سر پر ہوتی ہیں +
	انگ - جسم +
	بھبوت - راکھ +
	بھبوت رمانا - راکھ جسم پر ملنا +
	پیراہن - لباس +
	آنکھیں چار ہونا - کسی سے ملنا +
	بن باسی - جنگل میں رہنے والا +
	پنکھ پکھیرو - پرندے - جانور +
	ساجن - دوست +

صفحہ	الفاظ و معانی
٥٦	جوت جگانا - روشنی کرنا +
	سنسار - دُنیا - جہان +
	آنکھ لڑنا - محبت اور دوستی پیدا ہونا - عاشق ہونا +
	پریتم - محبوب - پیارا دوست +
	عتاب - غصّہ - جھڑکی +
	سیلانی - سیر کرنے والا +
	چتون پر میل لانا - چین بجبیں ہونا - تیوری چڑھانا - چہرے سے خفگی ظاہر ہونا +
	پربت - پہاڑ +
	وجہ اللہ - وجہ بمعنی چہرہ مجازاً جلوۂ الٰہی +
	ساگر - سمندر +
	ہر - خدا +
	پریم - محبّت
	موہن - پیارا - موہ لینے والا +
	دُھونی رمانا - سادھوؤں کا آگ سُلگا کر کہیں بیٹھنا +
	چکنی چُپڑی باتیں - دلفریب باتیں - خوشامد کی باتیں +
	جتن - تجویز - تدبیر +

صفحہ	الفاظ و معانی
٥٧	کثرت ہمہ از اوست - یعنی یہ اعتقاد کہ سب چیزیں خدا کی بنائی ہوئی ہیں - اور اُن میں خدا کا جلوہ ہے +
	وحدت - ہمہ اوست یعنی سب چیزیں خدا ہیں +
	دوار - دروازہ +
	پرجا - رعیت +
	اکاش کا منڈل - آسمان کی چھت +
	سہانی - خوبصورت +
	سبھا - مجلس +
	سندیس - پیغام +
	روپ انوپ - عجیب خوبصورتی +
٥٨	بھگوان - خدا +
	ماٹی - مٹی +
	رام کہانی - لمبا قصّہ اس لیے کہ رام چندر جی کا قصہ بہت لمبا ہے +
٥٩	درانہ - دلیری سے +
	لغت تراشی - زبان میں

صفحہ	الفاظ و معانی	صفحہ	الفاظ و معانی
۵۹	نئے نئے الفاظ کا استعمال مختلف معنوں میں +		زمین - وہ زمین جہاں اکثر سیلاب رہے +
	متانت - سنجیدگی +		ریاضت - محنت +
	سلاست - کلام کا آسان ہونا	۶۲	جہلا - جمع جاہل کی +
	قلعۂ معلیٰ - بلند قلعہ - بادشاہی قلعہ +		کشمیرزا - کشمیر میں پیدا ہوا ہوا - کشمیری +
	معاملہ بندی - کسی واقعہ کو اس کے اصل رنگ میں ظاہر کرنا +	۶۳	حرف گیری - نکتہ چینی - عیب نکالنا +
	ثقات - جمع ثقہ کی - معنی معتبر لوگ +		لفاظی - تحریر یا تقریر میں بڑے بڑے لفظ استعمال کرنا +
	شہدے - بے نام و ننگ لوگ - لچے - بدمعاش +		سجع بندی - کلام موزوں - مقفیٰ لکھنا - دو جملوں کے بغیر دو لفظوں کی موافقت +
	پھکڑ - بیہودہ گفتگو +		قافیہ پیمائی - مضمون شعر کی عمدگی کا لحاظ نہ کر کے تک جوڑ دینا - اشعار کی گنتی پوری کرنے کے لئے قافیہ جوڑ دینا - تک بندی +
	رمزیں - اشارے +		
	بجار - سانڈ - موٹا تازہ بیل +		
	ڈکرانا - سانڈ کا زور سے بولنا +		
۶۱	خشونت - سختی +		خود رائی - خودسری - سرکشی اپنی ہی رائے پر چلنا +
	بانگر - خشک علاقہ - جہاں پانی بہت کم ہو +		مترادف - ہم معنی لفظ مثلاً
	کھادر - بانگر کی ضد نشیب	۶۴	آرام اور آسائش +

صفحہ	الفاظ و معانی
۶۴	مجذوب کی بڑ - مجنونانہ بکواس بے معنی باتیں۔ بے سروپا باتیں +
۶۵	غیر مانوس الفاظ - وہ الفاظ جن سے عام لوگ واقف نہ ہوں +
	سہل الخروج لفظ - وہ لفظ جس کا تلفظ آسانی سے ادا ہو سکے +
۶۶	پالی - ایک قدیمی زبان کا نام جو ہندوستان میں بولی جاتی تھی +
	پراکرت - ایک قسم کی بھاشا جو سنسکرت سے بگڑ کر بنی ہے۔ گنواری زبان +
	ژند و پاژند - آتش پرستوں کی مذہبی کتابوں کے نام ہیں +
۶۷	دری - فارسی کی ایک قسم ہے - جو پہاڑی دروں میں بولی جاتی تھی +
	عبرانی - اہلِ کنعان کی زبان جس میں توریت ہے +
۶۸	چیق - ہاتھی کی آواز +
۶۹	ڈھپلی - ڈفلی جو ریچھ یا بندر نچانے والوں کے پاس ہوتی
	ہے ڈگڈگی +
	نگاہوں میں کھبنا - نظروں میں جچنا - لوگوں کی نظروں میں سمانا +
	کہروا - کہاروں کا ناچ +
۷۰	رجھانا - خوش کرنا - لبھانا فریفتہ کرنا +
۷۱	الاؤ - آگ کا ڈھیر +
۷۲	مدتِ مدید - عرصۂ دراز - لمبی مدت +
۷۴	قرینِ قیاس - جو بات خیال میں آسکے - جس کو عقل تسلیم کرے +
۷۶	مرکوز - گڑا ہوا - محکم کیا ہوا +
۷۷	مخفی نہ رہے - معلوم رہے - واضح رہے +
۷۸	اصلاح یافتہ - درست شدہ
۷۹	کلوریٹ آف پوٹاش ایک قسم کا مصالحہ ہے +
۸۰	کیمیائی اجزا - وہ چیزیں جو اتحادِ کیمیائی سے کوئی نئی چیز پیدا کریں +

صفحہ	الفاظ و معانی
٨٠	غیر طمانیت بخش - جس سے تسلی نہ ہو +
٨١	ارتقا - ترقی کرنا - بڑھنا +
٨٢	سلفائیڈ آف انٹی منی - سُرمہ اور گندھک کا مرکب +
	انقلابِ عظیم - بڑی بھاری تبدیلی +
٨٣	فاسفورس - ہڈیوں میں ایک مادہ ہوتا ہے - جو ذرا سی حرارت سے جل اُٹھتا ہے +
	آتشزدگی - آگ لگ جانا +
	حوادث - حادثہ کی جمع - واقعات
٨٤	سیفٹی - محفوظ +
	نافذ ہونا - جاری ہونا - اجرا +
٨٦	مآلِ حُسن - حسن کا انجام +
	قبائے زر - سنہری قبا +
	غضب ہے - تعجب کی بات ہے +
	ولادتِ مہر - سورج کا طلوع کرنا +
	سکون - ایک ہی حالت میں رہنا +
	تغیّر - بدلنا - انقلاب +
	ثبات - قائم ہونا +
٨٧	مختارِ عام - وہ شخص جو کسی کی طرف سے اس کے عام کاروبار کا منتظم ہو - ایجنٹ گماشتہ +
	آقا پرست - مالک کا فرمانبردار
	متدیّن - دین دار - پابند مذہب - نیکو کار آدمی +
٨٨	وفاکیش - اسم فاعل معنے وفادار +
	سیر چشمی - دریا دلی - فراخ حوصلگی - کھلے دل سے +
	مصارف - جمع مصرف کی - اخراجات +
	مرگِ بے ہنگام - بے وقت موت +
	مراسم - جمع رسم کی - رسومات +
	سوامی - آقا - شوہر - خاوند +
	ڈونگا - کشتی +
	بشواس - بھروسہ - یقین +
٨٩	تقدیر پھوٹ جانا - قسمت بُری ہو جانا +

صفحہ	الفاظ و معانی
۸۹	مرحوم - اسم مفعول - رحمت کیا گیا - مُردے کے لئے بولتے ہیں +
	رُؤسا - جمع رئیس کی - امیر لوگ +
	روز افزوں وقار - دن بدن بڑھنے والی عزت +
۹۰	روحانی طاقت - یہاں طاقت ایمان داری +
	فارغ البالی - آسودہ حال ہونا - خوش حالی +
	خیانت - چوری - بددیانتی (خیانت دیانت کی ضد ہے) +
	جانبر ہونا - بچ جانا +
	ماخوذ ہونا - گرفتار ہونا۔ پھنسنا۔
۹۱	مژدۂ جانفزا - رُوح کو خوش کرنے والی خوش خبری +
	اسامی - جمع اسم - یہاں مراد مزارع - کاشتکار رعایا +
	اکھوے نکل آئے - آنکھیں کھل گئیں +
۹۲	جذبات - خیالات - جذبہ کی جمع +
	پیشقدمی - پہل +
	مسلح بیٹھنا - تیار بیٹھنا +
	تیر و تفنگ - مراد لڑائی مقابلہ - مقدمہ بازی +
	محترز - اسم فاعل - احتراز کرنے والا - بچنے والا - پرہیز کرنے والا +
	جوت میں ہے - زیر کاشت ہے
۹۳	تحصیل - وصولی - آمدنی +
	مبارزانہ پیش قدمی - مقابلے کی پہل +
۹۴	روکڑ - وہ روزنامچہ جس میں ساہوکار روزانہ آمدنی اور خرچ کا اندراج کرتے ہیں - ایک بہی کا نام ہے +
	آڑ - پردہ - وہ چیز جس کے پیچھے چھپ سکیں +
	ترمیم کرنا - بدلنا - کمی بیشی کرنا +
	پیکار - لڑائی +
۹۶	خیل و حجت - انکار - تکرار +

صفحہ	الفاظ و معانی
۹۶	رُوداد - قصہ - سرگذشت +
	اِستغاثہ - نالش - دعوے +
۹۷	حیرت انگیز - حیرت میں ڈالنے والی بات +
	قانونی گرفت - قانونی اعتراض
۹۸	ناعاقبت اندیشی - کوتاہ اندیشی - انجام کو نہ سوچنا +
	شیطان کی خالہ - بڑی چالاک اور شریر عورت +
	کارپرداز - کارکن ملازم +
	بے نیاز - بے پرواہ +
	اتھاہ - جس کی تھاہ نہ ہو +
	سیندھ - نقب +
۹۹	چڑیل - مجازاً شریر عورت
۱۰۰	راج کرینگے - بادشاہی کرینگے مزے کریں گے +
	ترچھی نگاہ - غصّے کی نظر +
	روح فنا ہونا - بہت ڈرنا - سخت گھبراہٹ +
۱۰۲	رقیب - شریک - کسی چیز کے اگر دو چاہنے والے ہوں - تو وہ آپس میں رقیب کہلاتے ہیں +
	گھاگ - خرانٹ - چتر جہاندیدہ +
۱۰۳	صدائے احتجاج - اپنے حقوق نہ ملنے پر اُن کی تلافی کے لئے آواز بلند کرنا +
۱۰۴	متعفن - بدبودار - عفونت والی +
۱۰۵	پشتارہ - گٹھڑی +
	باڈیس - انگریزی انگیا +
	ہیرپن - بالوں میں لگانے کی سوئی +
	خودداری - اپنی عزت کا پاس ہونا +
	اسپرٹ - مادّہ - وصف +
	بھیگی بلّی - مسکین صورت
	مٹی کا لوندا - مٹی کا ڈلا +
۱۰۶	پھوہڑ - بے تمیز +
	موٹھ - موٹھ - ایک قسم کا غلّہ جس کی دال بھی پکاتے ہیں - اور گھوڑوں کو بطور دانے کے بھی دیا جاتا ہے +

صفحہ	الفاظ و معانی
١٠٦	جامہ سے باہر ہونا - بہت غصّہ میں آنا - آگ بھبوکا ہو جانا +
١٠٧	نارائن کا دیا - خداداد - خدا کا دیا ہُوا +
	کلنک کا ٹیکا - بدنامی کا دھبّہ
١٠٨	اجس - بدنامی +
	پسینہ کی کمائی - محنت کی کمائی +
	پوتھی کے بینگن - محاورہ ہے - بے اصل اور بے بنیاد باتیں +
	آنکھ میں دھول ڈالنا - دھوکا دینا +
	مسمّاۃ - مسمّٰی کی مؤنث عورت کے لئے بولتے ہیں - یہاں مراد بھان کنوّر سے ہے +
١٠٩	آگ میں ہاتھ نہ ڈالو - گناہ نہ کرو +
١١٠	ادھرم - بے ایمانی +
	کانٹے بونا - بُرا کرنا +
	بدحواس - گھبرایا ہُوا +
	معاً - فوراً +
	اوجھا - نجومی - جوتشی +
١١١	سانحہ - واقعہ +
	بلند بانگ بیرسٹر - پُرزور تقریر کرنے والا بیرسٹر +
	کامل اعتماد - پُورا بھروسہ - بہت اعتبار +
١١٢	مدعا علیہ - جس پر دعوےٰ کیا جائے +
	صرفِ کثیر کا متحمل ہونا - بہت خرچ کرنا +
	خباثت - پلیدی - ناپاکی - بدذاتی +
	سنگریزے - پتھّر کے ٹکڑے - کنکرے +
١١٣	رذالت - کمینہ پن کمینگی - نالائقی +
	سماعی - سُنی ہوئی - سُنا ہُوا جو سُننے پر موقوف ہو - جو سُننے سے تعلق رکھتا ہو +
	تضحیک - ہنسی - ٹھٹّھا مضحکہ +
١١٤	حبّہ - کوڑی - دانہ - گونی - رتّی +

صفحہ	الفاظ و معانی
	نیّت فاسد ہوئی - نیّت بگڑی - نیت میں فرق آیا +
۱۱۵	صِنف - قِسم
	خاصتہً - خاص کر - خصوصاً
	متعدّد - چند - کئی +
۱۱۶	استغاثہ - فریاد کرنا - فریاد خواہی +
	بے لوث - پاک - بے عیب - لوث بمعنی آلودگی - عیب +
۱۱۷	ساکھ - اعتبار +
	ریاکار - دھوکہ باز - فریبی - ریا کرنے والا - بمعنی دکھلاوا اسم فاعل +
۱۱۸	بھوجی پر گھڑوں پانی پڑ گیا - بھوجی بہت شرمندہ ہوئیں +
	طعن تشنیع - لعنت ملامت +
۱۱۹	بکھان کر رہی تھی - ذکر کر رہی تھی +
	احترام - عزّت کرنا - حُرمت کرنا +
	رُسوائی - بےعزّتی - بدنامی +

صفحہ	الفاظ و معانی
	تازیانہ - کوڑا - چابک +
۱۲۰	نفاق - دُشمنی +
۱۲۱	متفنّنی - اسم فاعل - فن فریب کرنے والا - دھوکہ باز +
	منقطع - کاٹا ہُوا - زائد اطراف کاٹی ہوئیں +
	نوعیت میں فرد تھا - اپنی قسم یا طرز کا ایک ہی تھا +
	سنّاٹا چھا گیا - خاموشی طاری ہو گئی - چپ چاپ ہو گئے +
	مصارف - جمع مصرف کی - بمعنے خرچ +
۱۲۳	ساحِر - اسم فاعل - سحر (جادو) کا جادوگر +
	اِستفسار - دریافت کرنا پُوچھنا
۱۲۴	عالمِ بالا - اُوپر کا جہان مراد فرشتوں کا عالم +
۱۲۵	مکین - مکان میں رہنے والا صاحب مکان - اسم فاعل +
	اندوہگیں - اسم فاعل - غمگین - غمناک +
	قلب - دل +

صفحہ	الفاظ و معانی
۱۲۵	مجروح - زخمی +
	سُقم - عیب - بُرائی +
۱۲۶	اشتہا - بھوک +
	اصلا - بالکل - ہرگز - کلمۂ تاکید ہے +
	نِعَم - جمع نعمت کی +
	تملّق - خوشامد - چاپلوسی +
	ذم - برائی - مذمت +
	اوک - دونو ہاتھ ملے ہوئے - پنجابی بُک +
	نوم - (عربی) نیند +
۱۲۷	ذی ہمم - ہمم جمع ہمّت کی - صاحب ہمت لوگ +
	اعیان - جمع عین - بمعنی آنکھ - مراد امیر وزیر +
	فرشِ سندس - سُندس - نہایت باریک اور لطیف ریشم - مراد ریشمی فرش +
۱۲۸	غیبت - چغلی +
	شِیَم - جمع شیمہ کی - عادتیں - خصلتیں +
	تاجِ ہُدا - ہدایت کا تاج +

صفحہ	الفاظ و معانی
۱۲۸	سِدرۃ المنتہیٰ - ساتویں آسمان پر بہت بلند بیری کا درخت ہے - حضرت جبرئیل کا وہی مقام ہے +
	گنجِ عرفان - معرفت کا خزانہ +
	ادراک - عقل - سمجھ +
	اللّٰہ بس اور باقی ہوس - صرف خدا ہی ہے - اور باقی سب حرص اور خواہشیں ہیں +
	نزع - جان کنی - جان نکلنا +
۱۲۹	جان کنی - جان نکلنا +
	کبر و منی - غرور اور تکبر +
	طبل - ڈھول +
	علم - جھنڈا +
	قالب - جسم +
۱۳۱	نمودار ہوا - دکھائی دیا - ظاہر ہوا +
	سیارات - جمع سیارہ وہ ستارے - جو اپنی جگہ بدلتے رہتے ہیں +
	ثوابت - جمع ثابت کی +

صفحہ	الفاظ و معانی
۱۳۱	ساکن - ٹھہرے ہوئے مراد وہ ستارے جو اپنی جگہ پر قائم ہیں +
	سمت الرّاس - سیدھا سر پر +
	اجرامِ فلکی - سورج - چاند ستارے وغیرہ اجرام فلکی کہلاتے ہیں +
۱۳۲	بتدریج - درجہ - بدرجہ درجہ وار +
	مقیش - سونے یا چاندی کے چپٹے تار +
۱۳۳	متجسّسانہ - تجسس کے طور پر تلاش کرنے کے طور پر +
	سبحان اللہ - خدا پاک ہے یعنی تمام عیبوں اور نقصوں سے مبرّا ہے - یہ کلمہ تعجب کے مقام پر بولا جاتا ہے - اور تحسین کے لئے بھی +
	خمیدہ پشت - کبڑی پیٹھ والا - کبڑا +
۱۳۴	بدیہی - ظاہر - واضح وہ بات جو مسلّم الثبوت ہو +

صفحہ	الفاظ و معانی
	اوج گزا - مرکب اوج بمعنی بلندی بلندی پر قائم +
	کہکشاں - ستاروں کی سڑک جو آسمان پر رات کو دکھائی دیتی ہے +
	موضوع - اسم مفعول - وضع کیا ہوا - مقرر کیا گیا وہ شے جس کا ذکر کسی علم میں ہو +
	انحطاط - اترنا کسی چیز کا کمی کی طرف - راجع ہونا - اتر جانا نرخ کا +
۱۳۵	انکسار - عاجزی - حلیمی - فروتنی
۱۳۶	ہم جلیس - ہم نشیں - اکٹھے بیٹھنے والے +
۱۳۸	انقلاب - تبدیلی - گردش اُلٹ پلٹ +
۱۳۹	متواضع - اسم فاعل - عاجزی کرنے والا - ذلت اختیار کرنے والا +
	زمرّدین - زمرّد ایک سبز رنگ کا قیمتی پتھر ہوتا ہے - زمرّدین بمعنی زمرد جیسا +

صفحہ	الفاظ و معانی
۱۴۰	زمزمہ سنج حمد و ثنا - خدا کی تعریف کا گیت گانا +
	صانع مطلق - صانع حقیقی مراد خدا تعالےٰ سے +
۱۴۱	خنکیوں - جمع خنکی کی - سردیوں +
	صبح بنارس - بنارس کی صبح - کیونکہ بنارس کے لوگ صبح کے وقت دریائے گنگا پر آکر نہاتے ہیں اور کشتیوں پر سوار ہو کر سیر کرتے ہیں - جو بہت عمدہ نظارہ ہے - اور دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے +
۱۴۴	بسورنا - رونے والی شکل بنانا +
۱۴۷	مفصل - تفصیل کے ساتھ پورا پورا کھول کے +
	دانست - خیال - جاننا - حاصل مصدر +
۱۴۸	معتبر - اعتبار والا +
	بیتاب - مرکب بے اور تاب سے - بیقرار +
۱۴۹	مشتبہ - اسم فاعل - شبہ والی +
	مضائقہ - پروا - ڈر +
۱۵۱	نظر غائر - گہری نظر +
	راز دار - مرکب راز بمعنی بھید اسم - دار فعل امر بمعنی رکھ اسم و امر مل کر اسم فاعل بمعنی بھید رکھنے والا +
۱۵۴	خدا حافظ - خدا کے سپرد کیا - خدا تمہاری حفاظت کرے - اللہ بیلی +
	سراغ رساں - سُراغ معلوم کرنے والا - اسم فاعل +
۱۵۶	گبر - آتش پرست +
	خلیلِ حق - حضرت ابراہیم کا لقب ہے - خلیل کے معنے دوست کے ہیں - یعنی خدا کا دوست +
۱۵۷	مستعد - تیار +
	بُغض - دُشمنی +
	عداوت - دُشمنی +
۱۵۸	پرخاش - لڑائی جھگڑا +
	اجر - بدلا - نیکی کا بدلا - عوض +

صفحہ	الفاظ و معانی	صفحہ	الفاظ و معانی
۱۵۹	ظفر - فتح +		معراج - اسم آلہ - آلۂ عروج - سیڑھی - اُوپر چڑھنے کی چیز - ترقی +
	افراد - جمع فرد کی - بمعنی تنہا - یگانہ - جمع کے معنی لوگ +		معیار - کسوٹی - پرکھنے کا آلہ
	فروغ - ترقی - روشنی +		اہمیت - مصدر - اہم ہونا ضرورت +
	مبنی - بنیاد رکھی گئی +		وابستہ ہیں - تعلق رکھتے ہیں - لگے ہوئے ہیں +
	جزوِ قلیل - مرکب - جزو بمعنی حصّہ - قلیل بمعنی تھوڑا - یعنی تھوڑا حصّہ - بہت تھوڑا حصّہ +		احساس - محسوس کرنا +
	جُزوِ اعظم - مرکب جُزو بمعنی حصّہ - اعظم بمعنی بڑا - یعنی زیادہ حصّہ یا بہت بڑا حصّہ +		اطوار - جمع طور کی بمعنی طریقے +
			سدِّ راہ - راستے کی روک - راستے کی رُکاوٹ -
۱۶۰	کھپت ہے - خرچ ہوتا ہے - نکلتا ہے - بکتا ہے +		مستفید - اسم فاعل - فائدہ اُٹھانے والا - فائدہ حاصل کرنے والا +
	جرمن ساخت - جرمنی کی بنی ہوئی +		
	دستبرد - مرکب دست اسم بمعنی ہاتھ - بُرد ماضی مطلق - مرکب کے معنی لوٹ - غلبہ +	۱۶۳	سبق لینا - نصیحت پکڑنا - نصیحت حاصل کرنا +
			رفاقت - دوستی - ساتھ ہمراہی +
۱۶۱	تیغ - تلوار +		
	سنان - بھالا - تیر کی نوک +	۱۶۶	جمیع - سب +
			مقناطیس - چمک پتھر -

صفحہ	الفاظ و معانی
۱۶۶	لوہے کو اپنی طرف کھینچنے والا +
	روّیہ - طریقہ +
۱۶۷	قابض - اسم فاعل - قبضہ کرنے والا +
	ہل من مزید - کچھ اور بھی ہے - یہ جملہ استفہامیہ ہے - قرآن مجید میں دوزخ کی طرف سے ہے - یعنی جب گنہگار اس میں پڑ چکیں گے - تو وہ پکاریگا کچھ اور بھی ہے لاؤ - میرا پیٹ نہیں بھرا - محاورہ کے طور پر ایسی جگہ بولتے ہیں - جہاں کسی کی طبیعت سیر نہ ہو اور وہ اور مانگے +
	معتدبہ - شمار میں آیا ہوا - معتبر - قابلِ اعتبار +
۱۶۸	موازنہ کرنا - مادہ وزن بمعنی تولنا - مقابلہ کرنا - اندازہ کرنا +
	اعتراف - اقرار +
	ایثار - قربانی - دوسرے کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر ترجیح دینا +
	تہیّہ - تیاری +
۱۶۹	حتی المقدور - مقدور بمعنی قدر - طاقت - یعنی اپنی طاقت کے مطابق - مقدور بھر +
	موہوم - وہمی - وہم کیا گیا +
	صعوبتیں - جمع صعوبت کی - بمعنی تکلیف - تکلیفیں - مصیبتیں +
	ذِلتیں - جمع ذلت کی - بمعنی بے عزتی - خواری - بے عزتیاں خواریاں +
۱۷۰	مصداق - مطابق - اسم آلہ صدق (سچائی) یعنی صادق آنے کا آلہ - جس پر کوئی معنے لگ سکیں +
	ملحوظ - اسم مفعول - لحاظ کیا گیا +
	مآلِ کار - کام کا انجام - کام کا نتیجہ +
۱۷۲	حصص - جمع حصہ کی - حصّوں +
	خوانِ یغما - لوٹ کا دسترخوان +
۱۷۳	عارض - رخسارہ (پنجابی گال)

صفحہ	الفاظ و معانی
١٧٤	سموم جانگداز - سموم بمعنی گرم لُو - جانگداز - اسم فاعل - جان کو پگھلانے والا - یعنی جان کو پگھلانے والی زہریلی ہَوا +
	غزال - ہرن - ہرن کا بچّہ +
	پیلان دماں - پیلاں جمع پیل کی بمعنی ہاتھی - دماں بمعنی مست - مرکب توصیفی - مست ہاتھی +
١٧٥	آغوش - گود - بغل +
	نیستاں - مرکب نَے اور ستان سے - سرکنڈے کی جگہ - یعنی وہ جگہ جس میں سرکنڈے ہوں - پنجابی بیلا - جھل - اسم ظرف +
	مناظر - جمع منظر - نظارے +
	سکوت - چُپ رہنا - خاموشی +
	ذوقِ سماع - مرکب ذوق بمعنی شوق و سماع بمعنی راگ یعنی راگ کا شوق +
	مہوشوں - جمع مہوش کی -

صفحہ	الفاظ و معانی
	مرکب ہے - بمعنی چاند وش کلمۂ تشبیہ یعنی چاند جیسا - مُراد خوبصورت +
١٧٦	مؤثر - اثر کرنے والا - اسم فاعل +
	پیرایہ - طریقہ - ڈھنگ +
	مسخ - ایک صورت سے دوسری صورت بدلنا - مگر دوسری صورت اوّل سے بدتر ہو - بگاڑنا - خراب کرنا +
	قسی القلب - سنگدل - سخت دل والا +
	اسپیچ - (انگریزی) بمعنی تقریر +
	تخلیہ - خلوت - تنہائی +
	قلمبند - مرکب قلم اور بند سے یعنی قلم سے بندھا ہُوا - مراد لکھا ہُوا +
١٨٠	احباب - جمع حبیب کی - بمعنے دوست +
	نحیف - کمزور - دُبلا - پتلا +
	دوبھر - مشکل +
	نفرین - لعنت ملامت +

صفحہ	الفاظ و معانی
۱۸۱	حمّ غفیر - بڑی بھیڑ بھاڑ +
	شناسائی - جان پہچان +
	خلقت - سرشت - عادت +
۱۸۲	واللہ - و حرف قسم - قسم ہے خدا کی - خدا کی قسم +
	مصافحہ - ہاتھ ملانا +
	پالیٹیکس - (انگریزی) ملکی معاملات - سیاسی امور +
	لٹریچر - (انگریزی) زبان دانی - علم ادب +
	معذرت - معافی - عُذر خواہی +
	مذمّت - مادہ ذم - بُرائی +
۱۸۵	لٹریری - (انگریزی) علم ادب کا - ادبی +
	تعارُف - جان پہچان - واقفیت +
	اِصرار - ضد - بار بار کہنا +
	شغب - شور +
	نیچرل - انگریزی لفظ - قدرتی +
۱۸۶	سینری - انگریزی لفظ - نظّارہ
۱۸۷	میزبان - وہ آدمی جس کے ہاں کوئی مہمان ہو +
	عنقا - ایک فرضی جانور کا نام
	کامدار - مرکب کام اور دار ہے - ایسا کپڑا جس پر بہت سا کام کیا ہوا ہو +
	گناہِ کبیرہ - بڑا گناہ - ہ تانیث کی ہے +
	استعمالی - استعمال شدہ مستعمل +
۱۸۸	مافیہا - ما (جو کچھ) فی (میں) ہا (ضمیر مؤنث اُس) جو کچھ اس میں ہے +
	موسیقی - راگ - گانا +
	نکہت - خوشبو +
۱۸۹	تُرک - ترکستان کا باشندہ مجازاً معنی معشوق +
	خبریا - خبر (پوربی زبان)
	محظوظ - خوش +
	طاری ہوگئی - چھاگئی +
	گنجینہ - خزانہ +

صفحہ	الفاظ و معانی
۱۸۹	دقیق - مشکل - باریک + تشبیہ - کسی خاص وصف میں ایک چیز کو دوسری چیز جیسا کہنا - مثلاً ایک انسان کو بہادری میں شیر جیسا کہنا +
۱۹۰	لاحول ولاقوۃ - لا (نہیں) حول (باز رہنا یعنی گناہوں سے) لا (نہیں) قوت (طاقت یعنی نیکی کرنے کی) اِلّا (مگر) باللہ (اللہ سے یعنی اللہ کی مدد سے) مطلب یہ ہے کہ انسان خدا کی توفیق کے بغیر نہ گناہوں سے باز آ سکتا ہے - اور نہ نیکی کر سکتا ہے - یہ کلمات کسی چیز سے نفرت ظاہر کرنے یا کوئی بری بات سن کر افسوس کرنے کے وقت بولے جاتے ہیں + یکسو ہوکر - ایک طرف دل لگا کر توجہ سے +
۱۹۲	تفتیش - تلاش کرنا -

صفحہ	الفاظ و معانی
	کھوج لگانا - دریافت کرنا + دشنک - کھٹکھٹانا + کاوش - تلاش کرنا - کھوج لگانا - دریافت کرنا + لاینحل - حل نہ ہونے والا + آمنّا و صدّقنا - ہم ایمان لائے - اور ہم نے سچ جانا - ہم نے مان لیا ہمارا اتفاق ہے + بے ربط - بے جوڑ + خیر مقدم - استقبال پیشوائی + حاذق - لائق - یہ لفظ طبیب کی صفت میں استعمال ہوتا ہے + مجرّب - اسم مفعول - تجربہ کیا گیا - آزمایا ہوا + پرستار - لونڈی - کنیز - غلام خدمتگار + حامی - مددگار - اسم فاعل ہے - حمایت کرنے والا +
۱۹۸	شہِ جم جاہ - جم مخفف

صفحہ	الفاظ و معانی
۱۹۸	جمشید - جاہ بمعنی مرتبہ - جمشید کے مرتبے والا بادشاہ یا وہ بادشاہ جس کا مرتبہ جمشید بادشاہ جیسا ہو +
	پرِ کاہ - گھاس کا پتّا - مراد حقیر اور ادنےٰ چیز +
	کلمبس - کولمبس نام ایک ہسپانیہ کے شخص کا - جس نے ۱۴۹۲ء میں امریکہ دریافت کیا +
	شاہد - گواہ - اسم فاعل - شہادت (گواہی) دینے والا +
	بوناپارٹ - فرانس کے شہنشاہ کا نام - نپولین بوناپارٹ +
	لاکھارٹ - جنرل سر ولیم لاکھارٹ - سابق سپہ سالار افواج ہند +
	نادر - مراد نادر شاہ درّانی +
۱۹۹	شبستاں - اسم ظرف - شب بمعنی رات - ستاں علامت ظرف - رات گزارنے کی جگہ - مراد محل +
	صلواتیں سنانا - محاورہ ہے - معنی گالیاں دینا - بُرا بھلا کہنا +
	تخریب - خراب کرنا - خرابی +
	رجز خوانیاں - جمع رجز خوانی - رجز اُن اشعار کو کہتے ہیں - جو اہلِ عرب لڑائی میں اپنے مخالف کے سامنے فخریہ پڑھا کرتے تھے - جن میں اپنے اور اپنے خاندان کے اوصاف بیان کئے جاتے تھے - مجازاً اپنی آپ تعریف کرنا - فخر کرنا +
	افسر - بمعنی تاج - مجازاً بڑا آدمی - جس کے کوئی شخص ماتحت ہو +
۲۰۰	خاتون - بی بی - بیگم +
	للّٰہ - خدا کے واسطے +
	ایلپس - یوروپ میں سب سے بڑا پہاڑ جو سوئٹزرلینڈ جرمنی اور فرانس میں پھیلا

صفحہ	الفاظ و معانی
۲۰۰	ہوا ہے +
	اعجاز - معجزہ +
	ظفر - فتح +
	وقعت - عزت +
	آفاق - دُنیا - جہان - جمع اُفق کی +
۲۰۱	لاف - شیخی - گپ +
	جہالت - مادہ جہل - بیوقوفی +
	حماقت - مادہ حمق - بیوقوفی +
۲۰۲	موعظہ حسنہ - مرکّب موعظہ بمعنی وعظ و نصیحت - حسنہ بمعنی نیک نصیحت +
	اقتضائے - خواہش کرنا - چاہنا +
۲۰۳	عُرفی - رسمی - ظاہری +
	امرِ اہم - مرکب - بمعنی ضروری کام +
	اُمورِ عظیمہ - اُمور جمع امر کی - بمعنی کام - عظیمہ بمعنی بڑے بڑے فعل بڑے بڑے کام +
	رجحان - میلان - جھکاؤ -

صفحہ	الفاظ و معانی
	رغبت +
	مستعجِل - اسم فاعل استعجال - بمعنی جلدی کرنا - جلدی کرنے والا +
	مِن حیث المعاشرت رہنے سہنے کے لحاظ سے معاشرت کی حیثیت سے +
	اُردو کا حالتِ طفلی میں ہونا - اُردو زبان کا لڑکپن کی حالت میں ہونا - مُراد اُردو زبان کا مکمّل نہ ہونا - ابتدائی حالت میں ہونا +
۲۰۵	متروک - اسم مفعول - مادہ ترک - بمعنی ترک کیا گیا +
	مہجور - اسم مفعول - مادہ ہجر بمعنی جدائی اختیار کیا ہُوا - الگ کیا ہُوا - چھوڑا ہُوا +
	ریختہ گو - مرکب ریختہ بمعنی اُردو زبان اور گو فعل امر اسم فاعل - اردو زبان میں شعر کہنے والا +

صفحہ — الفاظ و معانی

۲۰۵ **بھاکا** - بھاشا - ہندی +

ولی - شاہ ولی اللہ گجراتی کا تخلص بعض نے اُن کا نام ولی محمد لکھا ہے - عالمگیر کے اخیر زمانہ میں دہلی تشریف لائے - ۱۱۱۰ھ میں فوت ہو گئے +

یوماً فیوماً - روز بروز - دن بدن +

ناسخ - لکھنؤ کے مشہور شاعر کا تخلص - نام امام بخش اکثر مثالیہ اشعار کہا کرتے تھے - ۱۲۵۴ھ میں وفات پائی +

آتش - خواجہ حیدر علی نام خواجہ علی بخش کے صاحبزادے ۱۲۶۳ھ میں وفات پائی +

دبیر - مرزا سلامت علی نام لکھنؤ کے رہنے والے مرثیہ گو - ان کے ہمعصر میر انیس تھے +

انیس - میر ببر علی نام لکھنؤ کے رہنے والے - مرثیہ گوئی اور خاص کر اُردو زبان کے ٹکسالی محاورات لکھنے میں مشہور اور قابلِ تعریف ہیں +

باور - یقین +

مفتی صدر الدین خاں - دہلی کے رؤسا میں سے مشہور شاعر گذرے ہیں آزردہ تخلص تھا - شہر کے مفتی اور مجسٹریٹ تھے +

با ایں وقار - باوجود اس عزت کے - اس قدر عزت ہوتے ہوئے +

۲۰۶ **کلامُ الملک ملِکُ الکلام** - بادشاہ کا کلام کلام کا بادشاہ ہوتا ہے - یعنی بادشاہ کا کلام تمام کلاموں سے افضل ہوتا ہے +

ہمسری - برابری +

گنجینۂ علوم - علموں کا خزانہ +

فی الاصل - اصل میں +

کوڑیوں - بیسیوں +

صفحہ	الفاظ و معانی
۲۰۷	معدُوم - مادہ عدم - بمعنی گمُ یعنی گمُ شدہ +
	مفقود - گمُ شدہ - گم ہُوا ہُوا
	مقدّم - پہلے +
	بدُوں - سوائے +
	علمِ شے بہ از جہلِ شے کسی چیز کے حال سے واقف ہونا - اُس سے بے خبر رہنے کی نسبت بہتر ہے - کسی شے کا علم جہل کی نسبت بہتر ہے - نہ ہونے سے ہونا بہتر ہے +
	تضیعِ اوقات - تضیع معنی ضائع کرنا - گنوانا اوقات جمع وقت کی - یعنی وقت کا ضائع کرنا +
	ہمّت صرف کرو - ہمّت خرچ کرو - ہمّت لگاؤ +
	لہو ولعب - کھیل کُود +
۲۱۰	مبتدی - ابتدا کرنے والا - شروع کرنے والا - اسم فاعل +

صفحہ	الفاظ و معانی
۲۰۸	اِصلاح دہندہ - اسم فاعل - اصلاح دینے والا - درستی کرنے والا +
	جی کو لگی ہوتی ہے - دل میں شوق ہوتا ہے - دل میں محبّت ہوتی ہے +
	تعیّن - مقرر کرنا - خاص کرنا +
	اِفلاس - غریبی +
	بے وقری - بے عزّتی +
	عذاب - دُکھ +
	اگر پدر نتواند پسر تمام کند - اگر کسی کام کو باپ پُورا نہ کر سکے - تو بیٹا اس کام کو پُورا کرے +
	تعزّز - عزّت +
	مستحفظ - مادہ حفظ - یاد کیا گیا - حفظ کیا گیا +
	تخصیص - خاص کرنا - خصوصیت دینا +
۲۱۰	چرخِ خضری - نیلے رنگ کا آسمان +
۲۱۱	نعیم - نعمت - بہشت +

صفحہ	الفاظ و معانی
۲۱۱	شاہ - یہاں شاہ سے مراد حضرت امام حسینؑ ہیں۔ جو کربلا میں شہید ہوئے +
	شمر - یزید کی فوج کا ایک افسر جو امام حسین علیہ السلام کا قاتل ہے +
	شہِ انام - سے مراد حضرت امام حسینؑ ہیں +
	سردارِ انس و جن - انس بمعنی انسان - یعنی آدمیوں اور جنوں کا سردار +
	مُسن - سن رسیدہ - بڑی عمر کا - بوڑھا +
۲۱۲	پسرِ سعد - یزید کی فوج کا ایک افسر +
	شاق - ناگوار +
	ہدف - نشانہ +
	ناوک - تیر +
	ضیاء - روشنی +
۲۱۳	حرب - لڑائی +
	امیرِ عرب - حضرت علی علیہ السلام +
	شحنہ - کوتوال +
	خوش خصال - اچھی خصلتوں والا +
	فرس - گھوڑا +
	شب دیجور - اندھیری رات +
	لامع - چمکدار +
	ارزق شامی - یزید کی فوج کا ایک پہلوان +
۲۱۴	پئے مصاف - لڑائی کے لئے +
	یل - پہلوان +
	فرق - چوٹی - سر +
	مرکب - گھوڑا +
	لعین - لعنتی +
	سمند - گھوڑا +
	کور - اندھا +
	شقی - بدبخت - بدقسمت بدنصیب +
	قعر - گہرائی - گڑھا +
	جہنم - دوزخ +

صفحہ	الفاظ و معانی
۲۱۵	کھیار - کھیرا - ککڑی +
	نبرد - لڑائی +
۲۱۶	مختل - بدحواس +
	چتلے - رنگ برنگ +
	افعی - زہردار سانپ +
	مراد پہلوان +
	ڈانڈ - بانس - بلّی -
	پنجابی - ونجھ +
	ذوالفقار - حضرت علی علیہ السلام کی تلوار +
	تگاپو - دوڑ دھوپ مراد دوڑنا +
۲۱۷	کنوتیاں - کانوں کے اوپر کے سرے +
	جانبین - عربی میں صیغہ تثنیہ - دونو طرفین - فریقین +
	غازی - یہ لفظ غزا (دشمنانِ دین سے لڑنا) کا اسم فاعل ہے - جنگ کرنے والا - کفّار کو جنگ میں قتل کرنے والا +
۲۱۹	مغموم - غمگین - غم سے

صفحہ	الفاظ و معانی
	بھرا ہوا +
	واقعی - دراصل - درحقیقت +
	محتاج - حاجت مند ضرورت والا +
۲۲۰	غرق آب رہا - پانی میں ڈوبا رہا - یعنی پانی میں پڑا رہا +
	دکان بڑھانا - دکان بند کرنا +
	مخدوم - اسم مفعول - خدمت کیا گیا - آقا +
	نصیرالدین چراغ دہلی دہلی کے مشہور ولی اللہ +
۲۲۱	تبرّک - برکت لینا - وہ جس سے برکت لی جائے +
	فاقہ - بھوک +
	عیاشی - مادہ عیش عیش وعشرت میں پڑنا +
	کلال - شراب فروش - شراب بیچنے والا +
۳۰۳	چوبدار - مرکب چوب - اسم بمعنی لاٹھی - لکڑی - دار فعل امر رکھ - اسم فاعل

صفحہ	الفاظ و معانی
۲۲۳	لاٹھی رکھنے والا - مراد دربان نقیب +
	انبار - ڈھیر +
۲۲۴	بیلدار - اسم فاعل - اسم اور امر مل کر بیل یعنی بیلچہ کسّی جس سے زمین کھودتے ہیں - مراد زمین کھودنے والا یعنی مزدور +
	غدر کا فرد ہونا - غدر کا زمانہ گزر جانا - غدر دور ہو جانا - غدر ہٹ جانا - غدر نہ رہنا +
	کندہ - اسم مفعول - کھدا ہوا +
	جہاندار - اسم فاعل - مرکب جہان اور دار سے یعنی جہان رکھنے والا - مراد بادشاہ +
۲۲۵	خلف - بیٹا +
	ذی جاہ - صاحب مرتبہ - بڑے رتبے والا +
	آثار قدیمہ - پرانی نشانیاں پرانے زمانے کی عمارتیں

صفحہ	الفاظ و معانی
	وغیرہ +
	مقیم - قیام رکھنے والا +
	ساکن - رہنے والا - سکونت اختیار کرنے والا +
	عالم ظلمات - اندھیرے کا عالم - تاریکی کا سماں +
۲۲۸	جام جم - جام یعنی پیالہ جم مخفف جمشید کا - یعنی جمشید کا پیالہ - کہتے ہیں کہ ایران کے بادشاہ جمشید نے ایک پیالہ بنوایا تھا - جس سے وہ تمام دنیا کے حالات معلوم کیا کرتا تھا - اس لئے اُس کو جام جہاں نما کہتے تھے - اب مختصر طور پر اس کو جامِ جم کہتے ہیں +
۲۲۹	افسردگی - حاصل مصدر مُرجھا جانا - غمگین ہونا +
	دستار - پگڑی +
	دستِ گلچیں - مرکّب اضافی گلچیں کا ہاتھ - پھول چُننے والے کا ہاتھ +

صفحہ	الفاظ و معانی
٢٢٩	خارِ گلشن - مرکب خار بمعنی کانٹا - گلشن - اسم ظرف مکاں بمعنی باغ کا کانٹا +
	غمگسار - اسم فاعل - غم بانٹنے والا - غمخوار +
٢٣٠	سنتری - پہرہ دار سپاہی +
	کوہِ آتش خیز - آتش خیز وہ پہاڑ جس میں سے آگ دھواں نکلے یا لاوہ نکلے +
	ویسوویس - ایک آتش خیز پہاڑ - جو ملک اٹلی میں ہے +
٢٣١	سراسیمگی - پریشانی +
	ہراس - خوف +
	چھٹکارا نہ ملتا تھا - خلاصی نہ ہوتی تھی +
	فرائضِ منصبی - اپنے عہدے کے فرض - ذمہ داری کے کام - فرائض جمع فرض کی +
	تصدق - صدقہ دینا - قربان کرنا +
	آلاتِ حرب - لڑائی کے اوزار +
	چھکے چھوٹ گئے - ہوش و حواس جاتے رہے اور چالاکی جاتی رہی +
	منہ کی کھانا - شکست کھانا - مار کھانا - شرمندہ ہونا +
٢٣٢	چار دانگِ عالم - دُنیا کے چاروں طرف - ساری دُنیا +
	گُل اندام بیبیاں - مرکب گُل بمعنی پھول - اندام بمعنی جسم یعنی وہ عورتیں جن کے جسم پھول جیسے ہوں - مُراد نازک عورتیں +
	محترز - اسم فاعل - احتراز (بچنا) پرہیز کرنے والا +
	باحسن الوجوہ - پُورے پورے طور پر - ٹھیک طور پر +
	راہِ مستقیم - سیدھی راہ - سیدھا راستہ +
	کشاں کشاں - کھینچ کھینچ کر +

صفحہ	الفاظ و معانی
٢٣٢	نظیروں - جمع نظیر کی - مثالیں +
	ہدیۂ ناظرین کریں - ناظرین کے پیش کریں - آپ کو بتائیں +
	حجاب - پردہ - شرم +
٢٣٤	مقتضی - چاہا گیا - خواہش کیا گیا - مجازاً مناسب - مراد مطلب +
	حماقت - بے وقوفی +
	وام - قرض +
	بریں عقل و دانش بباید گریست - اس عقل اور سمجھ پر رونا چاہیئے +
	بساط - طاقت - حیثیت - قدر +
٢٣٥	ریفارمروں - جمع ریفارمر - اسم فاعل - اصلاح کرنے والے قوم کی حالت کو اپنے وعظ و نصیحت سے درست کرنے والے +
	ابد الآباد - جب تک کہ دنیا قائم ہے +
٢٣٦	عظمت - عزت - بڑائی -

صفحہ	الفاظ و معانی
	بزرگی +
	غیظ و غضب - غصّہ اور سختی +
	تلقین - سمجھانا - تعلیم دینا -
	اقتباس - روشنی حاصل کرنا - مجازاً کسی عبارت میں سے کوئی مضمون لینا +
٢٣٧	ذی اقتدار - قدر والے صاحب قدر - مراد بڑے بڑے آدمی +
٢٣٨	عوام النّاس - عوام جمع عام کی - ناس بمعنی لوگ یعنی عام لوگ +
	متنبّہ - تنبیہ پانے والا - ہوشیار +
	حسب الحکم - حکم کے مطابق
	زہر ہلاہل - ہلاک کرنے والا زہر - مار ڈالنے والا زہر +
	منجّم - نجومی - جوتشی +
	جرِ ثقیل - ایک علم کا نام جر بمعنی کھینچنا - ثقیل بمعنی بھاری اشیا - بھاری چیزوں

صفحہ	الفاظ و معانی
	کے کھینچنے کا علم +
	معرضِ ظلمت - اندھیرے کی جگہ +
۲۳۹	کشمکش - لڑائی - جھگڑا +
	مبّرا - بری کیا ہُوا - پاک +
۲۴۰	رُفقا - جمع رفیق کی - دوست +
۲۴۱	زندہ است نامِ فرخِ نوشیرواں بعدل گرچہ بسے گذشت کہ نوشیرواں نماند نوشیرواں کا مبارک نام عدل کے سبب سے زندہ ہے۔ اگرچہ بہت مدّت ہوئی - کہ نوشیرواں نہیں رہا - یعنی اُس کو مرے ہوئے زمانہ گذر گیا ہے - مگر اس کا مبارک نام تاحال زندہ ہے +
۲۴۲	بے شعُور - بغیر عقل کے - بے عقل +
۲۴۳	حسنِ تمکنت - غرور - دبدبہ - ٹیپ ٹاپ +
	اوہام - جمع وہم کی شک شکوک +

صفحہ	الفاظ و معانی
	لَو لگانا - محبّت کرنا +
۲۴۴	کسبِ معاش - روزی کمانا روزی حاصل کرنا +
۲۴۵	مجملاً - مجمل طور پر - مختصر طور پر - تھوڑا تھوڑا +
	بیخ کَنی کرنا - جڑ اکھیڑنا +
	منقاد - مطیع فرمانبردار - حکم ماننے والا +
۲۴۶	محاسن - جمع حسن - خوبیاں
	رطب اللّسان - تر زبان والا - رطب (تر) لسان (زبان) استعمال - وہ اس کی تعریف میں رطب اللّسان ہے - یعنی وہ اس کی بہت تعریف کرتا ہے +
۲۴۹	طُرّہ یہ ہے - خُوبی یہ ہے - عجیب بات یہ ہے +
۲۵۰	دبازت - دبیز ہونا - موٹا ہونا
	کماحقّہٗ - جیسا کہ حق ہے بپُورے پُورے طور پر +
۲۵۲	محدّب - وہ شیشہ جو درمیان سے باہر کی طرف اُبھرا ہوا ہو + 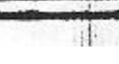 محدّب کی شکل

صفحہ	الفاظ و معانی
۲۵۳	**ثبت ہو جاتا ہے** - قائم ہو جاتا ہے - لگ جاتا ہے +
	اظہر من الشمس - سورج سے زیادہ ظاہر - بہت کھلی ہوئی اور واضح بات +
	علمی مذاق - علم کا شوق +
۲۵۴	**ارباب بصیرت** - ارباب جمع رب کی - بمعنی صاحب - بصیرت - دانائی - عقل یعنی عقلمند لوگ +
	انکشاف - مادہ کشف کھولنا - ظاہر کرنا +
	تفاوت - فرق +
	مرکز ثقل - کسی چیز کا وہ نقطہ جس پر اس جسم کے سب اجزاء برابر ٹکے رہیں +
۲۵۵	**مُوجِد** - اسم فاعل - ایجاد کرنیوالا
۲۵۶	**عمداً** - جان بوجھ کر +
۲۵۷	**اکتفا** - کفایت کرنا - کافی ہونا +
	اہم - ضروری +
۲۵۸	**سٹیتھسکوپ** - وہ آلہ جس

صفحہ	الفاظ و معانی
	سے دل کی حرکت معلوم کی جاتی ہے +
	محرّک - تحریک دینے والا - اکسانے والا - بھڑکانے والا +
۲۵۹	**حیات نما** - زندہ شکلوں کو دکھانے والا +
	بائیسکوپ - ایک قسم کا تماشا جس میں زندہ تصویریں کام کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں +
۲۶۰	**میجک لینٹرن** - جادو کی لالٹین - ایک آلہ ہے جس میں چھوٹی تصویریں بڑی ہو کر دکھائی دیتی ہیں +
۲۶۲	**ماہیت** - اصلیت +
۲۶۴	**یاس آمیز** - ناامیدی سے ملا ہوا +
۲۶۵	**مخرج الماء** - مخرج بمعنی خارج کرنے کا آلہ - ماء بمعنی پانی یعنی پانی کے خارج کرنے کا آلہ - واٹر پمپ +
۲۶۶	**دارالتجارب** - مرکب دار

صفحہ	الفاظ و معانی	صفحہ	الفاظ و معانی
۲۶۶	بمعنی گھر - تجارب جمع تجربہ کی یعنی تجربوں کا گھر یعنی وہ مکان جس میں تجربے کیئے جاتے ہیں - لیبارٹری +		تجربۃً - تجربہ کے طور پر - امتحاناً +
			کنڈنسنگ ڈائنمو - وہ بجلی کی مشین جو برقی تاثیر سے بجلی کی رَو پیدا کرتی ہے +
۲۶۷	اخذ کیا جاتا ہے - حاصل کیا جاتا ہے - لیا جاتا ہے +		معطل - بیکار +
۲۶۸	غُلو - ایسی بات جس کو عقل اور عادت دونو نہ مانیں - کسی بات کو اس قدر بڑھا کر بیان کرنا - کہ جس کو عقل اور عادت نہ مانیں +		مُستند - اسم مفعول - مسند مانا ہوا - مانی ہوئی بات +
			مسلّم - اسم مفعول - تسلیم کیا ہوا +
		۲۷۵	سکوت - خاموشی +
			سوادِ حرم - خانہ کعبہ کی نواحی +
۲۶۹	قانع - اسم فاعل - قناعت کرنے والا - صابر - صبر کرنے والا		دستِ رعشہ دار - وہ ہاتھ جو کانپ رہا ہو +
۲۷۱	تجاذبِ مادّی - زمین کی کشش جو چیزوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے +		زمانِ سلف - گذرا ہوا زمانہ
		۲۷۶	سفینۂ تیز - تیز کشتی
	ہوّس - کیمیا گر +		ابد - وہ زمانہ جس کی انتہا نہیں - ہمیشگی +
۲۷۲	بذاتہٖ - بذات خود +	۲۷۷	معاذ اللہ - یہ اصل میں اعوذُ معاذ اللہ ہے - یعنی پناہ چاہتا ہوں میں خدا سے پناہ چاہنی - خدا کی پناہ +
	زائل کردینا - گم کر دینا - کھو دینا - نقصان کر دینا +		
	محقق - اسم فاعل - تحقیق کرنے والا - اصل حال دریافت کرنے والا +	۲۷۸	اجنّہ - جمع جن کی +

صفحہ	الفاظ و معانی
۲۷۸	ضعیف الاعتقاد - کمزور اعتقاد والا +
۲۸۰	تصوف - صوف سے مشتق پشمینہ پہننا - صوف بمعنی کنارہ پکڑنا اور منہ پھیرنا - فقیری +
	شنجرف - شنگرف - سرخ رنگ
۲۸۲	جنگِ احمر - سُرخ لڑائی +
	کشتی بدی ہوئے - کشتی مقرر ہوئی ہے - لڑائی ہونے والی ہے +
	سر کرنا - زیر کرنا - فتح کرنا +
	نشا غفیل ہو جانا - نشے سے بدمست ہو کر گر پڑنا - نشے میں شدھ نہ رہنا +
	جہنم واصل کرنا - مار ڈالنا مار دینا - حقارت کے طور پر بولتے ہیں +
	خبط - دیوانگی - عقل کا جنون کے ساتھ ملنا - پاگل پن +
	لاطائل - بے فائدہ +
	ضحوکہ - مادہ ضحک وہ چیز جس کے سبب سے ہنسی آئے - ہنسی +
۲۸۳	قوانین نبرد - لڑائی کے قانون
	بل - پہلوان +
۲۸۴	تتو تھمبو کر کے - اور اور باتیں کر کے +
	جائزہ لیا گیا - پریڈ دیکھی گئی - حاضری لی گئی +
۲۸۵	جگت اُستاد - دُنیا کا اُستاد
	اصرارِ بلیغ - بہت دفعہ کہنا سخت اصرار +
	کُڑکری - پیچش - گھوڑے کی بیماری - جس میں اُس کا پیشاب بند ہو جاتا ہے +
	بوغما - گھوڑے کی ایک بیماری کا نام ہے - جس میں تمام جسم سے پسینہ بہنے لگتا ہے - اسے بند سپیدہ بھی کہتے ہیں +
۲۸۶	دو چار ہونا - ملنا - آمنے سامنے ہونا +
	لامتناہی - لا کلمہ نفی - بمعنی نہیں - متناہی انتہا بمعنی حد - یعنی وہ جس کی کوئی حد نہ ہو +
	سحر کاذب - سحر بمعنی صبح - کاذب بمعنی جھوٹا - یعنی جھوٹی

صفحہ	الفاظ و معانی
۲۸۶	صبح ۔ وہ صبح جس میں آدمی کا چہرہ وغیرہ صاف صاف نہ پہچانا جائے +
	ساحروں ۔ جمع ساحر کی ۔ یعنی جادوگروں ۔ جادو کرنے والے +
۲۸۷	جہم صعب ۔ سخت لڑائی +
	شل ۔ لنگڑا ۔ اپاہج ۔ سست چیز +
۲۸۸	ایں گل دیگر شگفت ۔ ایک اور گل کھلا ۔ ایک نئی بات نکلی +
۲۸۹	خوف طاری ہوا ۔ خوف چھا گیا +
	مہیب ۔ ہیبت والا ۔ خوف والا +
	زکیں ۔ جمع زک کی ۔ شکستیں
۲۹۰	عہدہ برآ ہونا ۔ پورا اترنا +
۲۹۱	معاً ۔ فوراً ۔ اسی وقت +
۲۹۲	لاگ ڈانٹ ۔ دشمنی +
	کساد بازاری ۔ بے رونقی سستاپن ۔ خرابی ۔ بے رواجی +
۲۹۴	بال بیکا کرنا ۔ بال ٹیڑھا کرنا ۔ صدمہ پہنچانا +
	حرکات و سکنات ۔ حرکات

صفحہ	الفاظ و معانی
	جمع حرکت کی ۔ یعنی جنبش مراد چال چلن ۔ نشست برخاست +
۲۹۵	دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز ۔ فساد برپا کرنے والے سچ سے مصلحت والا جھوٹ اچھا ہے +
	عفریت ۔ دیو +
	ظفر انتساب ۔ فتح سے نسبت رکھنے والا ۔ فتح کے ساتھ ملا ہوا ۔ فتحیاب +
۲۹۶	دگر دگر ہے ۔ غیر غیر ہے یعنی دوسرا اپنا نہیں ہو سکتا ہے جگر جگر ہے ۔ اپنا اپنا ہے +
۲۹۷	کوڑے کرکے ۔ فروخت کرکے ارزاں بیچ کر ۔ کوڑے کرنا محاورہ ہے
	آٹھوں گانٹھ کمیت ہو جانا ۔ سب گنوں پورا ہونا ۔ تیار ہو جانا ۔ ہوشیار ہو جانا +
	قاطر ۔ خچر +
	نابکار ۔ نالائق +
	ناہنجار ۔ نالائق +
	قہر درویش برجان درو

الفاظ و معانی	صفحہ	الفاظ و معانی	
عورتیں جو امیر گھروں میں کام کاج کے لیئے ملازم ہوں +		غریب کا قہر اپنی ہی جان پر ہوتا ہے +	۲۸
خواصیں - جمع خواص کی گولیاں باندیاں +		حمار - گدھا +	۲۹۹
ماماییں - جمع ماما کی - نوکر عورتیں +		راہوار - گھوڑا +	
اصیلیں - جمع اصیل کی - نوکر عورتیں +		بادرفتار - باد بمعنی ہوا رفتار حاصل مصدر (چلنا) ہوا کی طرح چلنے والا مراد تیز گھوڑا +	
کوزپشت - کبڑی پیٹھ والی کبڑی +		ٹخٹخانا - گھوڑے کو چلانے کے لیئے ٹخ ٹخ یا ٹک ٹک کرنا +	۳۰
ڈابر - جھیل - نشیب جہاں پانی اکٹھا ہو جاتا ہے +	۳۰۵	توسن - بے سدھا گھوڑا - بچھیرا +	
ماہ تا بماہی - چاند سے لے کر مچھلی تک - مچھلی سے مراد وہ مچھلی ہے - جس پر زمین قائم ہے - یعنی آسمان سے لے کر زمین کے پاتال تک +	۳۰۶	جان میں جان آنا - تسلی ہونا - آرام پانا +	
		مواخذہ - گرفت کرنا - پکڑنا حساب لینا +	
		دند نائینگے پھرینگے - لطف اٹھائیں گے +	
		پیش خدمتیں - لونڈیاں وہ	

IQBAL ACADEMY PAKISTAN LIBRARY, Acc No 15,748 LAHORE